جدید فقہی تحقیقات

نکاح میں شرط اور مشروط مہر

فقہ اسلامی کی روشنی میں

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے آٹھویں فقہی سمینار مورخہ ۲۲ر تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۵ء منعقدہ ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی میں پیش کئے جانے والے علمی وتحقیقی مقالات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : نکاح میں شرط اور مشروط مہر فقہ اسلامی کی روشنی میں
ترتیب : حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات : ۵۸۲
قیمت : ۲۰۰ روپے
سن طباعت : جولائی ۲۰۱۰ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: 011-26983728, 26981327
ای میل: ifapublications@gmail.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

ابتدائیہ	حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۹
پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳
پہلا باب:	**تمہیدی امور**	
سوالنامہ		۱۹
اکیڈمی کا فیصلہ		۲۴
☆ایک عملی قدم		۲۵
☆ازدواجی زندگی کی مشکلات اوران کے حل کی ایک کوشش		۲۶
تلخیص مقالات	مولانا ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	۳۱
عرض مسئلہ		
نکاح میں شرط اور مشروط مہر کا مسئلہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۳۷
طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی زیادہ مقدار	مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی	۴۹
تفویض طلاق قبل النکاح	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۵۵
دوسرا باب:	**تفصیلی مقالات**	
نکاح میں شرط، تفویض طلاق اور مشروط مہر کا مسئلہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۶۳
مشروط نکاح کے شرعی اصول وضوابط	مولانا عتیق احمد بستوی	۹۰
نکاح میں شرائط اوران کے احکام	مولانا مصلح الدین بڑودوی	۱۰۱
مشروط نکاح کی شرعی حیثیت	مولانا ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام اعظمی	۱۱۰
نکاح میں شرطوں کا مسئلہ	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۱۱۹
مقتضائے عقد کے منافی شرائط	مفتی جنید عالم ندوی قاسمی	۱۲۷

نکاح میں مفید شرطیں لگانا	مولانا شمس پیرزادہؒ	۱۳۹
نکاح میں شرائط، اقسام اور احکام	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۱۵۳
عقد زواج میں اضافی شرطیں	مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	۱۶۳
شرائط کے ذریعہ خواتین کو حق طلاق	مولانا طیب الرحمٰن	۱۷۶
نکاح میں خواتین کے حقوق کا تحفظ	مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری	۱۸۲
نکاح میں مباح شرطیں اور احکام	مولانا ابوالحسن علی	۱۸۸
نکاح میں شرائط کا مسئلہ	مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	۱۹۶
عقد زواج میں مفید شرطیں	مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۲۰۱
نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کے شرعی احکام	مفتی محمد زید	۲۰۹
عقد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطیں	مولانا نور الحق رحمانی	۲۱۷
مشروط نکاح کے چند بنیادی احکام	مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	۲۳۲
نکاح میں شرائط مقرر کرنے کا شرعی حکم	مفتی نسیم احمد قاسمیؒ	۲۴۰
نکاح میں شرائط کا مدلل جائزہ	مولانا ولی اللہ قاسمی	۲۴۹
نکاح میں شرائط کتاب وسنت کی روشنی میں	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۲۶۳
مشروط نکاح اور اس کے احکام	مولانا اقبال احمد کانپوری	۲۷۸
عقد نکاح میں شرائط عائد کرنے کا حکم	مولانا اخلاق الرحمٰن	۲۸۴
نکاح میں مباح شرائط فقہ اسلامی کی روشنی میں	مولانا عبدالرشید قاسمی	۲۹۰
نکاح وطلاق میں مختلف شرطوں کی شرعی حیثیت	مولانا عزیز اختر قاسمی	۲۹۷
مشروط نکاح	مولانا محمد اقبال قاسمی	۳۰۸
نکاح میں صحیح وفاسد شرائط کی نوعیت	مولانا محمد شاہد قاسمی	۳۱۹
نکاح کو پائدار بنانے والی شرطیں	مولانا بدر احمد مجیبی	۳۲۷
عقد نکاح کو مستحکم کرنے والے شرائط	مولانا فضل الرحمٰن رشادی	۳۳۵
نکاح میں زوجین کے لئے قابل قبول شرائط کا مسئلہ	مولانا محمد عمران القاسمی	۳۴۳
موجودہ حالات میں مشروط نکاح	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۳۵۰
شرائط نکاح سے متعلق بعض مسائل ودلائل	مولانا ابوبکر قاسمی	۳۵۴
نکاح میں شرطیں لگانا	مولانا ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی	۳۶۵
نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں	مولانا نعیم احمد قاسمی	۳۷۵

نکاح کے موافق اور منافی شرائط	مولانا محمد نور القاسمی	۳۸۳
طلاق کے واقعات روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی	مولانا محمد یوسف خاں قاسمی	۳۹۲
نکاح کے وقت تفویض طلاق کی نوعیت	مولانا ہارون رشید مظاہری	۳۹۵
باب سوم:	**مختصر تحریریں**	
نکاح میں شرائط اور مصالحِ شرعیہ	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۴۰۱
نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں	مولانا محمد رضوان القاسمی	۴۰۳
نکاح میں شرائط اور ائمہ کی آراء	مولانا زبیر احمد قاسمی	۴۰۵
شرائط نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۴۱۲
نکاح میں شرائط کی حیثیت	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	۴۱۴
نکاح میں شوہر پر عائد کئے جانے والے شرائط	مفتی محفوظ الرحمٰن اعظمی	۴۱۶
نکاح میں مفید شرائط اور طریقہ کار	مولانا عبد اللہ جولم	۴۱۸
طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافۂ مہر	مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی	۴۲۳
نکاح اور شرائط	مولانا ممتاز عالم مصباحی	۴۲۷
نکاح میں مفید اور معتبر شرطیں	مولانا رفیق بن آدم	۴۳۱
نکاح میں لگائے جانے والی شرطیں اور ان کے احکام	مفتی محمد اسلم	۴۳۵
طلاق کے اختیار کی شرط	مفتی ریاست علی قاسمی	۴۴۲
نکاح میں ایسی شرطیں جن سے ذمہ داریاں عائد ہوں	مولانا عبد الرحمٰن قاسمی	۴۴۸
نکاح میں مختلف نوع کے شرائط عائد کرنا	مولانا عبد القیوم پالن پوری	۴۵۲
نکاح میں قابل ایفا شرائط عائد کرنا	مفتی معز الدین	۴۵۶
نکاح میں مہر کی کمی وزیادتی کی شرط	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	۴۶۳
نکاح میں مقتضائے عقد کے موافق شرائط	مولانا نذر توحید مظاہری	۴۶۴
ذمہ داریاں عائد نہ ہونے والے شرائط	مولانا محمد اختر عالم قاسمی	۴۶۷
شرائط کے ذریعہ خواتین کو اختیار دینا	مولانا نوشاد عالم قاسمی	۴۶۹

اقتباسات

عقد نکاح کو نئی شرطوں سے مؤکد کرنا	مولانا شہباز عالم ندوی	۴۷۵
مشروط نکاح کی شرعی حیثیت	مولانا انور حسین چترا	۴۷۸

فریقین کا تقاضۂ عقد کے مطابق شرط لگانا	مولانا محمد شہاب الدین سبیلی	۴۸۰
نکاح میں نفقہ، سکنی اور کسوہ کی شرط لگانا	مولانا محمد عارف مظہری	۴۸۴
مباح اور قابل ایفا شرطیں لگانا	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی	۴۸۶

تفویض طلاق کا مسئلہ

تفویض طلاق کا مسئلہ	مولانا محمد مجتبیٰ مظاہری	۴۹۱
تفویض طلاق کا حکم	مفتی احمد نادر القاسمی	۴۹۵
تفویض طلاق اور احتیاطی قیودات	مولانا عبد القادر قاسمی	۵۰۱
تفویض طلاق اور اس کی شرطیں	مولانا نسیم الدین قاسمی	۵۰۷
تفویض طلاق کا شرعی حکم	مولانا محمد نعیم رشیدی	۵۱۱
تفویض طلاق کی صورتیں	مولانا محمد حاذق قاسمی	۵۱۶

مہر کی دو مشروط مقدار

مہر کی دو مشروط مقدار	مولانا محمد انظر سبیلی	۵۲۱
طلاق کو روکنے کے لئے مہر میں کمی اور زیادتی کی شرط	مولانا محمد ہارون قاسمی	۵۲۳
مہر میں زیادتی کی شرط	مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی	۵۲۶
مہر میں کمی اور زیادتی کو طلاق پر معلق کرنا	مولانا محمد عاقل قاسمی	۵۳۰
انسداد طلاق کے لئے مہر میں اضافہ	مولانا احتکام الحق قاسمی	۵۳۳
عقد نکاح میں بیوی کی طرف سے ملازمت کی شرط	مولانا معین الدین قاسمی	۵۳۵
عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط	مولانا سمیع اللہ قاسمی	۵۳۷
نکاح میں شرط ملازمت اور اس کا حکم	مولانا محمد منصور عالم قاسمی	۵۳۹
خواتین کی طرف سے شرط ملازمت	مولانا محمد نظام الدین قاسمی	۵۴۳
باب چہارم:	**مناقشہ**	۵۴۷
نمونہ نکاح نامہ		۵۷۹

ابتدائیہ

انسانی سماج یوں تو مختلف رشتوں اور ناطوں سے مرکب ہے، مگر ان تمام رشتوں کا سرچشمہ نکاح ہے، نکاح کے ذریعہ ازدواجی رشتہ کی تشکیل ہوتی ہے، پھر شوہر و بیوی ہی ماں باپ بنتے ہیں اور یہی رشتہ پھیلتے پھیلتے ایک پورے خاندان کو وجود میں لاتا ہے، اس لئے خاندانی نظام میں استحکام اور خوشگواری کا اصل راز زوجین کے درمیان بہتر تعلقات، ایک دوسرے کے حقوق کی بہتر طور پر ادائیگی اور باہمی ایثار و محبت ہے، قرآن مجید نے اسی کیفیت کو ''معاشرت بالمعروف'' سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حسن سلوک اور بہتر رویہ محبت کی دین ہے اور محبت دستور و قانون سے زیادہ جذبات کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہے، اسی لئے خطبۂ نکاح میں بار بار ''تقویٰ'' کی تلقین کی گئی ہے کہ اگر کوئی دل خدا کے خوف سے عاری اور دوسرے فریق کی محبت سے خالی ہو تو قانون کی تلوار کا اس پر اثر انداز ہونا دشوار ہے، لیکن اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ انسان جو دلوں کی آواز کو سن اور قلوب کے حال پڑھ نہیں سکتا، ممکن حد تک اپنی اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کچھ احکام و قوانین کو سہارا بنانے پر مجبور ہے، یہی وجہ ہے کہ عبادات کے بعد خاندانی زندگی کے احکام قرآن و حدیث میں جس تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں شاید کسی اور شعبۂ زندگی کی جزئیات پر اس تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، پھر ان اصول و جزئیات کی

روشنی میں فقہاء نے اسلام کا ایک مکمل ومربوط اور متوازن معاشرتی نظام مرتب کیا ہے، جن کو قدیم فقہاء ''مناکحات'' یا ''عقد معاوضہ غیر مالی'' کہا کرتے تھے اور آج ان کو ''احوال شخصیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ معاشرتی قوانین آج بھی سب سے مکمل، فطرت سے ہم آہنگ اور متوازن سماجی قوانین ہیں، حالانکہ اخلاقی انحطاط، اسلامی تعلیمات سے دوری، غیر مسلم سماج سے تاثر اور اسلام کے نظام عدل وقضاء سے محرومی ومجبوری کے باعث ہمارے موجودہ حالات ان فقہاء کے عہد سے بہت کچھ مختلف ہیں، پھر بھی امت کو ان مجتہدین امت کا احسان مند اور شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان بدلے ہوئے حالات میں بھی ہمارا فقہی ذخیرہ ہماری رہنمائی کرتا ہے اور قانون شریعت کے دائرہ میں ہماری مشکلات اور دشواریوں کا حل نکالتا ہے، اسی پس منظر میں مورخہ ۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اسلامک اکیڈمی (انڈیا) نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احاطہ میں اس کے شعبہ دینیات کے تعاون سے ''اشتراط فی النکاح'' کے عنوان سے سمینار منعقد کیا تھا۔

(۱) سوالنامہ:

(۲) خلاصۂ جوابات:

اس میں ہر سوال سے متعلق جوابات کا خلاصہ ہے۔

(۳) عرض مسئلہ:

اس میں ہر زیر بحث مسئلہ سے متعلق تمام مقالہ نگاروں کے نقطۂ نظر اور دلائل کو سامنے رکھ کر عارض نے کسی رائے کو ترجیح دی ہے اور وجوہ ترجیح پیش کی ہے۔

(۴) مقالات:

اس میں زیر بحث موضوع سے متعلق تفصیلی مقالات ہیں۔

(۵) مختصر تحریریں:

اس میں ان مسائل سے متعلق مختصر جوابات ہیں جو اکیڈمی کو موصول ہوئے ہیں۔

(۶) اقتباسات:

اس میں زیادہ تر طلبہ تخصص فی الفقہ کے مقالات کے خلاصہ یا اس کا کچھ حصہ شریک کیا گیا ہے۔

(۷) تجاویز:

آخر میں ان مسائل سے متعلق وہ تجاویز ہیں جن کو سمینار کے شرکاء نے باتفاق رائے طے کیا ہے۔

اس کی وضاحت مناسب محسوس ہوتی ہے کہ مجلّہ کی ضخامت کو معتدل اور مناسب رکھنے کی غرض سے اس بار مقالات پر نظر ثانی کی گئی ہے، جن مقالہ نگاروں کے یہاں ایک ہی بات تکرار کے ساتھ آ گئی تھی، ان میں مکررات حذف کر دئے گئے ہیں، جہاں زیادہ پھیلاؤ اور طول کلام تھا، حالانکہ مختصر عبارت سے بات پوری ہو جاتی تھی، وہاں کسی قدر اختصار کر دیا گیا ہے، بعض مقامات پر طویل عربی عبارتیں حذف کر کے ان کا ترجمہ مع حوالہ باقی رکھا گیا ہے، بعض طلبہ تخصص کے مقالے مختصر اور جامع تھے، ان کو مکمل شریک اشاعت رکھا گیا ہے اور بقیہ مقالات میں ان کا خلاصہ یا ان کے اقتباسات شریک اشاعت ہیں۔

از راہ سہولت اس مجلّہ کی کتابت بھی کمپیوٹر پر کی گئی ہے، اس سے پہلے ضرورت وحاجت سے متعلق مقالات بھی اسی طرح شائع کئے گئے تھے، اس سے ضخامت کو کم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے اور کام بھی نسبتاً جلد ہو جاتا ہے، پروف ریڈنگ پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے، اس کے باوجود اطمینان نہیں کہ اغلاط بالکل نہ ہوں، اس سلسلہ میں قارئین سے عفو خواہ ہوں، کمپیوٹر کی کتابت میں حواشی کا نیچے درج کرنا دشوار ہوتا ہے اور مقالہ کے اختتام پر تمام حوالہ جات کو جمع کرنا قارئین کے لئے دشواری کا باعث ہوتا ہے، اس لئے عبارت ہی میں قوسین

میں حوالہ جات درج کئے گئے ہیں۔

یہ مجلّات خالص علمی وفقہی موضوع پر ہیں اور اپنے موضوع پر ایک بہترین علمی کلید اور دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ علماء وقانون داں اور دانشور حضرات ہی کے لئے زیادہ باعث دلچسپی ہوسکتا ہے، مدارس وجامعات کے لئے بھی یہ ایک عظیم الشان تحفہ ہے، اگر ادارے، لائبریریاں اور اہل علم ودانش تھوڑی سی توجہ کریں اور ان مجلّات کو خریدنے کا اہتمام کریں تو بڑی آسانی سے یہ فروخت ہوجائیں اور اکیڈمی کو مالی زیر باری سے نجات ملے، امید ہے کہ ہمارے محسنین اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

وباللہ التوفیق
قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
(سکریٹری جنرل)

پیش لفظ

انسان کو زندگی گزارنے کے لئے جیسے روٹی، کپڑے اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح خاندان بھی اس کی ایک اہم ضرورت ہے، خاندان کے بغیر زندگی قید تنہائی سے کم نہیں ہے، کیونکہ انسان کو زندگی کے ہر مرحلہ میں خاندان کا تعاون درکار رہے، خاندان کی شرکت کے بغیر اس کی خوشی نامکمل ہوتی ہے اور خاندان کی رفاقت اور اس کی دلداری نہ ہو تو معمولی سا غم بھی اس کے لئے جاں گسل بن جاتا ہے، اسی لئے اسلام میں خاندانی نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اللہ تعالی نے اس کا بطور احسان کے ذکر فرمایا ہے:"إنا جعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا"۔

چنانچہ ہر شادی شدہ انسان کے ساتھ خاندان کی تین شاخیں ہوتی ہیں: دادیہال، نانیہال اور سسرال۔ خاندان کے یہ تینوں حصے نکاح ہی کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، دادیہال، اور نانیہال والدین کے نکاح سے اور سسرال خود اپنے نکاح سے، اسی لئے اسلام میں نکاح کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قرآن مجید میں نکاح سے متعلق بعض احکام جس وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں نماز روزہ وغیرہ کے احکام پر بھی اتنی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ نکاح کی بنیاد پر عائد ہونے والے حقوق وفرائض کو بھی قرآن وحدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور فقہاء نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس کو مزید واضح فرمایا ہے، تاہم چونکہ اس رشتے کی بنیاد اللہ کے خوف، زوجین کے درمیان باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لئے جذبہ ایثار پر ہے، اسی لئے بعض امور کی قصداً تحدید وتعیین اور اس میں کسی خاص پہلو کو لازم قرار دینے سے گریز کیا گیا ہے، لیکن بعض

اوقات دوسرے فریق کی جانب سے زیادتی کو روکنے کے لئے ایک گونہ تحدید کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ایسی تحدیدات اگر فریقین کے درمیان وعدہ وشرط کے درجہ میں طے کر دی جائیں اور وہ احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں تو معتبر ہوتی ہیں۔ نکاح میں معاملہ کا ایک فریق -شوہر- جسمانی اعتبار سے بھی طاقتور ہوتا ہے اور مالی وسائل بھی اس کے پاس زیادہ ہوتے ہیں، نیز اسے طلاق کا اختیار بھی دیا گیا ہے، اس لئے بعض دفعہ عورتیں ضرورت محسوس کرتی ہیں کہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ایسی شرطیں عقد نکاح میں شامل کریں جو ان کو امکانی زیادتی سے بچا سکے، نیز سوال یہ ہے کہ اس طرح کی شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسی شرط جو شریعت کے مقرر کئے ہوئے حقوق وفرائض کو مؤکد کرتی ہو معتبر ہوگی، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے معاملہ کا حصہ ہے، اسی طرح جو شرطیں شریعت کے مقرر کئے ہوئے بنیادی اصولوں کے خلاف اور ان سے متصادم ہوں، ان کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ جس بات کی صراحت نص میں موجود ہو یا جس پر امت کا اجماع ہو گیا ہو وہ اجتہاد یا غور مکرر کا محل نہیں ہے۔ کچھ ایسی شرطیں بھی ہوسکتی ہیں جن کی کتاب وسنت میں مثبت یا منفی طور پر صراحت نہیں ہے، یہی اصل میں غور وفکر کا محل ہیں، بالخصوص ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت اور نظام عدل موجود نہیں ہے، سماجی ظلم وزیادتی کو روکنے میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، مثلاً اگر کوئی عورت شرط عائد کر دے کہ اس کی موجودگی میں شوہر دوسرے نکاح کا مجاز نہیں ہوگا، یا مثلاً شوہر اسے اس کے شہر یا اس کے ملک سے باہر نہیں لے جائے گا، تو اس سے ایسے مردوں کی زیادتی کو روکا جاسکتا ہے جو کسی سنجیدہ جذبہ کے تحت دوسری شادی نہیں کرتے، بلکہ انتقامی جذبہ کے تحت دوسری شادی کرتے ہیں یا جس سے اندیشہ ہو کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے دور دراز علاقہ میں رکھنے کی کوشش کرے گا، جہاں اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کو خطرہ ہے۔ اسی طرح اگر بیوی نے مہر کو دو الگ حالتوں کے ساتھ مشروط کر دیا مثلاً یہ کہ اگر تم نے میرے موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو میرا مہر ایک لاکھ روپئے ہوگا ورنہ پچیس ہزار ہوگا، تو اس طرح ایسے شوہر کو ایک حد تک لگام

دی جاسکتی ہے جو کسی معقول وجہ کے بغیر دوسری شادی کرنا چاہتا ہو۔

شرط ہی سے متعلق ایک مسئلہ ''تفویض طلاق'' کا ہے، اگر کسی عورت نے اس شرط پر نکاح یا کہ مطلقاً یا بعض خاص صورتوں میں اسے اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا تو کیا یہ شرط معتبر ہوگی؟ تا کہ شوہر کے ظلم وزیادتی کی صورت میں وہ عدالتوں کے چکر لگائے اور عدالتی پیروی کے کثیر اخراجات سے دوچار ہوئے بغیر خود اپنے مسئلہ کو حل کرلے؟ ان مسائل میں فقہاء کے درمیان کسی قدر اختلاف رائے ہے، تفویض طلاق حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، مہر کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کی رائیں مختلف ہیں اور نکاح سے متعلق عائد کی جانے والی ایسی شرطیں جن کی قرآن وحدیث میں نہ نفی کی گئی ہے اور نہ اثبات۔ امام احمدؒ اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک دیانتاً اور قضاءً معتبر ہوں گی۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے آٹھویں فقہی سمینار منعقدہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بتاریخ ۲۲ /تا ۲۴ /اکتوبر ۱۹۹۵ء میں اس موضوع پر بھی بحث کیا تھا کہ کیا موجودہ حالات میں تفویض طلاق کے اصول سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، صاحبین کے مسلک کے مطابق مہر مشروط قابل اعتبار ہے اور کیا نکاح میں لگائی جانے والی شرطوں کو معتبر مانا جائے گا؟ ان مسائل پر کافی گفتگو ہوئی، خاصا مناقشہ ہوا اور اخیر میں جو بات طے پائی وہ فیصلہ کے عنوان سے اس مجموعہ میں موجود ہے۔

میرا خیال ہے کہ برصغیر میں پہلی بار اس موضوع پر اتنی تفصیل سے لکھا گیا، غور کیا گیا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد ایک متوازن اور ضرورت سے ہم آہنگ فیصلہ کیا گیا، چنانچہ یہ مجموعہ اسی موضوع سے متعلق مقالات ومناقشات کا مجموعہ ہے، اس میں پہلا باب تمہیدی امور کا ہے، دوسرے باب میں تفصیلی مقالات ہیں، تیسرے باب میں مختصر تحریریں ہیں، چوتھے باب میں اشتراط فی النکاح، تفویض طلاق اور اشتراط فی المہر سے متعلق ان مقالات کے اقتباسات شامل کئے گئے ہیں جو طلبہ عزیز نے لکھے تھے اور اب ان میں سے زیادہ تر حضرات تدریس وافتاء کی مسند

کو رونق بخش رہے ہیں، پانچواں باب سمینار کے مناقشہ پر مشتمل ہے۔

اکیڈمی نے ہمیشہ سے سماجی مسائل کو خصوصی اہمیت دی ہے، اور ایسے موضوعات کو اٹھایا ہے جو ازدواجی زندگی کی دشواریوں کو حل کرنے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، یہ بھی ان میں سے ایک ہے، اور اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے دوررس نتائج کا حامل ہے۔ یوں تو اس تحریر سے عام مسلمانوں اور اصحاب ذوق کو بھی فائدہ پہنچے گا، لیکن خاص کر ارباب افتاء اور قانون دانوں کے لئے یہ نہایت اہم ہے اور بعض سماجی دشواریوں کا بہترین حل ہے۔ یہ مجموعہ اس سے پہلے بھی شائع ہو چکا ہے، اب دوبارہ اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفقاء مولانا امتیاز احمد قاسمی اور مولانا محمد ہارون رشید ندوی نے بڑی توجہ سے اس کی ترتیب اور ایڈیٹنگ کا کام کیا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس مجموعہ کو قبول عطا فرمائے اور اکیڈمی کا علمی سفر تیز گامی کے ساتھ جاری رہے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری)

۲/جون ۲۰۰۹ء

۸/جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ :

نکاح میں شرط اور مشروط مہر فقہ اسلامی کی روشنی میں

نکاح مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے جس سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت ایک ساتھ مودت ومحبت اور اعتماد کی فضا میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اسلام رشتۂ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے اس نے نکاح کے ساتھ ایسی شرطیں عائد کی ہیں جن کے نتیجے میں رشتۂ نکاح دائمی رفاقت کی شکل اختیار کرلے اور میاں بیوی کے عائلی حقوق کا پورا تحفظ ہوسکے۔

نکاح کے نتیجہ میں میاں بیوی دونوں پر کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور دونوں کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان حقوق وفرائض کو شریعت نے کلیۃً فریقین کی رضامندی پر نہیں چھوڑا ہے کہ وہ دونوں عقد نکاح کرتے وقت اپنے حقوق وفرائض جس طرح چاہیں طے کرلیں، بلکہ مقاصد نکاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور دونوں کی فطرت وصلاحیت کو مدنظر رکھ کر دونوں کے کچھ حقوق وفرائض اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمادئے جن میں فریقین باہمی رضامندی سے بھی ردوبدل نہیں کرسکتے، اسلامی شریعت کی طرف سے میاں بیوی کے بعض بنیادی حقوق وفرائض کی تعیین اسی لئے کردی گئی ہے تاکہ مضبوط فریق کمزور فریق کا استحصال نہ کرسکے، اور فریق ثانی کی کمزوری اور مجبوری دیکھ کر نکاح کے وقت اپنی من پسند شرطیں عائد کرکے اپنے فرائض سے گریز کی راہ نہ اپنائے، اس پس منظر میں ہمارے فقہاء نے کتاب وسنت کی روشنی میں شرائط نکاح پر بحث کی ہے۔

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو ہم تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح

سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل نہیں ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اوپر ذکر کردہ تینوں قسم کی شرائط کے بارے میں شریعت کا حکم مع دلائل مطلوب ہے۔

الف۔ دوسری قسم کی شرط لگانا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟ ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے، نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر منعقد ہوتا ہے تو کیا اس شرط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری ہے؟

ب۔ تیسری قسم کی شرائط کا کیا حکم ہے؟ یہ شرطیں لازم الایفاء ہیں یا نہیں، ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

ج۔ نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اگر شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہے، کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں:

۱- عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس تحریر پر طرفین کی دستخط ہوجائے۔

۲- عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور

قبول مشروط ہو۔

۳- عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

ہر سہ صورتوں کے کیا احکام ہوں گے اور شرعاً ان میں کیا پابندیاں ہوں گی؟ اس تفویض واختیار کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کیا قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو کہ جانبین کے لئے مفید ہوں اور بے جا استعمال کا سد باب کریں۔

مسئلہ کا ایک پہلو اور اہم ہے کہ شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں رکھا ہے، تفویض کے نتیجہ میں یہ اختیار عورت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، کیا اس سے مصالح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ تو نہیں؟ تو کیا مصالح کی حفاظت کے لئے اس تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو کہ مفید مقصد ہوں اور بے جا تصرف کا سد باب کریں۔

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی متاثر ہوتے ہیں، لہٰذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے، کیا اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، اس طرح مہر طے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، اس سوال کو حل کرنے میں فقہ کے اس مشہور مسئلہ سے مدد لی جاسکتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، اس مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست قرار پاتی ہیں، اور ہر دو صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمیٰ) لازم ہوتا ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور

پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمیٰ) لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مہر مسمیٰ سے متجاوز نہ ہو، تعیین مہر کے اس طرح کے چند دوسرے مسائل بھی فقہ میں پائے جاتے ہیں، ان میں سے چند کا حوالہ سوالنامہ کے ساتھ ہم رشتہ ہے، کیا فقہ میں مذکور ان مسائل کے پیش نظر تسمیہ مہر کی وہ صورت درست نہیں قرار دی جاسکتی، اور کیا طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے؟

سوال ۲- اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی یا نہیں؟

سوال ۳- آج کل عورتوں میں بھی ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم کا رواج ہوتا جارہا ہے، اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں، یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی ہوتی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انھیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی، شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری ہوگی یا نہیں، اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی یا نہیں؟

حوالہ جات

”إذا تزوجها على ألف إن لم تكن له امرأة وعلٰى ألفين إن كانت له امرأة أو علٰى ألف إن لم يخرجها من البلدة۔ وعلى ألفين إن أخرجها فالنكاح جائز، والمعتبر فى المهر الشرط الأول إن وفى به فلها المسمىٰ على ذلک الشرط۔ وإن لم يف فلها مهر المثل لا ينقص من الأقل ولا يزاد على الأكثر، وقال أبويوسف ومحمد: الشرطان جائزان وفى الهداية: وقال زفر رحمه اللّٰه: الشرطان جميعا فاسدان ويكون لها مهر مثلها لا ينقص على الألف ولا يزاد على ألفين۔ إذا تزوج امرأة على ألف، ان كانت قبيحة وعلى ألفين إن كانت جميلة، فإن كانت جميلة فلها ألفان وإن كانت قبيحة فلها ألف، وهذا بلا خلاف، والفرق أن فى مسئلة الإخراج دخلت المخاطرة فى التسمية الثانية فإنها لا تدرى أن الزوج يخرجها أو لا يخرجها، فى مسئلة القبح والجمال لا مخاطرة أصلا، فإن المرأة على صفة واحدة لكن الزوج لا يعرف وجهالته لا توجب بالخطر“

(الفتاوىٰ التاتار خانية ۔ كتاب النكاح۳/۱۰۱،۱۰۲)

كذا فى (بدائع الصنائع ۲/۲۸۳ دارالكتب العلمية بيروت،كذ فى الفتاوىٰ الهندية ۱/۳۰۷،۳۰۹ دارالفكرو كذا فى البحرالرائق۔ صفحة ۲/۱۵۹،۱۶۲ المكتبه المساجد ية۔ كوئٹه۔ پاكستان)

كذا فى (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۱۲۲،۱۲۳ دارالفكر المبسوط للسرخسى۔۵/۹۰،۹۱ دارالفكر

الهداية مع فتح القدير۳/۲۳۱،۲۳۲احياءالتراث العربى۔بيروت)

اکیڈمی کا فیصلہ:

نکاح میں شرط اور مشروط مہر فقہ اسلامی کی روشنی میں

۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو موکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں، اور ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہیں، یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جہیز و تلک کی شرط لگانا۔

۳- نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو لازم و واجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔

ایک عملی قدم

اشترط فی النکاح کے موضوع پر بحث کے نتیجہ میں اکیڈمی نے مسلم سماجی حالات ومسائل، ملک بھر کے شرعی دار القضاء میں دائر اور فیصل ہوئے مقدمات، نیز سرکاری عدالتوں میں پیش مسلمانوں کے کیسیز کے تناظر میں ایک تفصیلی نکاح نامہ تجویز کر کے تمام مکاتب فکر کے علماء واصحاب افتاء، نیز ماہرین قانون کے غور وخوض کے لئے جاری کیا اور بھیجا، جس پر ملک کے مختلف حصوں سے ۱۰۰ اہم علماء نے اپنی رائے ظاہر کی اور نکاح نامہ میں درج مختلف دفعات اور شرائط کے علاوہ تفویض حق طلاق کے معاملہ پر اصول فقہیہ کے دائرہ میں گرانقدر آراء پیش کیں، جس میں اس جہت میں اقدام کی ضرورت کا اعتراف بھی شامل ہے، کیونکہ وہ قرآنی تصور، خاندان اور طریقہ عدل فی المعاملات کے مطابق ہے۔

علماء کے تمام جوابات کو مدنظر رکھتے ہوئے اکیڈمی نے دوبارہ اس مسئلہ سے متعلق ایک جامع واضح تحریر اور منضبط نکاح نامہ علماء کی خدمت میں ارسال کیا، جسے استفادہ کے لئے درج کیا جارہا ہے، ہندوستان کے موجودہ حالات نیز مسلمانوں میں علاقائی وتہذیبی وسماجی درجات کے تفاوت کے پس منظر میں منضبط نکاح نامہ کے نتیجہ خیز ومفید تر ثابت ہونے کی توقع ہے۔

(ادارہ)

ازدواجی زندگی کی مشکلات اوران کے حل کی ایک کوشش

ایک بیوی کے موجود رہتے ہوئے دوسری خاتون سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ہردو بیویوں کے درمیان ناانصافی کا خطرہ نہ ہو، اگراس بات کا اندیشہ ہوکہ شوہر دو بیویوں کے ساتھ برابر برتاؤ کر سکے گا تواسے ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

''فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً '' (سورہ نساء:۳)۔

اورنص قرآنی کی رو سے یہ بات قطعا جائز نہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کالمعلقہ چھوڑ دے کہ اسے نہ شوہر والی کہا جاسکے اور نہ مطلقہ یا بیوہ۔

''فَلاَ تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ''(سورہ نساء:۱۲۹)

آج عام طور پر جب میاں بیوی کے تعلقات معتدل اور نارمل ہوں، دوسرا نکاح نہیں کیا جاتا، بلکہ جب پہلی بیوی سے تعلقات بگڑتے ہیں تو عام طور پر اسے اس کے میکے بیٹھا دیا جاتا ہے، یا پھراس پر کوئی الزام یا تہمت لگائی جاتی ہے، اس کا کھانا خرچہ بند کر دیا جاتا ہے اور دوسری طرف شوہر دوسری کسی عورت کو بیاہ کر لے آتا ہے، نہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دیتا ہے، نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات اپنی پہلی بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اس بیوی کے ذمہ چھوڑ دیتا ہے، ان کے اخراجات بھی ادا کرنے کی بات نہیں سوچتا ہے، جولوگ عام سماج کے حالات پر نظر رکھتے ہیں اوراس طرح روزمرہ پیش آنے والے واقعات سے خوب باخبر ہیں، ظاہر ہے کہ نکاح ثانی شرعاً اجازت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی کمزور مخلوق پر ظلم وستم روا رکھا جائے۔

کچھ تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو نکاح ثانی کے بندھے ٹکے انداز پر پہلی بیوی کو خرچ تو دے دیتے ہیں، لیکن اس کو بحیثیت شوہر جو محبت دینی چاہئے، یا اس کے ساتھ جس طرح رہائش کرنی چاہئے، اس سے بالکل گریز کرتے ہیں، اس طرح شرعی اجازت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہوس کے بندے اجازت پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم عدل سے گریز کرتے ہیں، یعنی اللہ کے احکام میں کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ سے انکار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس صورت حال کی اصلاح ضروری ہے

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ نکاح ثانی کی اجازت بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے، بہت سے فتنوں کے دروازوں کو بند کرتی ہے اور بہت سے معاشی و معاشرتی اور نفسیاتی حالات ایسے ہیں ،جن میں نکاح ثانی ضروری ہوتا ہے، نکاح ثانی کے بعض اسباب تو ظاہر ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسکتے ہیں، مثلاً عورت کا جنون مطبق میں مبتلا ہونا، یا کسی مرض مزمن کا شکار ہونا جس کی وجہ سے وہ فرائض زوجیت ادا کرنے کے لائق نہ ہو، لیکن بعض ایسے اسباب بھی ہو سکتے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوں، لیکن شوہر اسے محسوس کرتا ہو، بعض اوقات سماجی اور معاشی حالات کا بھی تقاضا ہوتا ہے، اور بعض علاقوں میں کچھ عرصہ پہلے تک ایسے بڑے کسان جن کی جائداد اور پیداوار کا سنبھالنا مشکل کام ہوتا تھا، وہ ایک سے زائد نکاح کرتے اور اس طرح گھر کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے لئے انہیں ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت ہوتی، بعض اوقات ہنگامی حالات میں مردوں کی تعداد کا کم ہوجانا بھی معدود خواتین کے ساتھ نکاح کا باعث بنا ہے بعض اوقات ایک مرد اپنی جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سے زائد قانونی شادی کر کے اپنے کو گناہ سے بچاتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ معاشرہ میں چند مستثنیات کو چھوڑ کر یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ نکاح ثانی کے بعد ہر دو بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو پاتا ہے، بلکہ ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے۔

مذکور الصدر صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو نکاح ثانی کی اجازت کو منسوخ کرنا اس حکمت شرعی کو ترک کر دینا ہوگا جو شارع کی نظر میں اس جواز کے لئے رہا ہے، دوسری طرف اس جواز کے ناجائز استعمال سے جو معاشرہ میں ظلم وفساد برپا ہو رہا ہے اس کا بھی ازالہ ضروری

ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس طرح کی ازدواجی الجھنوں کو دور کرنے کے لئے ایک کابین نامہ کی تجویز رکھی تھی، اب جو حالات پورے ملک میں ہیں ان کو دو نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیئے، ایک تو مغربی تہذیب اور جدید افکار کے نتیجہ میں نکاح کو ایک ایسا رشتہ بنانے کی کوشش ہے کہ جس میں عورت ہر حیثیت سے خود مختار ہو، یہ آزادی نسواں کے ان نعروں کا نتیجہ ہے جو یوروپ میں خاندان کا شیرازہ منتشر کر چکے ہیں اور جنسی اباحیت کے راستہ پر مغربی تہذیب کو ڈال دیا ہے، ہمارے یہاں کا بھی بزعم خود دانشور طبقہ شعوری یا غیر شعوری طور پر نظر وفکر اور تنقید کے بغیر اس نظریہ پر ایمان لے آیا ہے، اس لئے وہ حقوق اور حدود کے ان شرعی قوانین سے گریز کرنا چاہتا ہے جن سے ایک اچھا خاندان نشو ونما پا سکتا ہے، اور جس میں زوجین کی خلقی کیفیات اور ان کے فطری فرائض کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت نے ہر دو کے لئے کچھ حدود مقرر کئے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے کچھ حدود لازم کئے ہیں، اور پھر قانون کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کو خاص اہمیت دی گئی ہے، نیز ہمہ تن تقوی کی تعلیم دی گئی ہے، خاص کر اس لئے کہ زوجین کے تعلقات امانت او رباہمی اعتماد پر مبنی ہیں اور یہ رشتہ اس حد تک نجی ہے کہ اس پر قانون کی دخل اندازی کا کم سے کم امکان رہتا ہے، اسی لئے خطبہ نکاح میں جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں چار دفعہ تقوی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ ظاہر و باطن اور جلوت وخلوت ہر جگہ کے احوال پر اللہ علیم وخبیر کی نظر ہے۔

لیکن اگر ایسے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اس سچائی کو مان کر چلنا پڑے گا کہ تقوی کے فقدان اور قانون کے بے جا استعمال کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں کئی الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں، خاندان بکھر جاتا ہے، بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی، اور معاشرہ میں ظلم و بے انصافی کے پھیل جانے کی وجہ سے کئی طرح کے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں، سرسری نظر میں اس طرح کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پہلی بیوی کے رہتے ہوئے دوسری شادی کر لینا اور پہلی بیوی کو حقوق سے محروم رکھنا یا ہر دو بیویوں کے درمیان تعلقات میں برابری نہیں برتنا۔

(۲) طلاق جو ناپسندیدہ عمل ہے اور ضرورتاً مشروع کیا گیا ہے اس کا بے محل یا بے جا استعمال

اس طرح کہ طلاق جس کا استعمال بہت غور وفکر اور اصلاح حال کی ساری کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد ہونا چاہئے تھا محض وقتی جذبات سے مغلوب ہوکر، بغیر غور وفکر اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) ہندوستانی معاشرہ میں طلاق کا صحیح شرعی طریقہ معروف نہیں رہا اور بیک مجلس تین طلاق دیدی جاتی ہے، نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورت حالت طہر میں ہے یا حیض میں، اور سارے احکام شرعی کو نظر انداز کر کے طلاق دیدی جاتی ہے، یہ طریقہ قطعی طور پر ناپسندیدہ اور فتنے پیدا کرتا ہے۔

(۴) طلاق کے بعد یا تو بچے ماں سے چھین لئے جاتے ہیں، یا پھر بچوں کی کفالت سے غفلت برتی جاتی ہے۔

(۵) مختلف ترکیبیں استعمال کر کے عورت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ مہر معاف کردے، بلکہ اوپر سے کچھ رقم دیکر شوہر سے طلاق حاصل کرے، اس کے سامان جہیز واپس نہیں کئے جاتے اور اسے بے عزتی سمجھا جاتا ہے، جو ہدایا اور تحائف اسے ملتے ہیں اسے بھی ضبط کرلیا جاتا ہے، اور عورت ایسے جبر کا شکار ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر علیحدگی قبول کرتی ہے، ظاہر ہے کہ شرع اسلامی اس طرح کے جبر کو سند جواز نہیں دے سکتی اور "**إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم**" (سورہ نساء:۲۹) یعنی انتقال ملک کے لئے تراضی طرفین ضروری ہے اور اسی رضا پر ممکن ہے کہ کوئی قانونی حکم لگایا جاسکے، لیکن کوئی مال مال طیب نہیں ہوسکتا اگر رضاء قلبی نہ ہو، جب تک حقیقی رضامندی کے ساتھ عورت اپنے کسی حق سے دست بردار نہ ہوجائے، یا مرد کو کچھ نہ دے شوہر کے لئے وہ جائز وحلال نہیں "**فإن طبن لكم عن شی منه نفسا فكلو ہ هنيئا مريئا**" (سورۂ نساء:۴)

بعض اوقات شوہر اس طرح لاپتہ ہوجاتا ہے کہ اسکے مرنے جینے کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

بعض اوقات اس کی زندگی کا پتہ تو رہتا ہے اور کبھی کبھی اس کے وجود کی خبر لگ جاتی ہے لیکن وہ کہاں ہے کیا کر رہا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ اپنے اہل وعیال سے بالکل غافل رہتا ہے۔

(۶) بعض اوقات شوہر اپنی جابرانہ حیثیت استعمال کرتے ہوئے نہ بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ اسے طلاق دیکر علیحدہ ہی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ بنائے اور عام طور پر انتقاماً اسے کالمعلقہ رکھتا ہے کہ نہ اسے بیوہ کہا جاسکتا ہے اور نہ شوہر والی کہا جاسکتا ہے

یہ اور اس طرح کے کئی سماجی مسائل ہیں جنہیں معاشرہ کی کڑوی اور تلخ حقیقتیں

کہا جا سکتا ہے، قضاء شرعی کا مضبوط نظام بلاشبہ اس طرح کے مسائل کو حل کرنے میں بہت حد تک معاون ثابت ہوسکتا ہے، لیکن ہندوستان میں ابھی یہ نظام پورے ملک کے پیمانہ پر مستحکم نہیں ہوا ہے اور جہاں ہے بھی وہاں کئی طرح کی قانونی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں

ان حالات میں اگر نکاح میں چند شرائط لگائی جاسکیں تو مشروط نکاح نامہ بہت ساری پیچیدگیوں کے سلجھانے میں مدد دے سکتا ہے، شرائط نکاح کے باب میں ظاہر ہے کہ وہ شرائط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں معتبر نہیں ہوں گی، لیکن نظر فقہی یہ کہتی ہے کہ نکاح کے ذریعہ حاصل ہونے والے حقوق اور ان حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں پیدا ہونے والے ظلم کو رفع کرنے کے لئے جو شرائط لگائی جائیں گی وہ مقتضاء عقد کے خلاف نہیں ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی شرطوں کی اجازت دی ہے جن میں عورت کو ضرر سے محفوظ رکھا جا سکے

مثلاً فقہ حنفی کی صراحت کے مطابق مہر مسمی دو ہونا اور شرائط کے پورا کرنے کی صورت میں کم تر مہر مسمی، اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ مہر مسمی جو مہر مثل سے زائد ہوگا واجب ہونا، فرق صرف اتنا ہے کہ صاحبین ہر دو متعین (مسمی) مہر کو ہر دو حالتوں میں واجب الادا قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ پہلے ذکر کئے ہوئے مہر کو مسمی قرار دیتے ہیں اور دوسری صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں، یہ ساری بحثیں مقالات میں آچکی ہیں جن کے یہاں ذکر کی ضرورت نہیں ہے، مسئلہ پر اس طرح غور کرنا ہے کہ نکاح ثانی کی چھوٹ شریعت کے عدل کو مجروح کرتی ہے اور غالب حالات میں عورت ظلم کا شکار ہوتی ہے، اسی طرح بے محابا طلاق، عورت کو کالمعلقہ چھوڑ دینا نہ طلاق دینا اور نہ حقوق ادا کرنا عورت کے ساتھ ظلم ہے اور سماج میں اس طرح کی باتوں کا پیش آنا اب شاذ و نادر نہیں رہا ہے

ان حالات میں اور مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں منسلک نکاح نامہ کا مطالعہ کیا جائے اور اس کو قطعی صورت دیدی جائے، جو احکام شرع کے مطابق ہو، جس میں مصالح شرع کی رعایت اور ممکن حد تک قانون کے بے جا استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے تحفظ بھی ہو اور وہ معاشرہ کو صحیح خطوط پر قائم کرنے کا ذریعہ بنے۔

تلخیص مقالات :

نکاح میں شرط اور مشروط مہر فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی

۱- عقد نکاح کی وجہ سے جو حقوق وفرائض اور ذمہ داریاں لازم آتی ہیں، انہیں کو مؤکد کرنے والی شرائط بالاتفاق معتبر ہیں، اور فریقین پر ان کا ایفا واجب ہے، کیونکہ یہ بجائے خود نکاح کے مقاصد میں داخل ہیں اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہے۔

۲- دوسری صورت، یعنی بوقت نکاح ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں، مثلا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، یا جو شرائط شرعا منہی عنہ ہوں، مثلا پہلی بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگانا، یہ شروط فاسدہ کہلائیں گی، اور عقد نکاح تو صحیح ہوگا، لیکن شرائط باطل ولغو ہو جائیں گی۔

"الصلح الذی یحرم الحلال کمصالحة الزوجة للزوج علی أن لا یطلقها أو لا یتزوج علیها أولا یبیت عند ضرتها والذی یحل الحرام کأن یصالحه علی وطی أمة لا یحل له وطؤها أو أکل مال لا یحل به أو نحو ذالک" (بذل المجہود ۱۵/۲۲۷)۔

حدیث میں آیا ہے:

"الصلح جائز بین المسلمین، زاد أحمد إلا صلحا حرم حلالا وأحل حراما"۔

اس رائے پر تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے۔

۳- اضافی شرط لگانا:

تیسری قسم کی شرط اگر لگائی جائے تو نکاح بالاتفاق درست ہے، ایفاء شرط کا مسئلہ قدیم سے اختلافی ہے، حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی شرطوں کا ایفاء مرد کے ذمہ لازم نہیں ہے، اس کے برخلاف حنابلہ کے نزدیک مطلق ایفاء شرط شوہر پر لازم وضروری ہے، عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

"ما يلزم الوفاء به وهو ما يعود إليها نفعه وفائدته مثل أن يشترط لها أن لا يخرجها من دارها، فهذا يلزم الوفاء لها فإن لم يفعل فلها فسخ النكاح" (المغنی ۷/۷۱)۔

قائلین کی دلیلیں:

(۱) **"يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود"** (سورۂ مائدہ:۱)

اور وہ تمام آیتیں جو ایفاء عہد پر دلالت کرتی ہیں۔

(۲) **"عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ قال: أحق الشروط أن يوفى به مااستحللتم به الفروج"**۔

(۳) **"المسلمون على شروطهم"**۔

(۴) **" وروى الأثرم باسناده أن رجلا تزوج امرأة وشرط لها دارها ثم أراد نقلها فخاصموه إلى عمر بن الخطاب فقال لها شرطها"**۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ عقود ومعاملات اور شروط میں اصل صحت ہے، لہٰذا شوہر کے ذمہ عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہوگی (القواعد النورانیۃ/۲۱۹)۔

مانعین کی دلیلیں

شافعیہ، حنفیہ اور مالکیہ جن کے نزدیک ایفاء شروط ضروری نہیں، درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱ - "كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مائة شرط"۔

۲ - "المسلمون على شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا"۔

مذکورہ شرطیں حلال ومباح کو حرام قرار دیتی ہیں، جیسے دوسری شادی کرنا، بیوی کے ساتھ سفر کرنا حلال ومباح ہے، لیکن مشروط صورت میں حرام ہوجاتے ہیں۔

فریقین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے مقالہ نگار حضرات میں چند حنابلہ کے قول پر فتویٰ کے حق میں ہیں جن میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب، مولانا نذر توحید صاحب، مولانا محمد عمران صاحب، مولانا ریاست علی قاسمی صاحب وغیرہ ہیں اور بیشتر حضرات دلائل ومصالح کے اعتبار سے جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ) کی رائے کو زیادہ قوی بتاتے ہیں۔

تفویض طلاق کا مسئلہ

تفویض طلاق کے جواز پر مولانا شمس پیرزادہ صاحب کے علاوہ تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے، نیز اس بات پر بھی سبھوں کا اتفاق ہے کہ تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کا اختیار شوہر کو باقی نہیں رہتا ہے، تفویض کی تفصیلات پر تمام حضرات نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔

نکاح میں شرط کی جن تین شقوں کا سوالنامہ میں ذکر کیا گیا ہے، تقریباً تمام حضرات نے شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے چند شرائط کے ساتھ تینوں صورتوں کے جواز کی رائے دی ہے جو بالاختصار درج ذیل ہے:

۱- نکاح کے پہلے تفویض طلاق میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی جانب ہو۔

۲- نکاح کے وقت تفویض طلاق میں ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو۔

۳- نکاح کے بعد تفویض طلاق کی درستگی کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا شہباز عالم ندوی اور مولانا اسرار الحق صاحب

نے تفویض طلاق قبل النکاح کی صورت کے جواز سے اختلاف کیا ہے، تفویض طلاق کی عملی صورت طے کرنے کے سلسلے میں متعدد حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفویض طلاق کی شرط وصورت کی بابت ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں آنے والی تفصیل پر اعتماد کیا جائے، کیونکہ وہ محقق ہونے کے ساتھ اہل نظر علماء کی ایک اجتماعی کاوش بھی ہے۔

تفویض واختیار کے ساتھ مزید قیدیں بڑھانے کے سلسلہ میں سبھی مقالہ نگار حضرات کی رائے صنف نازک کی زودرنجی، سریع الانفعالی، نفسیاتی بے اعتدالی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ براہ راست طلاق کا اختیار انہیں نہ دیا جائے، بلکہ خاص شرائط کے ساتھ دیا جائے، تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے عورت کے بجائے دار القضاء کو حق طلاق تفویض کئے جانے کو مستحسن سمجھا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب کی رائے میں آیت تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کیا جانا درست نہیں ہے، انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں قرآن وحدیث کے متعدد دلائل نقل کئے ہیں۔

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی زائد مقدار

مقالہ نگار حضرات مسئلہ ہذا میں دو طرح کی رائے رکھتے ہیں، کچھ حضرات نے صاحبین کے قول کو وقت کی ضرورت اور قابل ترجیح قرار دیا ہے، اگرچہ اس رائے کے اپنانے والوں میں سے بعض حضرات اسے مسئلہ کا پورا حل نہیں سمجھتے ہیں، اور بعض دیگر حضرات مہر کی زیادتی کو تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کرنے کی تلقین کرتے ہیں، تاکہ تین طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً مہر کے خوف سے طلاق کا ناروا اقدام نہ ہو۔

(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اختر امام عادل، مفتی جنید عالم قاسمی ندوی، مولانا نذر توحید مظاہری، مولانا ریاست علی قاسمی صاحبان وغیرہ)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہی اختیار کیا جائے گا، ان حضرات کا استدلال ہے کہ ضرورت اگر تسلیم بھی کرلی جائے تب بھی صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود ہے اور خلاف عقل ونقل ہے، کیونکہ کثرت مہر سے مقصود محض شوہر کے لئے استعمال طلاق کو دشوار بنانا ہے، جبکہ یہ نظریہ شرعاً مردود ہے، کیونکہ یہ تغییر مشروع کے مرادف ہے، نیز عقلاً بھی یہ تدبیر غیر مفید، بلکہ مضر ہے، کیونکہ بسا اوقات طلاق دینے کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے اور مہر کی زیادتی کی وجہ سے شوہر طلاق نہیں دیتا اور ظلم پر ظلم کرتا رہتا ہے۔

(مفتی محمد زید مظاہری، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحبان وغیرہ)

مفتی جنید عالم صاحب ندوی نے طلاق اور عقد ثانی دونوں میں فرق کیا ہے، موصوف کی رائے میں طلاق کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں تو صاحبین کی رائے اختیار کرنا مناسب ہے، لیکن عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں امام صاحب کی رائے اختیار کی جائے گی۔

طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں:

بعض حضرات اس سلسلہ میں اس بات کے قائل ہیں کہ شوہر سے اقرار کرایا جائے کہ بلاقصور عورت کو طلاق دے تو بطور متعہ مطلقہ بیوی کو ایک مخصوص رقم دینی ہوگی (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب)

بلاقصور طلاق دینے پر تادیبی سزا مقرر کی جائے گی، مثلا چھ ماہ قید بامشقت کی مسلم پرسنل لا بورڈ سفارش کرے۔

نکاح بشرط ملازمت

۱۔　ایک رائے یہ ہے کہ اگر شرعی پردہ وحیاء کی رعایت رکھی جائے اور شرعی حدود میں رہ کر

انجام دیا جائے تو عورت کے لئے ملازمت کی شرط لگانا درست ہے۔

(مولانا ریاست علی قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا ممتاز عالم مصباحی صاحبان)

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عورت کی بنیادی ذمہ داری گھر اور بچوں کی نگہداشت ہے، ملازمت تقاضائے نکاح میں رکاوٹ بنتی ہے، نیز ملازمت سے جو حصول رقم مقصود ہے وہ نکاح کے بعد شوہر کی ذمہ داری سے حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے عورت کو ملازمت کی حاجت نہیں ہے اور ایسی شرط لگانا غلط و باطل ہے۔

(مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا نذر توحید مظاہری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا محمد ابوبکر، مولانا محمد زید مظاہری، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی جنید عالم، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا آل مصطفیٰ صاحبان وغیرہ)۔

عرض مسئلہ :

نکاح میں شرط اور مشروط مہر کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

اشتراط فی النکاح کے سوالنامہ میں تفویض طلاق کے علاوہ دو اہم سوالات زیر بحث ہیں، اور دونوں ہی سوالات اس تناظر میں قائم کئے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں شریعت کے بعض احکام اور رخصتوں کے غلط استعمال کی وجہ سے بعض ایسے مفاسد پیدا ہورہے ہیں جو سراسر منشاء شریعت کے مغائر ہیں، اور اکثر اوقات ان کی سرحدیں جور وتعدی سے جاملتی ہیں، اس لئے ان دونوں مسائل پر ہم رشتہ بحث آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

ان مسائل پر کل اکیاون (۵۱) جوابات موصول ہوئے ان میں سے (۲۸) جوابات علماء ارباب افتاء کے ہیں اور ان کے نام اس طرح ہیں:

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اقبال احمد کانپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا مصلح الدین قاسمی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا ابوالحسن صاحب، مولانا ابوسفیان صاحب، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد رفیق فلاحی، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اختر امام عادل، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن، مولانا فضل الرحمٰن رشادی،

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

مولانا محمد انظر سبیلی اور راقم الحروف خالد سیف اللہ رحمانی، نیز اسلامک فقہ اکیڈمی، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد اور دار العلوم حیدرآباد کے تخصص فی الفقہ کے ۲۳ عزیز طلبہ نے بھی بڑی کاوش کے ساتھ مقالات سپرد قلم کئے ہیں۔

نکاح میں شرط کے سلسلہ میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو انہی حقوق وواجبات کو مؤکد کرتی ہوں جو شرعاً نکاح سے ثابت ہیں، معتبر ہیں، اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر وتبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں، البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، سوائے اس کے کہ نکاح متعہ یا نکاح موقت کی صورت پیدا ہوجائے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی اضافی شرطیں جن میں عورت کا فائدہ ہو، اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو، نکاح کے درست ہونے میں مانع نہیں ہیں، نکاح ایسی شرطوں کے ساتھ بھی منعقد ہوجائے گا، البتہ اختلاف اس امر پر ہے کہ اگر نکاح کے وقت مرد نے یہ شرط قبول کرلی اور بعد میں اس کو پورا نہ کیا تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟

جمہور فقہاء کے یہاں ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں، اور کہا جاتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک لازم الایفاء ہیں تو اس مسئلہ میں ترجیح کس رائے کو ہے؟ مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی اور راقم سطور خالد سیف اللہ رحمانی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں حنابلہ کی رائے اختیار کی جاسکتی ہے، کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور دلائل دونوں ہی طرف خاصے قوی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ اس وقت موجب طوالت ہوگا، اس کے علاوہ بقیہ حضرات نے جمہور ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اس کو دلائل اور اصول افتاء دونوں اعتبار سے راجح سمجھا ہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے، بعض حضرات نے حنفیہ کے یہاں بھی ایفاء شرط کو لازم قرار دیا ہے جبکہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں شرط واجب الایفاء نہیں ہے،

عام طور پر لوگوں نے لکھا ہے کہ حنابلہ کے یہاں یہ اور اس قسم کی شرطیں واجب الایفاء ہیں دوسروں کے یہاں واجب الایفاء نہیں ہیں، لیکن اگر فقہاء کی نقول پر نظر غائر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سمجھنا کہ حنفیہ کے یہاں ایفاء شرط مطلقا واجب نہیں، صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمارے نزدیک یہ شرط عام طور پر عہود ومواعید کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ وعدے دیانتاً واجب الایفاء ہوتے ہیں، قضاءً واجب الایفاء نہیں ہوتے، اسی لئے امام ابوبکر جصاص رازی **"یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود"** (سورۃ مائدہ:۱) کے ذیل میں شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وھو عموم فی ایجاب الوفاء بجمیع مایشترط الإنسان علی نفسه مالم تقم دلالة تخصصه" (احکام القرآن ۳/۲۸۶)

(وہ عام ہے ان تمام چیزوں کو واجب قرار دینے میں جو انسان اپنے آپ پر مشروط کرلے جب تک کہ کوئی دلیل تخصیص نہ آجائے)۔

علامہ عینی نے حنفیہ کا نقطۂ نظر اس طرح نقل کیا ہے:

"یؤمر الزوج بتقوی الله والوفاء بالشروط ویحکم بذلک حکما" (عمدۃ القاری ۲/۱۲۰)۔

(شوہر کو تقوی اور ایفاء شرط کا حکم دیا جائے گا اور اس بارے میں قطعی حکم دیا جائے گا)۔

مولانا انور شاہ صاحب نے اشتراط فی النکاح میں حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"والشروط التی لا تنافی النکاح جائزة وتوفی دیانة ولا تلزم قضاء" (العرف الشذی ۱/۲۱۶)۔

(جو شرطیں منافی نکاح نہیں ہیں وہ جائز ہیں، دیانۃً ان کو پورا کرنا واجب ہے، قضاء واجب نہیں)۔

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ حنابلہ کے نزدیک بعینہ شرط کی تکمیل واجب ہے، حنبلی مکتب فقہ کے معروف عالم فرماتے ہیں:

"ولا یجب الوفاء بها بل یسن" (الاقناع ۳/۱۹۰)۔

(اس شرط کی تکمیل واجب نہیں، بلکہ مسنون ہے)۔

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟ حنفیہ کے نزدیک مہر مقررہ کے بجائے مہر مثل، یعنی عورت کے خاندان میں مروجہ مہر کی مقدار اگر مقررہ مہر سے زیادہ ہو تو وہ واجب ہوگا، اور حنابلہ کے نزدیک عورت کو مطالبۂ تفریق کا حق ہوگا۔

اب اس وضاحت کے بعد یہ عرض ہے کہ دلائل فریقین کے قوی ہیں اور دور صحابہ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، اس لئے مسئلہ دلائل کی قوت وضعف کا نہیں اور نہ ہمارا یہ مقام ہے کہ ایسے مسائل میں محاکمہ کی جسارت کی جائے، مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں مصالح کا تقاضا کیا ہے؟ اور جن حضرات نے اس مسئلہ میں حنبلی مکتبۂ فکر کی رائے کو قابل قبول سمجھا ہے، ان کا منشاء بھی دراصل یہی ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ مسئلہ کا حقیقی حل نہیں ہے، مرد اگر شرعی حدود وقیود کی رعایت کے بغیر دوسرا نکاح کرتا ہے، تو جو شخص بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کے حکم میں خدا سے بے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے عاری ہے اس کے بارے میں یہ توقع رکھنا کہ بیوی کی علاحدگی کا خوف اس کو جادۂ مستقیم پر قائم رکھے گا، بہ ظاہر بے سود نظر آتا ہے، اور عورت کو اتنا سا حق فقہ حنفی کے دائرہ میں رہتے ہوئے "تفویض طلاق" کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے مشروط نکاح کی بجائے "مشروط مہر" کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے، امام ابوحنیفہ کی رائے میں نکاح کے لئے جو پہلا مہر مقرر ہو وہی "مہر" شرط کے ساتھ مہر کی جو دوسری مقدار مقرر کی جائے وہ معتبر نہیں، لہٰذا اگر شوہر نے شرط پوری کی تو پہلا مہر واجب ہوگا اور شرط پوری نہیں کی اور "مہر مثل" کی مقدار اس سے زیادہ ہے تو مہر مثل واجب ہوگا، یہی رائے مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے، صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں ہی مقدار معتبر ہے، مثلاً اگر مہر اس طرح مقرر ہو کہ اگر مرد نے اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر دس ہزار ہوگا، دوسرا نکاح کیا تو بیس ہزار ہوگا، تو اسی

تفصیل کے مطابق دس اور بیس ہزار روپے بطور مہر واجب ہوں گے، حنابلہ کی یہی رائے ہے۔

سمینار کے مقالہ نگاروں میں کل تینتیس (۳۳) حضرات نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں:

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا رفیق بن آدم، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا فضل الرحمٰن رشادی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی اور خالد سیف اللہ رحمانی۔

جبکہ سترہ (۱۷) حضرات نے امام ابوحنیفہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں: مفتی محمد زید مظاہری، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمٰن، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا اقبال احمد، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی اور مولانا عبیداللہ اسعدی، عام طور پر مقالہ نگاروں نے اس مسئلہ پر دونوں نقطۂ نظر کے دلائل پر زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں کی ہے، اور خود ان علماء و مؤلفین نے بھی اس مسئلہ پر اختصار ہی کی راہ اختیار کی ہے جو اس اختلاف رائے کے ناقل و راوی ہیں۔ اس حقیر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے، اور اس سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے:

(۱) ہندوستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگہی، اسلامی مزاج و مذاق سے محرومی، نظام قضاء کا فقدان اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی رسوم سے تاثر، ایسی حقیقتیں ہیں جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ چھپانے کے مترادف ہوگا، حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے، اسی طرح طلاق کا استعمال بھی، باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے – غالبًا اب بھی مسلم سماج میں بہت زیادہ نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر ان کا سروے

کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فیصد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ و متین فیصلہ کے تحت نہیں، بلکہ وقتی ردعمل کے تحت کیا جاتا ہے۔

اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے، لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو نقصان پہنچا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے، دوسری اقوام کے درمیان جو جگ ہنسائی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں، ان حالات میں تعیین مہر کی یہ صورت ایک حد تک مشکلات کا مداوا بن سکتی ہے اور ضرورت کے مواقع پر ایک فقہی رائے سے دوسری رائے کی طرف عدول ضعف دلیل کے باوجود درست ہے۔

شامی کا بیان ہے:

"قلت: لکن هذافی غیر موضع الضرورة فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث ألوان الدماء أقوالا ضعیفة ثم قال: وفی المعراج عن فخر الأئمة لو أفتی مفت بشئی من هذه الأقوال فی مواضع الضرورة طلبا للتیسیر کان حسنا، وکذا قول أبی یوسف فی المنی إذا خرج بعد فتور الشهوة لا یجب به االغسل، ضعیف، وأجازوا العمل به للمسافر أو الضیف الذی خاف الریبة کما سیأتی فی محله وذلک من مواضع الضرورة (ردالمحتار ۱/۵۱)۔

(میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو، چنانچہ "بحر" کے "باب الحیض" میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند ضعیف اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ "معراج" میں فخر الائمہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر از راہ سہولت فتویٰ دے تو بہتر ہوگا، اسی طرح کہ شہوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے، لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا، اور یہ مواقع

ضرورت میں ہے)۔

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر دلائل کی قوت کے مقابلہ ایسی رائے کو اختیار کیا ہے جس میں امت کے لئے سہولت زیادہ ہو، علامہ شامی نے ایک مسئلہ میں بمقابلہ امام صاحب کے صاحبین کی رائے پر فتویٰ نقل کیا ہے، پھر مختلف اہل علم سے نقل کیا ہے کہ دلیل امام صاحب کی زیادہ قوی ہے، مگر از راہ آسانی فتوی صاحبین کی رائے پر ہے، لکھا ہے:

"**وظاهره ترجيح التيسير على قوة الدليل**" (ردالمحتار ۲۱/۴)۔

جو گویا افتاء کے لئے ایک قاعدہ کا درجہ رکھتا ہے، اسی لئے مشائخ نے جن مسائل میں ایک سے زیادہ اقوال نقل کر کے یہ وضاحت نہ کی ہو کہ کون سا قول صحیح وراجح اور مفتیٰ بہ ہے؟ ان میں ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ جس قول میں امت کے لئے آسانی وسہولت زیادہ ہو وہ راجح ہوگا۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"**فان قلت: قد يكون أقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون في الصحيح قلت: يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف وأحوال الناس وما هو الأ رفق وما ظهر عليه التعامل وما قوى وجهه**" (الدرالمختار علی ہامش الرد ۵۲/۱)

اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی خلاف رائے رکھتے ہیں، میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے، یعنی عرف، لوگوں کے حالات، ان کے لئے آسان تر، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل سے قوی قول پر عمل کیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسی جزئیات بہ کثرت موجود ہیں جن میں امت کے لئے سہولت وآسانی کی غرض سے بہ مقابلہ امام صاحب کے صاحبین یا ان میں سے ایک کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے، مثلاً:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک روٹی کو نہ وزن سے قرض لیا اور دیا جاسکتا ہے اور نہ عدد کے

اعتبار سے، لیکن امام محمد کے نزدیک دونوں طرح قرض لین دین کی گنجائش ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (ردالمحتار ج ۲/ ۲۰۸)۔

درخت پر لگا ہوا تیار پھل اس شرط کے ساتھ خرید کیا کہ ابھی یہ درخت پر لگا رہے، تو اس شرط کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہوجائے گی، امام محمد کے نزدیک اس شرط کے باوجود درست ہوجائے گی اور فتویٰ اسی پر ہے (الدر المختار ۲/ ۲۳)۔

بیع باطل کے ذریعہ خریدار نے کوئی چیز حاصل کی اور اس کے پاس وہ چیز ضائع ہوگئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک خریدار اس کا ضامن نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے (ردالمحتار ۲/ ۱۱۸)۔

ریشم کے کیڑے اور انڈے کی خرید وفروخت امام صاحب کے یہاں جائز نہیں اور یہی رائے امام ابو یوسف کی بھی ہے، امام محمد کے یہاں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (الدر المختار ۴/ ۱۱۲)

مباشرت فاحشہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک موجب وضو ہے، امام محمد کے یہاں موجب وضو نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے (فتاویٰ تاتارخانیہ ۱/ ۴۴)۔

تداوی بالحرام امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے یہاں جائز نہیں ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (ردالمحتار ۶/ ۳۲۱)۔

(۲) بعض اوقات صاحبین کی رائے کو قوت دلیل کی بنا پر ترجیح دیا جاتا ہے، مثلاً:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مغرب کا وقت شفق ابیض کے ڈوبنے تک ہے، اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر کے ڈوبنے تک، اور فتویٰ بقول شارح ''وقایہ'' کے صاحبین کے قول پر ہے (فتاوی ہندیہ ۱/ ۵۱)۔

سجدۂ شکر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں، اس لئے مکروہ ہے، امام ابو یوسف ومحمد کے نزدیک مستحب وباعث ثواب ہے اور فتویٰ اسی پر ہے (فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۶-۱۳۵)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۳۰ سے زیادہ ۴۰ سے کم گائیں ہوں تو ۳۰ سے زائد جانور

میں بھی اسی لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''عفو'' کہتے ہیں، صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے (ردالمحتار ۲/۲۸۰)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جہاں زکوٰۃ میں بکری واجب ہو، وہاں چھ ماہ کا دنبہ کافی نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک کافی ہوجائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ یہ قول امام ابن ہمام ''الدلیل حجۃ'' (ردالمحتار ۲/۲۸۲)۔

عدت اگر درمیان ماہ سے شروع ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۹۰ دن عدت کے گزارنے ہوں گے، صاحبین کے نزدیک درمیان کے دونوں ماہ چاند کے حساب سے ہوں گے اور ابتدائی مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے بعد کو پورا کیا جائے گا اور فتویٰ اسی پر ہے (البحرالرائق ۳/۲۴۱)۔

(۳) اسی سے قریب تر بات یہ ہے کہ اگر امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط ہو تو ایسے مواقع پر بھی صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً:

اگر ٹھنڈا پانی مضر ہو اور گرم پانی سے غسل کرنے میں مضرت کا اندیشہ نہ ہو پھر بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک گرم پانی سے غسل کے بجائے تیمّم پر اکتفا کرنا جائز ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے اور از راہ احتیاط اسی پر فتویٰ ہے (فتاوی ہندیہ ۱/۴۹)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بعض تفصیلات کے ساتھ نبیذ کا پینا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے اور کپڑے میں لگ جائے تو قباحت نہیں، امام محمد کے نزدیک نہ اس کا پینا جائز ہے، نہ اس سے وضو کرنا اور کپڑے میں لگ جائے تو دھونا واجب ہے، اور از راہ احتیاط فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے (تاتارخانیہ ۱/۲۲۵)۔

امام صاحب کے نزدیک کراہت و گناہ کے ساتھ یہ جائز ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو شراب فروخت کرنے کا حکم دے اور وہ اس قیمت کو استعمال کرسکتا ہے، صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے: ''**هو الأظهر**'' (الدرالمختار ۴/۱۳۵)۔

قبول نکاح کی بابت اختلاف ہوجائے، عورت کہے میں نے رد کردیا تھا، مرد کہے کہ

اس نے سکوت اختیار کیا تھا اور گواہان موجود نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر قسم کھلائے ہوئے عورت کا قول معتبر ہوگا، صاحبین کے نزدیک عورت سے حلف لیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے (ردالمحتار للفتویٰ قولھما - مجمع الانہر ۱ / ۲۵۵)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقتدی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے گا، صاحبین کے نزدیک امام کے تحریمہ باندھنے کے بعد، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (فتاوی ہندیہ ۱ / ۶۸)۔

یہ مثالیں بہ طور نمونہ اور بے تکلف معمولی تتبع سے لکھی ہیں، اگر ان مسائل کا احاطہ کیا جائے جن میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے تو شاید کئی جلدیں مطلوب ہوں، ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ضرورت و مصلحت، قوت دلیل اور احتیاط کی بنا پر بہت سے مواقع پر صاحبین کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، یہ حقیر صاحب ''سراجیہ'' کے اس قول سے غافل نہیں ہے:

''ثم الفتویٰ علی الإطلاق علی قول أبی حنیفة ثم بقول صاحبیه ثم بقول أبی یوسف ثم بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الھذیل ثم بقول حسن بن زیاد'' (السراجیة / ۱۵۷)۔

(فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے، اس کے بعد صاحبین پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر امام زفر اور اس کے بعد امام حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا)۔

گو سراج الدین اودی نے امام صاحب کے مقابلہ صاحبین کے قول کو علی الاطلاق راجح قرار دیا ہے، مگر راجح وہی قول معلوم ہوتا ہے جس کو انھوں نے صیغۂ تضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

قیل: إذا کان أبو حنیفة بجانب وصاحباہ فی جانب المفتی بالخیار (حوالہ سابق)۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابوحنیفہ ہوں اور دوسری طرف صاحبین، تو مفتی کو اختیار ہے۔

اسی کو حاوی قدسی نے ترجیح دیا ہے، کیونکہ جب قضاء وشہادت کے ابواب میں امام

ابویوسف، ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور سترہ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لئے راجح شمار کیا گیا ہے (ردالمحتار ۱/ ۹۴) تو صاحبین کے قول پر فتویٰ کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے۔

اس موقع پر شامی کی یہ بات بھی قابل توجہ ہے:

إذا حكم الحنفى بما ذهب إليه أبويوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فليس حكما بخلافه فقد أفاد أن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة من مذهبه فقد نقلوا منهم أنهم ماقالوا قولا إلا وهو مروى عن الإمام (ردالمحتار ۳/ ۳۷۳)

(حنفی قاضی اگر امام ابو یوسف، یا امام محمد یا امام صاحب میں سے کسی کی رائے پر فیصلہ کرے تو یہ امام ابوحنیفہ کے خلاف فیصلہ متصور نہ ہوگا، ان سے منقول ہے کہ یہ حضرات جو بھی کہتے ہیں وہ امام صاحب سے بھی مروی ہوتا ہے)۔

اسی لئے جو فقہی نظائر اوپر ذکر کئے گئے، ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مشائخ کی عمومی روش یہی ہے کہ سہولت و مصلحت، قوت دلیل اور ورع واحتیاط کے پیش نظر بعض اوقات صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے، زیر بحث مسئلہ میں یہ تینوں باتیں جمع ہیں، جیسا کہ مذکور ہوا، دلائل کے اعتبار سے بھی صاحبین کی رائے کی طرف میلان ہوتا ہے، موجودہ حالات میں یہ سماجی مصلحت سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے اور قرآن مجید کے حکم: ”**أوفوا بالعقود**“ (سورۂ مائدہ:۱) اور حدیث: ”**أحق الشروط ما استحللتم به الفروج**“ (بخاری ۱/ ۳۷٦) کی رو سے شرط کے مطابق اثر مرتب ہونے میں احتیاط اور نصوص کا پاس ولحاظ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے، پھر فقہا کا یہ قاعدہ: ”**إعمال الكلام أولى من إهماله**“ (مکلّف کے کلام کو نتیجہ خیز بنانا اس کو بے نتیجہ قرار دینے سے بہتر ہے) بھی یہی تقاضا کرتا ہے، اس لئے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

البتہ جیسے طلاق دینے اور مناسب صلاحیت کے فقدان کے باوجود دوسرا نکاح کرنے

میں سماجی بگاڑ ہے، اسی طرح طلاق ونکاح ثانی کے ساتھ مہر کی ایسی کثیر مقدار کو مشروط کردینے میں بھی مفاسد کا اندیشہ ہے جس میں کوئی قید وبند نہ ہو، ایسی صورت میں خطرہ یہ ہے کہ مرد طلاق تو نہ دے گا اور دوسرا نکاح تو نہ کرے گا، مگر وہ عورت پر ظلم وجور کا دروازہ کھول دے گا اور اپنی آتش انتقام کو سرد کرے گا، اس لئے مناسب ہے کہ مہر اس طرح مقرر کیا جائے کہ مثلاً، زینب کا مہر دس ہزار ہوگا، اور اگر قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر زینب کو طلاق دے گا یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرے گا تو مہر پچاس ہزار ہوگا، اس طرح جہاں مہر کی کثیر مقدار مرد کو نامناسب عمل سے باز رکھ سکے گی، وہیں قاضی شریعت سے اجازت کی قید اس کے لئے واقعی ضرورت کے موقع پر طلاق اور نکاح ثانی کے حق سے استفادہ کا دروازہ بھی وا رکھے گی۔

عرض مسئلہ :

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافۂ مہر کے سلسلہ میں مقالات کی روشنی میں عرض مسئلہ کی ذمہ داری مجھ کو دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ۵۴ مقالات اور ایک مقالہ کی تلخیص وصول ہوئی، ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا، ان میں تلخیص اور دو مقالوں کے مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی مجھے معلوم نہ ہو سکے، ان مقالہ نگار حضرات نے اپنے اپنے مقالہ میں طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں اضافۂ مہر کو غلط قرار دیا ہے۔

جناب مولانا مصلح الدین احمد صاحب نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے، جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اپنے مقالہ میں ان دونوں مسئلوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، لیکن اپنی رائے نہیں دی، بلکہ ارباب حل وعقد کے فیصلہ پر چھوڑ دیا، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے طلاق کی صورت میں اضافۂ مہر پر گفتگو نہیں کی ہے، بلکہ کثرت طلاق کو روکنے کی تدبیر ذکر کی ہے، نکاح ثانی پر پابندی لگانے کے لئے مہر کے تفاوت کو غیر معتبر قرار دیا ہے، لیکن کوئی دلیل نہیں دی ہے، جناب شمس پیرزادہ صاحب نے طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر میں اضافہ کو جرمانہ قرار دیا ہے اور اسی لئے انھوں نے اس کو غلط کہا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے شام کے قوانین کی ایک دفعہ اور شیخ عبدالوہاب خلاف کی رائے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بلاوجہ شرعی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور قاضی کے نزدیک ثابت ہو جائے تو قاضی نفقہ عدت کے علاوہ

ایک رقم یکمشت، یا ماہانہ بیوی کو شوہر سے دلوا سکتا ہے اور اس طرح کا مصری عدالت کا ایک فیصلہ بھی نقل کیا ہے۔

اگر موصوف اس کو جرمانہ تصور کرنے پر اصرار نہ کریں، بلکہ اس طرح سوچیں کہ مرد کو عورت سے حق استمتاع جو حاصل ہوتا ہے اس کا معاوضہ عورت مہر کی شکل میں شوہر سے وصول پاتی ہے، عورت اپنی سہولت کے پیش نظر اس معاوضہ کی مقدار میں کم وبیش کرنے کی حقدار ہوتی ہے، یعنی اس کو حق ہے کہ وہ کم مقدار مہر پر نکاح کرے یا زیادہ مہر کا مطالبہ کرے، اب اگر عورت کو زندگی بھر شوہر کی رفاقت حاصل رہتی ہے، اور اس میں اس کے لئے بہت سی پریشانیوں سے نجات بھی ہے، تو ممکن ہے کہ مہر کی کم مقدار پر بھی وہ شوہر کو حق استمتاع دینے پر راضی ہوجائے، لیکن شوہر نے اس کی رفاقت سے انکار کر دیا اور عورت کو حاصل شدہ ساری سہولتیں یکسر ختم ہوگئیں تو بھی عورت اسی کم مقدار پر راضی رہے، ضروری نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی سہولتوں کی کمی وزیادتی کی صورت میں اپنے مہر میں زیادتی یا کمی کی شرط عائد کرتی ہے تو اس کو جرمانہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

خود موصوف نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ بے جا طلاق کی صورت میں عورت کو نفقہ عدت کے علاوہ بھی رقم دلائی جائے، ظاہر ہے کہ اس اضافہ رقم کو مہر میں اضافہ کہا جائے یا نفقہ کا نام دیا جائے ایک ہی بات ہے، اسی طرح ایک عورت اپنے شوہر کی تمام تر توجہات کی تنہا مرکز ہوتی ہے، ایسی حالت میں وہ کم مقدار مہر پر بھی نکاح کر سکتی ہے، اگر شوہر نے دوسری شادی کی، جو جرم نہیں ہے، بلکہ شریعت نے اس کو اس کا حق دیا ہے، لیکن عورت کے حق میں تو بہر حال تنصیف ہوجاتی ہے، اب وہ شوہر کی پوری توجہ کی تنہا مستحق نہیں رہ جاتی، ایسی حالت میں اگر وہ زیادہ مہر کی شرط لگاتی ہے تو اس کو جرمانہ قرار دینا مناسب نہیں لگتا۔

مفتی محمد زید مظاہری، مفتی اقبال احمد کانپوری اور مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب نے طلاق کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، مفتی زید مظاہری اور مفتی اقبال احمد صاحب

نے صراحۃً عقد ثانی کا ذکر نہیں کیا ہے، اور مولانا زبیر احمد قاسمی نے عقد ثانی کی صورت میں اختلاف ائمہ کا ذکر کیا ہے، اپنی رائے نہیں دی ہے، خیال ہوتا ہے کہ عقد ثانی کی صورت میں بھی ان حضرات کے نزدیک امام صاحب کا قول ہی قابل عمل ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی نے عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور طلاق کی صورت کو ذکر نہیں کیا ہے، غالباً ان کے نزدیک بھی طلاق کی صورت میں امام صاحب کا قول ہی راجح ہے۔

مفتی محمد زید مظاہری نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ امام صاحب کی دلیل قوی بھی ہے، اور فقہاء نے اس کو ترجیح بھی دی ہے، اس لئے اس سے عدول کی گنجائش نہیں، انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا تھا، لیکن بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صاحبین کا مسئلہ اختیار کرنے کو خلاف عقل نقل کہا ہے، اور لکھا ہے کہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے، اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کردو کہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کرسکے شرعاً بھی مردود ہے، اور عقلاً بھی، پھر حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی کی عبارتوں سے اس کی قباحت کو بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے، پھر آخر میں مولانا موصوف نے ایک مناسب حیلہ اور مفید تدبیر عالمگیری کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرے کہ شوہر اس کو طلاق نہ دے اور اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری سے نکاح نہ کرے، اگر اس شرط کے خلاف کرے گا تو مہر مسمّٰی کے بجائے مہر مثل لازم ہوگا، اور مہر مثل کو متعین کردے کہ مہر مثل اتنا ہوگا، جو شوہر پر ثقیل ہوگا اور شوہر اس کا اقرار بھی کرلے، مفتی صاحب نے طلاق کی صورت میں زیادتی مہر کو شرعاً وعقلاً مردود کہتے ہوئے تفصیل کے ساتھ جن قباحتوں کو ذکر کیا ہے، ان کے اس مجوزہ حیلہ میں ساری قباحتیں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ مہر مسمّٰی کثیر ہو یا مہر مثل مقرر کیا جائے، نتیجہ

کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا رہ جائے گا؟

سات حضرات علماء نے دونوں صورتوں میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

(۱) مولانا عاقل خاں قاسمی (۲) مولانا محمد مصطفیٰ ندوی (۳) مولانا آل مصطفیٰ مصباحی (۴) مولانا محفوظ الرحمٰن (۵) مولانا عبدالرحمٰن قاسمی پالن پوری (۶) مولانا عبدالقیوم پالن پوری (۷) مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی (۸) مولانا عبدالرحمٰن قاسمی پالن پوری کے مقالہ پر مولانا محمد حنیف کمال پوری اور مولانا عمران خاں نے تصدیقی دستخط کئے ہیں، مولانا موصوف صولی طور پر کثرت طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی مقدار میں اضافہ سے اتفاق رکھتے ہیں، البتہ ان کا خیال ہے کہ اس کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک جس شرط کو پہلے ذکر کیا جائے وہ معتبر اور جو بعد میں مذکور ہو فاسد ہے، اس لئے مہر اس طرح طے کیا جائے گا کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر پچاس ہزار روپئے ہوگا، اور اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر دس ہزار ہوگا، اس صورت میں اگر شوہر طلاق دے گا، یعنی پہلی شرط پوری کرے گا تو پچاس ہزار مہر لازم ہوگا، اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر مثل دے گا، یہی رائے مولانا عبدالقیوم پالن پوری کی بھی ہے۔

لیکن مولانا محمد یوسف خاں قاسمی نے ''بحر'' کی عبارت نقل کرکے اور مفتی محمد زید مظاہری نے بحر اور فتح القدیر کی عبارتیں نقل کرکے واضح کردیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شرط کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں تقدیم وتاخیر کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ تنجیز وتعلیق ہے، نہ کہ تقدیم وتاخیر، یعنی جو شرط منجز ہوگی وہ صحیح ہوگی اور جو معلق ہوگی وہ فاسد ہوگی، چاہے جو پہلے یا بعد میں ہو۔

اس تفصیل کے بعد میرا خیال ہے کہ دونوں حضرات اضافۂ مہر کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنے کی رائے دیں گے۔

مولانا شاہین جمالی نے طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل کو لازم قرار دیا ہے، البتہ مولانا موصوف نے طلاق کی صورت میں بطور متعہ ایک کثیر رقم شوہر کے ذمہ لازم کرنے سے پہلے

اتفاق کیا ہے، میں پھر عرض کروں گا کہ رقم کثیر کی مقدار نفقہ کی صورت میں ہو یا مہر مثل کی صورت میں ہو، یا متعہ کی صورت میں ہو یا مہر مسمیٰ کی صورت میں ہو، نتیجہ کے اعتبار سے ان سب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مولانا نے بے جا طلاق کی صورت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ حکومت سے شوہر کو ایک سال یا چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دلوانے کی رائے دی ہے۔

غالباً مولانا کو یہ علم ضرور ہوگا کہ سرکاری عدالت سے ایک عورت کے لئے حصول انصاف آسان نہیں ہے، اور پھر اس میں بیجا طلاق کے ساتھ بجا طلاق کی صورتیں بھی زد میں آئیں گی، اور حکومت کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ میں مداخلت کی راہ ہموار ہوگی وہ ظاہر ہے، اس لئے مولانا کی اس تجویز سے اتفاق کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔

مولانا محمد حاذق قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی اور مولانا نور القاسمی نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، مولانا حاذق قاسمی اور مولانا ظفر الاسلام اعظمی نے عقد ثانی کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دی ہے، مولانا محمد نور القاسمی نے عقد ثانی کا تذکرہ نہیں کیا ہے، خیال ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد ثانی میں بھی صاحبین کا قول راجح ہے، سات حضرات نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح کہا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) مولانا عبد القادر قاسمی (۲) مولانا معین الدین قاسمی (۳) مولانا محمد یوسف خاں قاسمی (۴) مولانا ابوسفیان مفتاحی (۵) مولانا محمد رفیق بن آدم (۶) مولانا محمد نعیم اختر قاسمی (۷) اور مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا اسعدی نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو بہ ضرورت اختیار کرنے کی گنجائش کا اعتراف کیا ہے، لیکن ابھی ان کو ضرورت سمجھ میں نہیں آئی ہے۔

مولانا نعیم اختر نے عقد ثانی کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں مہر میں اضافہ یا کمی کو غلط قرار دیا ہے، دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب کیا ہے، اگر ان کی یہ اپنی رائے ہوتی تو مضائقہ نہیں

تھا، لیکن انھوں نے اس قول کو علامہ نووی کے حوالہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ جو عبارت انھوں نے ذکر کی ہے اس کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے، بہتر ہوتا کہ مولانا موصوف امام صاحب کے قول کے لئے علماء حنفیہ اور فقہ حنفی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے، امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد نہیں ہیں، صرف وہ شرط فاسد ہے جو معلق ہو اور اسی صورت میں مہر مسمیٰ کے بجائے مہر مثل لازم ہوتا ہے، شرط منجز میں ان کے نزدیک بھی مہر مسمیٰ ہی لازم ہے۔

۲۸ حضرات نے دونوں مسئلوں میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی رائے دی ہے، اور ''رسم المفتی'' اور شامی کے حوالوں سے ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کا قول اختیار کرنے کو مناسب قرار دیا ہے، جن میں سے چند نام یہ ہیں:

۱- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ۲- مولانا عتیق احمد قاسمی، ۳- مفتی حبیب اللہ قاسمی، ۴- مولانا اختر امام عادل، ۵- مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، ۶- مولانا قدرت اللہ باقوی، ۷- مولانا اخلاق الرحمٰن ارریاوی، ۸- مولانا ولی اللہ قاسمی، ۹- مولانا فضل الرحمٰن رشادی، راقم الحروف عبدالجلیل قاسمی۔

عرض مسئلہ :

تفویض طلاق قبل النکاح

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی ☆

تفویض طلاق بوقت نکاح وبعد از نکاح کے جواز پر تمام مقالہ نگاروں نے اتفاق ظاہر کیا ہے، البتہ قبل النکاح کی صورت میں تفویض کے جواز سے میں نے اور میرے ہم خیال تین مقالہ نگاروں نے، باقی سب حضرات کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

اسمائے مجوزین اوران کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے قبل النکاح ''کابین نامہ'' لکھوانے کے جواز پر ''خلاصۃ الفتاویٰ'' کی عبارت سے استدلال کیا ہے:

''لوقال الزوج تزوجتک علی أن أمرک بیدک بعد التزوج فقبلت المرأۃ صار الأمر بیدھا'' (خلاصۃ الفتاویٰ ۲/۲۹)۔

جواب: اس میں ''تزوجتک'' کا صیغہ متکلم ''ک'' خطاب کے ساتھ صاف بتا رہا ہے کہ یہ صورت عقد نکاح کے وقت کی ہے، چنانچہ مفتی محمد زید مظاہری نے ''عالمگیری کتاب الحیل'' (۳۹۶/۶) کے مضمون کی عبارت کو بوقت نکاح پر محمول کیا ہے، (دیکھئے: ان کا مقالہ ص ۱۳)۔

(۲) مولانا عتیق احمد قاسمی نے تفویض قبل النکاح کے جواز پر (أحکام الشرعیۃ بأحوال الشخصیۃ/۳۲۶) کی عبارت: **''والتفویض یصح قبل الزوج ویصح عند انشائه ویصح**

☆ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام، میرٹھ

بعده عند الحنفية وذلک لأنه تعليق وتعليق الطلاق قبل الزواج جائز " سے حجت قائم کی ہے۔

جواب: لیکن تفویض کو تعلیق قرار دینا خلاف اصل ہے، تفویض کی اصل تملیک ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں معنیٰ تعلیق بھی ہے، اور شوہر ملک نکاح سے پہلے خود طلاق دینے کا مجاز نہیں تو وہ دوسرے کو طلاق سپرد کرنے کا مجاز کیوں کر ہوسکتا ہے۔

نیز زیر بحث مسئلہ تفویض طلاق کا ہے نہ کہ تعلیق طلاق کا، لہٰذا دلیل اصل مسئلہ سے متعلق نہیں رہی، مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

(۳) اکثر فاضل مقالہ نگاروں نے قبل النکاح تفویض طلاق کے جواز پر استدلال حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کی عبارت سے کیا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اس کے جواز پر استدلال:

"**لما فی تنوير الأبصار باب التعليق وشرطه الملک أو الإضافة كأن نكحتک فأنت طالق، وفی العالمكيرية الفصل الثالث من كتاب الشروط والثانی تعليق التفويض بالشرط**" سے کیا ہے۔

جواب: لیکن اول تو اس حوالہ میں "**إن نكحتک**" کا جملہ خود اضافت ملک نکاح کو بوقت نکاح ظاہر کررہا ہے، دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ دراصل طلاق مضاف الی ملک النکاح کا ہے، نہ کہ تفویض طلاق لیاقت ونسبت ملک کے معتبر ہونے کا، چنانچہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کے مطابق قبل النکاح طلاق کی صحت پر فقہاء معتبرین کی کوئی صریح عبارت موجود نہیں ہے۔

(الف) تفویض طلاق کے باب میں کتب فقہ میں جو مسائل مذکور ہیں وہ سب بعد النکاح تفویض سے متعلق ہیں۔

(ب) ملا علی قاری، صاحب "ہدایہ" اور ابن الہمام رحمہم اللہ وغیرہم نے تفویض طلاق کو دلیل

قیاس کے برخلاف دلیل استحسان سے ثابت مان کر جن آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے وہ سب آثار عند النکاح یا بعد النکاح تفویض طلاق کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(ج) خود بخاری (۲/۷۹۰) میں آیت تخییر کے سلسلے کی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے یہ ارشاد: "**إنی ذاکر لک أمرا فلا علیک أن لاتعجلی حتی تسأمری أبویک**" اگر تفویض طلاق کے معنی میں ہو (جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے) تب بھی اس واقعہ کا بعد النکاح ہونا معلوم ہے۔

(د) اور تخییر کی مختلف المعنیٰ آیت کا نزول بھی قطعی طور پر ازواج مطہرات کے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں داخل ہو چکنے کے بعد ہوا ہے۔

اس طرح قرآن وحدیث اور آثار صحابہ میں قبل النکاح تفویض طلاق کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے، رہ گئی یہ بات کہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کو تفویض طلاق میں کیوں استعمال نہیں کیا جا سکتا؟ جبکہ طلاق وعتاق اور دیگر معاملات میں فقہاء نے استعمال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں ارشاد نبوی ہے:

"**لا نذر لابن آدم فیما لا یملک ولا عتق فیما لایملک ولا طلاق فیما لا یملک**" (سنن الترمذی ۱/۱۴۱ باب لا طلاق قبل النکاح) **وفی الباب عن علی ومعاذ وجابر وابن عباس وعائشة حدیث عبداللّٰه بن عمرو حدیث حسن صحیح، وهو أحسن شئی ما روی فی هذا الباب وهو قول أكثر أهل العلم من أصحاب النبی** ﷺ **وغیرهم، وقال القاری: وهو متمسک الشافعی وبه یقول أحمد** (مرقات ۶/۵۸۲)۔

اس حدیث کا عموم قبل النکاح طلاق کو غیر معتبر قرار دے رہا ہے تو مجوزین کے مطابق تفویض کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے، اس کے بالمقابل اضافت ملک سے ملک کے ثبوت پر چند صحابہ وتابعین کے آثار ہیں، صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے، پھر ان آثار کے برعکس ابن حجر نے جمہور علماء کا

مسلک نقل کیا ہے، اور امام بخاری نے ''لا طلاق قبل النکاح'' پر ۲۳ صحابہ وتابعین کے نام اپنی تائید میں گنوائے ہیں، علامہ کرمانی نے اس مسلک کو لگ بھگ اجماعی قرار دیا ہے۔

''مقصوده من تعداد هولاء الجماعة الثلثة والعشرون من الفقهاء والأفاضل الإشعار بأنه يكاد أن يكون إجماعا على أنه لا تطلق قبل النكاح " (حاشیہ بخاری ۲/ ۷۹۳)۔

خود حنفیہ کے یہاں اسی مذکورہ حدیث کے پہلے **''جزء حلال لانذر لابن آدم فیما لا یملک''** میں اضافی ملکیت کا اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''أی لا صحة له فلو قال: للّٰه تعالٰی علی أن أعتق هذا العبد ولم یکن ملکه وقت النذر لم یصح النذر، فلو ملکه بعد هذا لم یعتق علیه کذا ذکره بعض الشراح من علمائنا'' (مرقات المفاتیح ۶/ ۳۸۵)۔

تو پھر تفویض طلاق میں قبل النکاح اضافت الی النکاح کو کیوں معتبر مانا جائے؟

(س) میری رائے میں طلاق اور تفویض میں ایک واضح فرق موجود ہے جو حکم کی یکسانیت میں مانع ہے اور وہ یہ ہے کہ حق طلاق بہ نص قرآن صرف شوہر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے **''الذی بیده عقدة النکاح''** (البقرۃ: ۲۳۷)، عورت کو (حق طلاق دینا) خدا کو منظور نہیں، ورنہ وہ خود دیتا، ایسی حالت میں شوہر کا اپنی طرف سے عورت کو یہ حق منتقل کرنا حکم منصوص کے خلاف بھی ہے، قلب موضوع بھی ہے، اور منجانب اللہ شوہر کو حق تفویض نہ ملنے کے سبب یہ حق ضعیف بھی ہے، جبکہ خود شوہر کا طلاق دینا خدا کے حکم سے حق قوی ہے اور قوی اور ضعیف کا ایک حکم نہیں ہوسکتا۔

(ط) اس مسئلہ میں دو فاضل مقالہ نگار جناب مولانا شہباز عالم ندوی اور مولانا سید اسرار الحق فاضل سبیلی میرے مکمل ہم خیال ہیں، ان دونوں حضرات نے قبل النکاح تفویض کے عدم

جواز پر علامہ عبدالرحمٰن جزیری کی اس صریح عبارت سے استدلال کیا ہے:

"فإذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فإنها لا يعمل بها" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۸۹)۔

(ع) مولانا عبیداللہ اسعدی نے تفویض طلاق کو سرے سے قرآن وحدیث اور مصالح شرعیہ کے خلاف قرار دیا ہے، اور اس کو متقدمین فقہاء کا بیان کردہ جزئی مسئلہ بتایا ہے جس کو قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جاسکتا، اسی ضمن میں " کابین نامہ" لکھوانے پر نکیر کی ہے جس سے ایک گونہ میرے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(ف) تفویض طلاق کا اصل مقصد عورت کو شوہر کے ضرر متحقق سے بچانا ہے اور ضرر کا تحقق وقت نکاح تک شوہر کی شخصیت، اس کی سیرت وعادت اور اس کے رجحانات فکر کا مشاہدہ ومطالعہ اور اس کی مزاجی کیفیت کی چھان بین کر کے ہوسکتا ہے، لیکن وقت نکاح سے قبل ضرر زوج کا خدشہ محض وہمی اور فرضی ہے، بلکہ قبل از نکاح اس کو ظالم وجابر مان لینا اور " کابین نامہ" لکھوانا شدید قسم کی بدگمانی ہے جس کا کوئی جواز نہیں، پس تفویض قبل النکاح کا بھی کوئی جواز نہیں۔

البتہ بوقت نکاح تفویض طلاق کا جواز (حالانکہ یہ بھی قبل از حصول ملک نکاح ہے) اس بناء پر ہوسکتا ہے کہ تفویض کا ملک نکاح کے ساتھ زبانی قرب واتصال ہے اور وہ انشاء نکاح کے ساتھ ساتھ پائی جارہی ہے، جبکہ قبل النکاح تفویض میں تفویض اور ملک نکاح کے حصول کے درمیان فاصلہ حائل ہے، اور ملک نکاح کا حصول بوقت تفویض موہوم امید کے درجہ میں ہے اور تحقق سے دور ہے، لہٰذا دونوں حالتوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا، قریب بہ تحقق ملک میں ملک کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اور موہوم ملک میں ملک کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

نکاح میں تفویض طلاق اور مشروط مہر کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

یہ مذہبی خوش اعتقادی نہیں، بلکہ ایک روشن حقیقت اور زندہ پائندہ واقعہ ہے کہ اسلام کا قانون ازدواج جس درجہ معتدل، متوازن اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور سماجی مصالح کی کسوٹی پر کامل و مکمل ہے، وہ بجائے خود اسلام کا معجزہ اور اس کی حقانیت کی روشن دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا سرچشمہ مخلوق کا ناقص و ناتمام علم نہیں، بلکہ یہ خالق کائنات اور رب العالمین کا عطا فرمودہ ہے، جو انسانیت کی ضروریات اور مصالح سے خود ان سے بھی زیادہ واقف و آگاہ اور علیم و خبیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرق و مغرب کا نہ کوئی مذہب اور مذہبی گروہ ہے اور نہ انسانوں کا بہ طور خود وضع کیا ہوا قانون، جس نے اسلام کے نظام معاشرت سے استفادہ نہ کیا ہو اور اس خرمن کی خوشہ چینی سے بے نیاز ہو، ایک سماجی ضرورت کے طور پر بہ درجہ مجبوری طلاق کی گنجائش، نظام میراث، عورت کے لئے جائداد میں مالکانہ حقوق کا تصور، مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے دوسرے نکاح کی اجازت اور اس طرح کے بہت سے احکام ہیں جن کو آج تمام ہی وضعی قوانین نے تسلیم کیا ہے، یہ اسلام ہی کے معاشرتی نظام کی دین ہے۔

مگر افسوس کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں احکام شریعت سے ناواقفیت

☆ سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، مؤسس و ناظم "المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد"

وناآگہی، دوسری اقوام کی بعض ایسی روایات ورواجات سے تاثر، جوسراسر اسلامی تعلیمات اور انصاف کے عمومی تقاضوں کے خلاف ہے، اور شریعت کی جانب سے دئے گئے بعض حقوق کا غلط استعمال اور خدانا ترسی کے نتیجہ میں ان لوگوں کو شریعت اسلامی کے خلاف منہ کھولنے کا موقع مل رہا ہے جن کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص کسی طور پر گوارہ نہیں، اور علماء کے لئے بھی یہ بات لمحۂ فکریہ ہوگئی ہے کہ وہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے ایسی تدبیریں اختیار کریں کہ قانون کے غلط استعمال کا سد باب ہوسکے، نکاح کے ساتھ بعض شرطوں کو ہم رشتہ کرنے کے مسئلہ پر بھی اسی پس منظر میں غور کرنا چاہئے۔

۱- نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں بنیادی طور پر تین طرح کی ہیں:

پہلی شرط:

ایسی شرطیں جو انہی حقوق وفرائض کو مؤکد کرتی ہوں جن کو شریعت نے نکاح کی وجہ سے لازمی طور پر واجب قرار دیا ہے، جیسے شوہر کا بیوی کو نفقہ ادا کرنا، اس کے ساتھ احکام شریعت کے مطابق بھلے طور پر زندگی بسر کرنا، بیوی کا معروف میں شوہر کی نافرمانی نہ کرنا اور شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ جانا وغیرہ۔

ایسی شرطیں بالاتفاق معتبر ہیں اور فریقین پر ان کا ایفاء واجب ہے، کیونکہ یہ بجائے خود نکاح کے مقاصد میں ہیں اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہے، نکاح کے وقت شرط کے طور پر ان کا تذکرہ محض احکام شریعت پر عمل اور اپنے اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی کے عہد کی تجدید وتوثیق ہے (فتح الباری ۹/ ۲۱۷)۔

دوسری شرط:

ایسی شرطیں جو نکاح سے متعلق شریعت کے وجوبی احکام سے متصادم ہوں، حافظ ابن رشد کے الفاظ میں جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی شرط کو ساقط کر دیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں سے کسی حکم میں تغیر وتبدیلی کو مستلزم ہوں (بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۹)، جیسے: یہ شرط کہ

بیوی کا مہر نہیں ہوگا، یا یہ کہ شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہوگا، یا عورت کی طرف سے شرط کہ شوہر اس سے مقاربت نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کو سوکن کے حصہ میں سے بھی اضافی حصہ دے گا، من جملہ انھیں شرائط کے یہ ہے کہ شوہر، عورت اور اس کے اہل خاندان سے کوئی مالی مطالبہ کرے (المغنی ۷/ ۷۲)۔

ایسی شرطیں بالاتفاق نامعتبر ہیں، امام بخاری نے ایسی شرطوں کی ممانعت پر مستقل عنوان قائم فرمایا ہے: "**باب الشروط التی لا تحل فی النکاح**" ان شرطوں کا بیان جو نکاح میں حلال نہیں ہیں) (بخاری مع الفتح ۹/ ۲۱۹)۔

پھر اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول پیش کیا ہے: "کوئی خاتون اپنی دینی بہن یعنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے" اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کے حصہ کی بھی حقدار ہو جائے، کیونکہ جو اور جتنا اس کے لئے مقدر ہے وہ تو اسے مل کر ہی رہے گا (حوالہ سابق)۔

اگر اس طرح کی شرطیں لگادی جائیں تو نکاح پر بالاتفاق ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا، نکاح منعقد ہو جائے گا اور شرطیں لغو و بے اثر ہو جائیں گی (بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۹ فتح الباری ۹/ ۸۱۲)۔

تیسری شرط

یہ وہ شرطیں ہیں جن سے عورت کو نفع پہنچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو، گو یا ان شرطوں کو مان کر مرد اپنے بعض ایسے حقوق سے دستبردار ہو جاتا ہے جن سے دستبردار ہونے کا اس کو اختیار ہے، مثلاً: عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے میکہ میں رکھے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، وغیرہ (المغنی ۷/ ۷۱)۔

ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح کیا جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اس پر اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرطیں معتبر ہوں گی اور ان کی تکمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ اور سلف

صالحین اور ائمہ مجتہدین میں مثبتین اور منکرین دونوں کی قابل لحاظ تعداد ہے۔

منکرین اور ان کے دلائل:

جو لوگ ایسی شرطوں کو بھی نامعتبر خیال کرتے ہیں، ان میں صحابہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام نامی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۲۰۰)، نیز یہی رائے سعید بن المسیب، حسن بصری، شعبی، طاؤس، (ان سبھوں سے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے مصنف (۴/ ۲۰۰ من قال لیس لها شرط الخ)، ابراہیم نخعی، ابن شہاب زہری، عطاء، ایاس بن معاویہ اور ہشام بن ہبیرہ (مصنف عبدالرزاق ٦/ ۲۳۰)، ابن سیرین اور سفیان ثوری (شرح السنۃ للبغوی ۹/ ۵۵) کی ہے، ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ، امام مالک (بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۹) اور امام شافعی (شرح مہذب ١٦/ ۲۵۰) کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے، فقہاء مالکیہ ایسی شرطوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد کے لئے ان کا ایفاء کرنا واجب تو نہیں ہے، لیکن مستحب ہے (حاشیۃ صاوی علی الشرح الصغیر ۲/ ۳۸۵) ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل**" (جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے) (بخاری ۱/ ۳۷۷ کتاب الشروط)۔

اور ظاہر ہے کہ نکاح کے ساتھ اس قسم کی شرطیں کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں۔

(۲) ارشاد نبوی ہے:

"**المسلمون على شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلال**" (یعنی مسلمانوں کے حقوق وواجبات طے شدہ شرطوں کے مطابق ہوں گے، سوائے ایسی شرط کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہو)، شوہر کے لئے جب شریعت نے دوسرے نکاح کی اور جہاں رہے وہاں بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہے تو اب کسی شرط کے ذریعہ مرد کا اس حق سے محروم ہوجانا حلال کو حرام کر لینے کے مترادف ہے۔

(۳) ایسی شرطیں تقاضۂ عقد کے خلاف ہیں (شرح مہذب ۱۶/ ۲۵۰، فقہ السنۃ ۲/ ۵۲ للسید سابق)۔

(۴) ایک خاتون جن سے شوہر نے مکان دینے کا وعدہ کیا تھا، جب ان کی بابت حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا: اللہ کی شرط بیوی کی شرط سے مقدم ہے، "**شرط الله قبل شرطها**" (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/ ۲۰۰)۔

مثبتین اور ان کے دلائل

جن حضرات کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی فہرست بھی خاصی طویل ہے، صحابہ میں حضرت عمر (مصنف عبد الرزاق ۶/ ۲۲۷) اور عمرو بن العاص (مصنف عبد الرزاق ۶/ ۲۲۸) کا یہی نقطۂ نظر تھا، بعد کے اہل علم میں قاضی شریح، ابو الشعثاء (حوالہ سابق ۶/ ۲۲۴ اور اس کے بعد باب الشروط فی النکاح)، حضرت عمر بن عبد العزیز (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۲۰۰)، اسحاق (ترمذی ۱/ ۲۱۴ باب الشرط عند النکاح) اوزاعی، ابن شبرمہ (بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۹) کا یہی قول ہے، علامہ بغوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے (شرح السنۃ ۹/ ۵۴)، اکثر محدثین کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، امام بخاری نے اپنے "ترجمۃ الباب" میں حضرت عمرؓ کے اس قول کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو اس قسم کی شرطوں کے معتبر ہونے کی بابت ہے (بخاری باب الشروط فی النکاح) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی گروہ کے ساتھ ہیں، یہی حال امام ابو داؤد کا ہے (ابو داؤد مع عون المعبود ۶/ ۱۷۶ باب فی الرجل یشترط لہا دارا)، ائمہ مجتہدین میں یہی رائے امام احمد بن حنبل کی ہے (المغنی ۷-۱۷)۔

ان حضرات کے دلائل اس طرح ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**یایها الذین آمنوا أوفوا بالعقود**" (سورۂ مائدہ: ۱) (اے ایمان والو: وعدوں کو پورا کرو)۔

ابو بکر جصاص رازی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن

جریج، ابوعبیدہ اور متعدد لوگوں سے نقل کیا ہے کہ ''عقود'' سے مراد ''عہود'' یعنی معاہدات اور وعدے ہیں (احکام القرآن ۳/ ۲۸۳، ۲۸۴)، ظاہر ہے کہ نکاح کے وقت طے پانے والی جائز شرطیں بھی ''عہد'' کے قبیل سے ہیں۔ خود امام جصاص نے آگے چل کر لکھا ہے:

''**وکذلک کل شرط شرطه إنسان علی نفسه فی شئی یعمله فی المستقبل فهو عقد**'' (احکام القرآن ۳/ ۲۸۵) (مستقبل میں کئے جانے والے افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کرلے وہ ''عقد'' ہے)۔

پھر آگے اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ اس آیت کا تقاضا کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

''**وهو عموم فی إیجاب الوفاء بجمیع ما یشترط الإنسان علی نفسه مالم تقم دلالة تخصصه**'' (احکام القرآن ۳/ ۲۸٦) (انسان اپنے آپ پر جو شرطیں منظور کرلے، یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضا کرتی ہو)۔

اسی طرح کا مضمون قرآن مجید نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

''**وأوفوا بعهد الله**'' (النحل ۹۱) (اللہ کے عہد کو پورا کرو)۔

مفسر قرطبی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''**لفظ عام لجمیع ما یعقد باللسان ویلتزمه الإنسان من بیع أو صلة أو مواثقة فی أمر موافق للدیانة**'' (الجامع لأحکام القرآن ۱۰/ ۱٦۹)۔

(عقد ان تمام باتوں کو عام ہے جو زبان سے طے کی جائے اور جسے انسان اپنے اوپر لازم کرلے، خرید وفروخت ہو یا صلہ رحمی یا کسی بھی ایسے معاملہ میں معاہدہ جو دین کے موافق ہو)۔

۲- حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''**أحق ما أوفیتم من الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج**'' (بخاری مع الفتح ۹/ ۲۱۷، مسلم ۱/ ۴۵۵، ابوداؤد ۱/ ۲۹۱، ترمذی ۱/ ۲۱۲، نسائی ۲/ ۸۷، ابن ماجۃ ۱/ ۴۰، الفاظ بخاری کے ہیں)۔

(سب سے زیادہ قابل ایفاء شرطیں وہ ہیں جن کے ذریعہ سے تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو)۔

عام طور پر محدثین نے اس سے اسی قسم کی شرطیں سمجھی ہیں، بخاری وابوداؤد کا نقطۂ نظر گزر چکا ہے، ابن ابی شیبہ نے پہلے وہ روایات وآثار نقل کئے ہیں جن سے شرطوں کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے، اورسب سے پہلے حضرت عمر کا یہ اثر ذکر کیا ہے، پھر ان کا ذکر کیا جو ایسی شرطوں کو نامعتبر تصور کرتے ہیں اور ابتداء حضرت علیؓ کے قول سے کی ہے اور حضرت عقبہ بن عامر کی اس روایت کو پہلے گروہ کے ساتھ ذکر کیا ہے (مصنف ۲-۲۲۰-۱۹۹)۔

(۳) عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا، جس میں شوہر بیوی کے درمیان یہ شرط طے شدہ تھی کہ شوہر اس کو اس کے میکہ ہی میں رکھے گا (أن لایخرجها من دارها) حضرت عمر نے فرمایا کہ شرط پوری کی جائے، اس کے شوہر نے کہا کہ اگر اس طرح کا فیصلہ ہو تو عورت جب بھی شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے گی علیحدہ ہو جائے گی، حضرت عمر نے فرمایا:

"**المسلمون عند ماشارطتهم عند مقاطع حدودهم**" (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۲۷)

، ابن ابی شیبہ نے اس کو مختصرا (مصنف ۴/۲۰۰) اور بخاری نے تعلیقا نقل کیا ہے (بخاری مع الفتح ۹/۲۱۷)۔

(۴) یہی رائے متعدد صحابہ، یعنی عمر کے علاوہ سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص کی بھی ہے (المغنی ۷/۷۱)، نیز حضرت عمر کا فیصلہ اس وقت ہوا ہے جب صحابہ کی بڑی تعداد مدینہ میں فروکش تھی اور کسی کا اس فیصلہ میں اختلاف کرنا منقول نہیں ہے۔

(۵) یہ ایسی شرطیں ہیں جو مقاصد نکاح میں تو مانع نہیں ہیں اور اس سے ایک جائز مقصد ومنفعت متعلق ہے، جیسے مہر کی زیادتی یا اپنے ملک کے بجائے کسی اور ملک کے سکہ میں مہر کی تعیین، تو انہیں امور کی طرح ان شرطوں کو بھی لازم ہونا چاہئے (حوالہ سابق)۔

فریقین کے دلائل پر ایک نظر

ہر چند کہ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر ان مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے، لیکن اصل

استدلال دونوں ہی فریقوں کا حدیث نبوی ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کے عموم کو ملحوظ رکھا ہے:

"**کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل ولو کان مائة شرط**" (بخاری ۱/۶۵ باب القاضی والملازمة فی المسجد) (جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے گو وہ سو شرطیں ہوں)۔

اور حنابلہ نے نکاح سے متعلق اس خصوصی ارشاد کو پیش نظر رکھا ہے:

"**أحق الشروط أن یوفی به مااستحللتم به الفروج**" (سب سے بڑھ کر وہ شرط قابل ایفاء ہے جس کے ذریعہ تم عصمت حلال کرتے ہو)۔

حافظ ابن رشد بلند پایہ فقہاء مالکیہ میں ہیں اور منصف مزاج بھی ہیں، مگر ان کا رجحان حنابلہ کی طرف ہے، فرماتے ہیں: "**والحدیثان صحیحان أخرجهما البخاری ومسلم إلا أن المشهور عند الأصولیین القضاء بالخصوص علی العموم وهو لزوم الشرط وهو ظاهر ماوقع فی "العتبیة" وإن کان المشهور خلاف ذلک**" (بدایۃ المجتہد ۲/۵۹)۔

(دونوں حدیثیں صحیح ہیں، جن کی بخاری ومسلم نے تخریج کی ہے، لیکن علماء اصول کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ خاص کے ذریعہ عام کی تخصیص کی جائے گی، اور زیر بحث مسئلہ میں خصوص یہی ہے کہ شرط کی تکمیل لازمی ہو "عتبیہ" (فقہ مالکی کی ایک اہم کتاب) میں جو کہا گیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے، گو قول مشہور اس کے خلاف ہے)۔

موجودہ دور کے اہل تحقیق علماء میں متعدد لوگ ہیں جو اس مسئلہ میں حنابلہ کے نقطۂ نظر کے مؤید ہیں، ان میں شیخ مصطفی احمد الزرقاء (المدخل الفقہی العام ۱/۴۸۲) شیخ سید سابق (فقہ السنۃ) اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی (الفقہ اسلامی وادلتہ ۷/۶۰) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، شام کے موجودہ عائلی قوانین میں بھی اسی پر عمل ہے اور یاد آتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں مصر کی پارلیمنٹ نے بھی علماء ازہر کی تائید سے اسی قسم کا قانون بنایا تھا جو اس وقت ہندوستان میں اخبارات کا موضوع بن گیا تھا۔

واقعہ ہے کہ شرائط ومعاہدات کے معاملہ میں اسلام کے عمومی مزاج ومذاق، خصوصیت سے نکاح کے بارے میں طے شدہ شرائط کی ایفاء وپابندی کی ہدایت، پھر حضرت عمر کا بحیثیت

خلیفہ فیصلہ اور بہ ظاہر اس پر صحابہ کا سکوت، نیز اسی قسم کا قاضی شریح کا فیصلہ اور متعدد صحابہ سے اس رائے سے اتفاق وہ امور ہیں جن سے حنابلہ کا مسلک نسبۃً زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، حدیث میں نکاح کے وقت متعینہ شرطوں کو وفا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، جمہور کا خیال ہے کہ اس سے کوئی اضافی شرط مراد نہیں ہے، بلکہ نکاح کی بناء پر عائد ہونے والے فرائض وواجبات کی تاکید مقصود ہے، لیکن حدیث کے الفاظ میں بہ ظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کتب حدیث میں اس کا کوئی ایسا پس منظر ہی منقول ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ مراد متعین کی جا سکے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین میں سے بھی جن لوگوں نے معروضی انداز پر اس حدیث میں غور کیا ہے، انھوں نے حنابلہ کے نقطۂ نظر کو حدیث سے زیادہ قریب محسوس کیا ہے، ابن رشد کی صراحت اوپر مذکور ہو چکی ہے، شوافع میں ابن دقیق العید کا جو پایہ علمی ہے، اس سے حدیث وفقہ کے کوچہ کا کون رہ گزر ناواقف ہوگا، انھوں نے جمہور کی طرف سے حدیث کی اس تشریح پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

''جو شرطیں خود ہی مقتضیات عقد میں سے ہیں، انہیں کو اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ابن دقیق العید کو اشکال ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ان امور کے واجب قرار دئے جانے میں ان شرطوں کو لگانا موثر نہیں ہے تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو مشروط ومعلق کرنے کی کوئی حاجت نہیں حدیث کا سیاق بھی اس سے مختلف بات کا متقاضی ہے، کیونکہ ''احق الشروط'' کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ بعض شرطیں قابل ایفاء ہیں اور بعض زیادہ قابل ایفاء ہیں اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم الایفاء ہونے میں برابر ہیں'' (فتح الباری ۹/۲۱۸)۔

''**کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل**'' (کتاب اللہ میں جو شرط نہ ہو وہ باطل ہے) کس قسم کی شرطیں مراد ہیں؟ ان کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کے پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ نامی ایک باندی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے مالکان نے ان کو مکاتب بنادیا تھا،

(مکاتب سے مراد ایسا غلام یا باندی ہے جس سے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے، آزاد شدہ غلام اور باندی پر آزاد کرنے والوں کو حق ولاء حاصل ہوتا ہے، اس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے حق میراث حاصل ہوتا)، انھوں نے ام المومنین سے درخواست کی کہ بدل کتابت کی ادائے گی میں ان کی مدد کی جائے، ام المومنین نے فرمایا کہ اس کے بجائے میں چاہوں گی کہ تم کو تمہارے مالکان سے خرید لوں اور خود آزاد کرلوں، اس طرح تمہارا ولاء مجھے حاصل ہو، مالکان نے کہا کہ ہم فروخت تو کر دیں اور ام المومنین آزاد کرلیں، مگر حق ولاء ہمارے لئے محفوظ رہے گا، ظاہر ہے ان کی یہ بات شریعت کی روح کے خلاف تھی، شریعت میں ''نسب'' کی طرح ''ولاء'' کو بھی ایک فطری علاقہ اور نا قابل تبدیل حق قرار دیا گیا ہے، جیسے زید کا بیٹا معاہدہ کے ذریعہ سے عمرو کا بیٹا نہیں بن سکتا، اسی طرح جس کو زید نے آزاد کیا، وہ کسی معاہدہ اور شرط کی بناء پر عمرو کا مولی نہیں ہوسکتا۔

ان کے اس نامعقول مطالبہ اور شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہمی ظاہر فرمائی اور ارشاد ہوا:

''مابال أقوام يشترطون شروطا ليس فى كتاب الله، من اشترط شرطا ليس فى كتاب الله فليس له، وإن اشترط مأة مرة'' (بخاری ۱/۶۵ باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد)

(کچھ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شخص ایسی شرط لگائے کہ وہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، گو ایک سو شرطیں لگادے)۔

اس واقعاتی پس منظر سے صاف ظاہر ہے کہ **''ليس فى كتاب الله''** سے ایسی شرط مراد ہے جو شرعا اس معاملہ کی روح ومقصد اور بنیادی مزاج ہی کے مغائر ہو، جیسے نکاح میں زن وشو میں سے کسی ایک سے جنسی تعلقات میں تعاون سے انکار کی شرط، شوہر کی جانب سے نفقہ نہ

دینے کی شرط، مہر کے انکار کی شرط، یہ سب نکاح کے اساسی واجبات میں سے ہیں، ایک نکاح کے بعد دوسرا نکاح یا عورت کی جائے سکونت کا مسئلہ نکاح کے لوازم میں سے نہیں ہے۔

اس قسم کی شرطوں کو ''تحریم حلال'' سے بھی تعبیر کرنا دشوار ہے، حلال سے بھی ایسے ہی مباحات مراد ہیں جو عقد کے لوازم میں سے ہوں، جیسے: وطی کا حق شوہر یا بیوی کو مباح ہی ہے۔ فریق دوم کے مطالبہ کے بغیر واجب نہیں، یہی حال عورت کے حق نفقہ کا ہے، رہ گئے وہ حقوق جو معاملہ کے لوازم میں نہ ہوں اور مباحات کے قبیل سے ہوں، ان میں کسی فریق کا بذریعہ معاہدہ اپنے حق سے دستبردار ہوجانا تحریم حلال نہیں، غور کیجئے کہ طلاق اصولی طور پر مرد کا حق ہے، اور وہ تنہا اس کے استعمال کرنے کا حق دار ہے، بیوی اپنے طور پر علاحدگی کا فیصلہ نہیں کرسکتی، لیکن فقہاء نے ''تفویض طلاق'' کی صورت میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ اپنے اختیار کا حصہ گویا بیوی کو منتقل کردے۔

''تحریم حلال'' کے اس مفہوم کو اس پس منظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نکاح میں اس طرح شرطوں کو معتبر اور واجب الایفاء قرار دیا ہے اور یہی حضرت عمر ہیں جنھوں نے اسلام کے قانون عدل کی بابت حضرت ابوموسی اشعری کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

''الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا''

(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ والترمذی وابن ماجۃ عن عمرو بن عوف۔ نصب الرایۃ ۴/ ۱۱۲ کتاب الصلح)

(مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا باعث بنے)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات سے بے خبر تھے اور نہ غافل، کہ تحلیل حرام اور تحریم حلال پر مبنی صلح ومعاہدہ جائز نہیں، لیکن وہ اس طرح کی شرائط کو تحریم حلال کا مصداق ہی نہ جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شرطوں کا مقصد معاملہ کے کمزور فریق کا اپنے لئے تحفظ

حاصل کرلینا ہوتا ہے، خرید وفرخت کے معاملہ میں رہن اور کفالت کی گنجائش رکھی گئی ہے، یہ قول ابن قدامہ کے یہ بھی اسی قسم کی شرطوں میں ہے (المغنی ۷/۱۷)، معاملات دراصل معاہدات پر مبنی ہیں اور جو معاہدہ ہو اس پر فریقین کا عمل کرنا واجب ہے، سوائے اس کے کہ اس سے شریعت کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، شریعت کے مزاج و مذاق کے رمز شناس خاص شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"**الأصل فی العقود رضی المتعاقدین ونتیجتها هوما أوجباه علی أنفسهما بالتعاقد**" (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳/۲۳۹) (معاملات میں اصل فریقین کی رضامندی ہے اور اس کا ثمرہ ونتیجہ اس چیز کا واجب ہونا ہے جو معاملہ کے ذریعہ دونوں نے اپنے اوپر واجب کیا ہے)۔

یہ تو اس مسئلہ سے متعلق ایک فقہی اور استدلالی بحث تھی اور اس چیز پر بہت کچھ بحث ونظر کی گنجائش ہوسکتی ہے، لیکن اصل قابل فکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں جہالت وناخواندگی، احکام شریعت سے نا آگہی، ہمارے سماج کی اسلامی مزاج ومذاق سے محرومی اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی اقدار سے تاثر ایسی حقیقتیں ہیں، جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ چھپانے کے مترادف ہوگا، حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے، اسی طرح طلاق کا استعمال بھی۔ باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے غالباً اب بھی مسلم سماج میں بہت نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فیصد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ ومتین فیصلہ کے تحت نہیں، بلکہ وقتی ردعمل کے تحت کیا جاتا ہے، اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ تو اپنی جگہ، دوسرے اقوام کے درمیان جو جگ ہنسائی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں، ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں۔

ان اوقات میں دل چاہتا ہے کہ ایسے خدا ناترسوں اور عاقبت نااندیشوں کے لئے ہم درہ فاروقی کا نظم نہیں کر سکتے تو کم سے کم ممکن حد تک کوئی ایسی قید و بند شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے لگائیں کہ اس قسم کی مظلوم عورتوں کے لئے کوئی راہ نجات نکل آئے، اور ایک حد تک ہم اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے نقطۂ نظر سے فائدہ اٹھا کر اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔ فقہ حنبلی میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگا دے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، پھر بھی وہ دوسرا عقد کرلے تو وہ اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے (المغنی ۷/۷۱)۔

از راہ احتیاط اس میں شرط کو مزید مقید کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ جب تک دارالقضاء طبی اور معاشی اعتبار سے اس شخص کو دوسرے نکاح کے حقوق ادا کرنے کے لائق اور دوسرے نکاح کا واقعی ضرورت مند تصور نہ کرے، اس وقت تک وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکے گا وغیرہ، حالانکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ تقلید ایک ضرورت ہے اور فی زمانہ ہوس اور نفسیات کو لگام دینے کے لئے تقلید شخصی ''سفینۂ نجات'' کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ایسے حساس مسائل میں فقہ کی مکتبی پابندیوں سے کسی قدر پرے اٹھ کر احکام شریعت کے وسیع تر تناظر میں غور وفکر کی ضرورت ہے، تاکہ ہم اس ملک میں قانون شریعت کا تحفظ کر سکیں۔

تفویض طلاق کا مسئلہ

۲- عورت کو حق طلاق سپرد کرنا فقہ کی اصطلاح میں ’’تفویض طلاق‘‘ کہلاتا ہے، شرعاً اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ شوہر کسی اور شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے، لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی صورت ’’تملیک طلاق‘‘ کی ہے اور دوسری صورت ’’توکیل طلاق‘‘ کی، پہلی صورت میں شوہر رجوع نہیں کرسکتا ہے اور دوسری صورت میں رجوع کرسکتا ہے، شوہر دیا ہوا حق واپس نہیں لے سکتا، اس بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”إنه لازم من جانب الزوج حتى لايملك الرجوع عنه ولا نهى المرأة عما جعل إليها ولا فسخ ذلک لأنه ملكها الطلاق ومن ملک غيره شيئا زالت ولايته من الملک ولا يملک إبطاله بالرجوع والنهى والفسخ (بدائع الصنائع ۳/۱۱۳)

دوسری صورت

دوسری صورت کہ ایجاب وقبول ہی میں تفویض طلاق کردیا جائے درست ہے، البتہ ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور تفویض طلاق سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کرلے، اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تفویض طلاق کرے اور عورت قبول کرے، تو اس کا اعتبار نہیں، ’’خلاصۃ الفتاویٰ‘‘ میں ہے:

’’اسی پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس پر طلاق واقع ہوجائے یا اس شرط پر کہ اسے طلاق کا اختیار حاصل ہو جب بھی چاہے اپنے اوپر طلاق واقع

کرلے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کو حاصل نہ ہوگا، ہاں اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہوئی اور اس نے کہا کہ میں نے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ پر طلاق واقع ہوجائے یا یہ کہ مجھے اختیار حاصل ہو، جب چاہوں اپنے آپ پر طلاق واقع کرلوں اور شوہر کہے کہ میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اختیار بیوی کو حاصل ہوجائے گا'' (خلاصہ الفتاوی ۲؍۲۹)۔

''خلاصہ'' ہی کے حوالہ سے اس کو ابن نجیم نے (البحرالرائق ۳؍۳۱۸) اور ابن نجیم کے حوالہ سے علامہ شامی نے بھی اس کو نقل کیا ہے (ردالمحتار ۲؍۴۸۵) ''فتاوی بزازیہ'' میں بھی تفویض طلاق کی اسی صورت کو کسی قدر قیود وحدود کی پابندی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

''عورت کو اندیشہ ہو کہ نکاح ہوگیا تو نکاح کے بعد شوہر اس کو طلاق نہیں سونپے گا تو اسے یوں کہنا چاہئے: میں نے تم سے اتنے مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ اختیار طلاق مجھے حاصل ہوگا، جب بھی تم مجھ کو بے قصور مارو یا میری موجودگی میں دوسرا نکاح کرلو یا باندی لاؤ یا مجھ سے ایک سال تک غائب رہو، ایسی صورت میں جب میں چاہوں گی اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلوں گی'' (فتاوی بزازیہ ۴؍۲۳۴)۔

''یہ شوہر کی جانب سے لازم ہے، چنانچہ وہ اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ عورت کو دئے گئے حق سے باز رکھنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار ہی رکھتا ہے، کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنادیا ہے اور جو کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادے اب اس مملوکہ شئی سے اس کا حق تصرف ختم ہوچکا ہے، لہٰذا وہ رجوع کرکے، منع کرکے اور فسخ کرکے اس حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا''۔

بیوی کو تفویض طلاق

تفویض طلاق کی پہلی صورت کہ نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ طے ہوجائے اور کابین نامہ بر فریقین کے دستخط ہوجائیں، بھی درست ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض میں نکاح کرنے کی شرط ذکر کردی جائے، مثلاً یوں کہے: ''اگر میں نے تم سے نکاح کیا

اور فلاں فلاں بات میری طرف سے پائی گئیں تو تم کو اپنے آپ پر ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا'' چنانچہ ہدایہ میں ہے:

''ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكا أو يضيف إلى ملكه لأن الجزاء لابد أن يكون ظاهرا ليكون مخيفا فيتحقق معنى اليمين وهو القوة والظهور بأحدى هذين والإضافة إلى سبب الملک منزلة الإضافة إليه لأنه ظاهر عند سببه'' (ہدایہ ۲/ ۳۸۵)

(طلاق کی نسبت عورت کی طرف درست نہیں، سوائے اس کے کہ مشروط طلاق دینے والا اس پر ملکیت نکاح رکھتا ہو یا ملکیت نکاح ہی کی طرف نسبت کرے، اس لئے کہ جزا کا ظاہر ہونا ضروری ہے تا کہ یہ چیزیں عورت کے لئے باعث خوف ہوسکیں اور یمین کا معنی متحقق ہو سکے جو قوت وظہور ہے، اور یہ انہیں دو میں سے ایک طریقہ سے ہوسکتا ہے، کیونکہ سبب ملکیت کی طرف نسبت خود ملکیت کی طرف نسبت کرنے کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ سبب کے پائے جانے کے وقت خود اس کا پایا جانا ظاہر ہے)۔

پس جیسے مشروط طلاق کے لئے نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے، ورنہ کلام غیر مؤثر ہوگا، اسی طرح تفویض طلاق کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ نکاح کے ساتھ مشروط ہو، قبل نکاح، نکاح پر مشروط تفویض طلاق کا بعد از نکاح مؤثر ہونا علامہ عبدالرشید طاہر بخاری کی اس عبارت سے بھی اخذ کیا جا سکتا ہے:

''ولو قال الزوج تزوجتک علی أنک طالق بعد التزوج أوعلى أن أمرک بيدک بعد التزوج فقبلت المرأة صار الأمر بيدها'' (خلاصۃ الفتاویٰ ۲/ ۲۹)۔

(اگر شوہر نے کہا: میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ شادی کے بعد تم پر طلاق واقع ہو جائے، یا یہ کہ نکاح کے بعد اختیار تمہارے ہاتھ میں ہوگا اور عورت قبول کر لے تو عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا)۔

تیسری صورت

تیسری صورت، کہ نکاح کے بعد طرفین تفویض طلاق کے معاہدہ نامہ پر دستخط کردیں جائز ہے، چاہے اس معاہدہ میں شوہر کی طرف سے پہل ہو یا بیوی کی طرف سے، دونوں ہی صورتیں درست ہیں، یوں تو نکاح کے وقت ہی تفویض طلاق کے موضوع پر گفتگو سماج کے موجودہ مزاج کے تحت گراں محسوس ہوگی، لیکن اگر اس طرح نکاح نامے طبع کرالئے جائیں اور مطبوعہ فارم پر کرکے ہی عقد کا رواج ہوجائے، جیسا کہ دکن کے علاقوں میں مروج ہے اور اس فارم میں پہلے سے اس طرح تحریر موجود ہو تو لوگ بتدریج اس کے عادی ہوجائیں گے، اور اس طرح نکاح کا ریکارڈ بھی محفوظ رہے گا، جس کی وجہ سے ثبوت نکاح، ثبوت نسب اور مقدار مہر وغیرہ کی بابت کم سے کم نزاع پیدا ہوگی۔

تفویض طلاق کی ان دونوں صورتوں میں شرائط نامہ کی تحریر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ہوگا جو تفویض میں عموم کو بتاتا ہو، مثلاً یہ کہ ''میں اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کو اختیار دیتا ہوں کہ متذکرہ بالا شرائط میں سے کسی کی عدم تکمیل جب بھی دارالقضاء میں ثابت ہوجائے تو وہ اپنے آپ پر طلاق بائن واقع کرلے''، یہ ''جب بھی'' کا لفظ عربی زبان کے ''متی ما'' کا ہم معنیٰ ہے اور ایسے الفاظ شرط کے ساتھ تفویض طلاق میں عورت حین نکاح اپنے حق کو استعال کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ کاسانی کے الفاظ میں:

''فإن أطلق الوقت بأن قال: أمرک بیدک إذا شئت أو متی شئت أو حیثما شئت فلها الخیار فی المجلس وغیر المجلس ولا یتقید بالمجلس حتی لوردت الأمر لم یکن رد'' (بدائع الصنائع ۱۱۵/۳)۔

(اگر وقت کو مطلق رکھا اور یوں کہا: تم جب چاہو یا جہاں چاہو تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہوگا، تو اس مجلس میں بھی اختیار حاصل رہے گا اور اس کے بعد بھی مجلس کے ساتھ اس کا اختیار مقید نہیں رہے گا، یہاں تک کہ اگر وہ خود اختیار کو رد بھی کردے تو رد نہیں ہوگا)۔

تفویض طلاق میں طلاق بائن کی صراحت بھی ضروری ہے، تین طلاقوں کا ذکر ہرگز مناسب نہیں کہ خلاف سنت اور معصیت ہے، مطلق طلاق کافی نہیں کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور مرد کو یک طرفہ رجوع کا حق باقی رہے گا، تو یہ ایک ہاتھ سے عورت کو پروانہ خلاصی دینے اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لینے کے مترادف ہوگا۔

چونکہ طلاق ایک نازک مسئلہ ہے اور عورتوں کے لئے اس کا بے قید اختیار دینا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا، مردوں ہی کی طرف سے طلاق کے بے جا استعمال نے جب یہ کچھ ستم ڈھایا ہوا ہے تو عورتوں کو اس کی بے قید اجازت کیا کچھ مفاسد پیدا نہیں کرے گی؟ اس لئے ضروری محسوس ہوتا کہ تفویض طلاق مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی اور دار القضاء یا کچھ صالحین کی طرف سے حق مفوضہ کے استعمال کی اجازت سے مشروط کردیا جائے۔

اگر متعدد اشخاص کی اجازت اور رضامندی سے طلاق کو مشروط کردیا جائے تو ان کی رضامندی اور عورت کے پیش کئے ہوئے عذر کی معقولیت سے اتفاق کرلینے کے بعد ہی وہ اپنے آپ پر طلاق واقع کرسکتی ہے، چنانچہ ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے:

''**رجل جعل أمر امرأته بيد رجلين لا ينفرد أحدهما بالطلاق** (الخانیۃ ۱/ ۲۲۳)۔

(کوئی شخص اپنی بیوی کے معاملہ کو دو اشخاص کے اختیار میں کردے تو دونوں میں سے ایک کو تنہا طلاق واقع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا)۔

دار القضاء کو تفویض:

خیال ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی ایسی صورت اختیار کرنی بہتر ہے جس میں حق طلاق دار القضاء یا محکمۂ شرعیہ کو دیا گیا ہو، بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر تو ''توکیل'' ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت ومشیئت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کردیا جائے تو یہ ''توکیل'' کی بجائے ''تفویض'' ہے (الخانیۃ ۱/ ۵۲۴)، اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا، ''فتاویٰ بزازیہ'' میں ہے:

"**لو قال لأجنبی: طلاقھا بیدک أو طلقھا إن شئت کقولہ أمرھا بیدک یقتصر ولا یملک الرجعۃ**" (بدائع الصنائع ۳/ ۲۳۴)۔

(اگر اجنبی شخص سے کہا کہ عورت کا حق طلاق تمہارے ہاتھ میں ہے، یا یہ کہے کہ اگر "تم چاہو تو طلاق دے دو" تو یہ "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" کہنے کی طرح ہے کہ اس میں اختیار مجلس میں محدود رہے گا اور شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا)۔

اور "سراجیہ" میں ہے:

"**لو قال لأجنبی: طلقھا إن شئت ثم عزلہ لایصح**" (السراجیۃ/ ۴۴) (اجنبی شخص سے اپنی بیوی کی بابت کہے کہ اگر چاہو تو اسے طلاق دے دو، پھر اس کو اختیار سے معزول کردے تو درست نہیں)۔

"فتاویٰ بزازیہ" میں اختیار طلاق کو اسی مجلس تک محدود مانا گیا ہے کہ شرط کے لئے جو الفاظ استعمال کیا گیا ہے وہ عموم کو نہیں بتاتا ہے، اگر "اگر تو چاہے" کی بجائے "جب بھی چاہے" کہا جائے تو پھر بعد از مجلس بھی اختیار باقی رہے گا۔

پس اگر کچھ شرطوں کے ساتھ دار القضاء کو حق طلاق تفویض کیا جائے اور یہ وسعت برتی جائے کہ عورت قاضی شریعت کے پاس ثبوت شرعی کے ذریعہ ان شرائط میں کوتاہی ثابت کردے، یا دوسرے قرائن کی بنا پر قاضی کو عورت کے بیان کی صداقت پر اطمینان ہوجائے تو وہ عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے-تو شاید یہ زیادہ بہتر صورت ہو۔

۳، ۴-دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی مقدار:

طلاق اور نکاح ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار میں اضافہ کا مسئلہ ایک ہی نوعیت کا ہے کہ دونوں حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار متعین کی جائے اور اس شرط میں عورت کا فائدہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟ شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟...... فقہاء کی رائیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں: مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

''وإن تزوجها على ألف إن لم يخرجها من بلدها وعلى ألفين إن أخرجها فالمهر فاسد ويجب لها مهر مثلها (شرح المہذب ۱۶؍۲۳۷)۔

(اگر ایک ہزار مہر پر نکاح کیا بشرطیکہ شہر سے باہر نہ لے جائے، اور دو ہزار مہر پر بشرطیکہ شہر سے باہر لے جائے تو مہر فاسد ہے اور مہر مثل واجب ہوگا)۔

امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ دونوں تعیین معتبر ہوں گی، ابن قدامہ کا بیان ہے:

''اگر کہے: ایک ہزار پر تجھ سے نکاح کیا بشرطیکہ تجھ کو تمہارے میکہ سے باہر نہ لے جاؤں یا اس شرط پر کہ میری دوسری بیوی موجود نہ ہو اور دو ہزار مہر پر اگر تم کو میکہ سے باہر لے جاؤں یا یہ کہ میری کوئی اور بیوی ہو، ان دونوں صورتوں کی بابت امام احمد کی صراحت موجود ہے کہ تعیین مہر اس طرح درست ہے)۔

آگے ابن قدامہ نے اس سلسلہ میں حنابلہ سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے مگر ترجیح اسی کو دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا نقطۂ نظر:

جہاں تک حنفیہ کی رائے ہے تو اس سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے، فقہاء نے اس ذیل میں کئی مسائل نقل کئے ہیں جو باہم مماثل اور متقارب ہیں، لیکن ان کے احکام میں فرق کیا گیا ہے، یہاں ان کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خوبصورت ہو تو مہر دو ہزار اور بدصورت ہو تو ایک ہزار، تو فتویٰ اس پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خاندانی طور پر آزاد رہی ہو تو مہر دو ہزار اور خاندانی طور پر غلام تھی گو اب آزاد ہے تو مہر ایک ہزار، تو اس صورت میں بھی فتویٰ اسی پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ان دونوں صورتوں کی بابت ابن سماعہ نے امام محمد سے وہی اختلاف نقل کیا جو ذیل کی

صورت میں ہے، لیکن محققین نے ابن سماعہ کی نقل کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان متفق علیہ مانا ہے۔

انھیں دوصورتوں کا حکم اس وقت بھی ہے جب نکاح کے وقت اس طرح مہر مقرر کیا جائے کہ اگر ناکح کی کوئی اور بیوی بھی موجود ہوتو دو ہزار، کوئی اور بیوی نہ ہوتو ایک ہزار-اب بھی دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر میں تمہاری موجودگی میں دوسرا نکاح کروں، یا کہا کہ تمہیں تمہارے شہر سے باہر لے جاؤں تو مہر دو ہزار ورنہ ایک ہزار ہوگا، اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے ہاں مہر مقررہ ایک ہزار ہوگا، اگر اس نے دوسرا نکاح نہ کیا تو ایک ہزار مہر ہوگا۔ دوسرا نکاح کرلیا تو دو ہزار اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

اوپر جو متفق علیہ صورتیں مذکور ہوئی ہیں، ان کی بابت نقول مختلف ہیں، تاہم راجح ومختار قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (البحر الرائق ۳/۱۶۰، الدر المختار ورد المحتار ۲/۳۴۶، فتاوی ہندیہ ۱/۳۰۸،۹، خلاصۃ الفتاویٰ ۲/۳۷)۔

ان دونوں صورتوں میں فرق کی جو وجہ بتائی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوبصورت اور بدصورت ہونا ایک قابل مشاہدہ بات ہے، نکاح کے وقت کسی اور بیوی کی موجودگی وعدم موجودگی یا اس کا خاندانی طور پر آزاد ہونا یا غلام ہونا ان امور میں سے ہے جو پہلے سے واقع شدہ ہے اور آئندہ مرد کا دوسرا نکاح کرنا یا نہیں کرنا اور اس کو شہر سے باہر لے جانا یا نہیں لے جانا، مستقبل سے متعلق ہے، پس پہلی صورتوں میں ''خطر'' یا تو موجود نہیں ہے یا خفیف ہے اور دوسری صورت میں ''خطر'' قوی ہے، دوسرے یہ کہ پہلی صورتوں میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے، جب کہ اس دوسری صورت میں آئندہ نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ قوی ہے (البحر الرائق ۳/۱۶۳، رد المحتار ۲/۳۴۶)۔

دراصل امام صاحب کا خیال ہے کہ ایک ہزار مہر متعین ہے اور چونکہ مشروط واقعہ کا پیش

آنا یقینی نہیں ہے، اس لئے دو ہزار مہر مجہول ہے، صاحبین کا خیال ہے کہ شرط اور اس شرط سے ہم رشتہ مقدار مہر دونوں معروف و متعین اور واضح وغیر مبہم ہے، اس لئے نہ جہالت ہے اور نہ مستقبل میں نزاع کا اندیشہ ہے، واقعہ ہے کہ عملاً اس طرح کے معاملات میں نزاع پیدا نہیں ہوتا، اصول افتاء میں دونوں طرح کی رائیں موجود ہیں، یہ بھی کہ امام صاحب کے قول کو بہر حال صاحبین کے قول پر ترجیح دی جائے گی، اور یہ بھی کہ مفتی کو دونوں میں سے کسی بھی قول کے اختیار کرنے کی گنجائش ہے، ''فتاویٰ سراجیہ'' میں ہے:

''ثم الفتویٰ علی الإطلاق علی قول أبی حنیفة ثم بقول صاحبیه ثم بقول أبی یوسف ثم بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الهذیل ثم بقول حسن بن زیاد ، وقیل: إذا کان أبو حنیفة بجانب وصاحبا فی جانبه فالمفتی بالخیار والأول أصح''(السراجیة/۱۵۷)

(فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ، پھر صاحبین، اس کے بعد امام ابو یوسف، پھر امام محمد، پھر بالترتیب امام زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا، بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابوحنیفہ اور دوسری طرف صاحبین ہوں تو مفتی کو اختیار ہوگا، پہلا قول زیادہ درست ہے)۔

گو علامہ سراج الدین اودی نے امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول پر فتویٰ کے غیر درست ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن عملاً ایسے سیکڑوں مسائل ہیں جن میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، اس لئے حاوی قدسی وغیرہ کی بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ قوت دلیل کی بناء پر صاحبین کے قول کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے، جب قضاء وشہادت کے ابواب میں امام ابو یوسف، ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور ۱۷ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لئے راجح شمار کیا گیا ہے (ردالمحتار ۱/ ۹۴) تو صاحبین کے قول پر افتاء کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے، حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ عام طور پر صاحبین کی رائے بھی امام صاحب ہی کے کسی قول پر مبنی ہوتی ہے۔

دوسرے: مشائخ نے ان دونوں اقوال کو نقل کر کے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ کونسا قول صحیح وراجح اور مفتیٰ بہ ہے؟ اور ایسے احکام میں ترجیح کا اصول کیا ہے؟ اس بابت علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"فإن قلت قد يحكون أقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون فی الصحيح، قلت يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف وأحوال الناس وما هو الأرفق وما ظهر عليه التعامل وما قوی وجهه(الدرالمختار علی ہامش الرد ۱/ ۵۲)۔

(اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی اخلاف رائے رکھتے ہیں، میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے، یعنی عرف، لوگوں کے حالات، ان کے لئے آسان تر، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل کے اعتبار سے قوی قول پر عمل کیا جائے)۔

تیسرے: مواقع ضرورت میں قول ضعیف پر بھی فتویٰ کی گنجائش ہے، علامہ شامی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ "قول ضعیف پر فتویٰ کی گنجائش نہیں" لکھتے ہیں:

"قلت: لكن هذا فی غير موضع الضرورة فقد ذكر فی حيض البحر فی بحث ألوان الدما أقوالا ضعيفة ثم قال وفی المعراج عن فخر الأئمة لو أفتی مفتی بشئی من هذه الأقوال فی مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسناً، وكذا قول أبی يوسف فی المنی إذا خرج بعد فتور الشهوة لا يجب عليه الغسل ضعيف، وأجازوا العمل به للمسافر أو الضعيف الذی خاف الريبة كما سيأتی فی محله وذلك من مواضع الضرورة"

(میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو، چنانچہ "بحر" کے باب الحیض میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ "معراج" میں فخر الائمہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر از راہ سہولت فتویٰ دے تو بہتر ہوگا، اسی طرح کسر شہوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک

غسل کا واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے، لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کیلئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا، اور یہ مواقع ضرورت میں ہے)۔

ہر چند کہ افتاء کی بابت اس اصول کا اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ غالباً کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن عملاً فقہ کی اکثر متداول کتب میں اس کے شواہد موجود ہیں، اب مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ضرورت جیسے شخصی وانفرادی ہوتی ہے، اسی طرح اجتماعی اور سماجی بھی ہوتی ہے، اس وقت طلاق اور سنجیدہ ومتین فیصلہ کے بجائے محض موجودہ بیوی سے انتقام کے جذبہ کے تحت دوسرے نکاح پر مناسب حد تک روک لگانا ایک سماجی اور معاشرتی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ ان مسائل میں حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ اس سے سماجی اصلاح اور معاشرتی ناانصافی کے سد باب کی توقع کی جاسکتی ہے۔

۵-عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

خاندانی زندگی کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ کسب معاش، خاندان کی کفالت اور گھر سے باہر کی ذمہ داریوں کی تکمیل مرد کے ذمہ ہے اور بچوں کی پرورش وتربیت اور امور خانہ داری کی انجام دہی عورتوں کے ذمہ، یہ عورتوں پر اسلام کا بڑا احسان اور اس کی فطرت وطبیعت کی رعایت ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''وَقَرْنَ فِی بُیُوتکن'' (سورہ احزاب: ۳۳) اس لئے جو ملازمتیں شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہیں، خواتین کے لئے ضرورت ومجبوری کے بغیر ایسی ملازمتیں بھی مناسب نہیں، پھر بیویوں کا نفقہ شوہر پر واجب اسی لئے رکھا گیا ہے کہ وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کی پرورش وتربیت کے لئے محبوس اور گھری ہوئی ہے (ہدایہ ۲/۴۱۷، باب النفقۃ)، اور اس نے سارا وقت اسی فریضہ مادری کی ادائیگی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

عورت کا اپنے آپ کو گھر سے باہر کی ایسی مصروفیت سے فارغ رکھنا، جو مرد کے ''حق حبس'' کو متاثر کرتی ہو، واجب ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے:

''وإذا أرادت المرأة أن تخرج إلى مجلس العلم بغير إذن الزوج لم

یکن لھا ذلک" (الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ۱/۴۴۳)۔

(عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علمی مجالس میں جانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں)۔

اور علامہ حصکفیؒ کا بیان ہے:

"شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دھاگے کاتنے اور ایسے ہر کام سے روکے، گو وہ اجنبی شخص کے لئے تبرعاً انجام دے، گو وہ "دایہ" ہو یا غسالہ ہو، کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے، اسی طرح وہ مجلس علم میں جانے سے بھی روک سکتا ہے، سوائے اس کے وہ کسی ایسے پیش آمدہ مسئلہ کی بابت ہو جس کو شوہر دریافت نہیں کر رہا ہو" (الدر المختار علی ہامش الرد ۲/۶۶۵)۔

اس لئے عورت کے لئے ملازمت کی شرط مقصد نکاح کے مغائر محسوس ہوتی ہے اور ایسی شرط کو غیر معتبر ہونا چاہئے، اگر مرد نے قبول بھی کر لیا تو بعد میں عورت کو ترک ملازمت کا حکم دے سکتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص بے روزگار ہو یا عورت کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور تعنت کی راہ اختیار کر رکھی ہو، مجبور ہو کر عورت نے کوئی ایسی ملازمت کر لی ہو جو شرعاً جائز ہے تو قاضی تجربات وحالات کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ یہ ایک دفعہ عورت کو ملازمت سے روک دیا جائے یا پہلے اندازہ قائم کیا جائے کہ مرد اپنے مطالبہ میں واقعی سنجیدہ ہے یا بیوی کو مزید مشقت میں ڈالنے کی غرض سے ایک حکم شرعی کا سہارا لے کر محض اپنی مقصد براری کرنا چاہتا ہے۔

خلاصہ جوابات

۱- الف- ایسی شرطیں جو انھیں حقوق وفرائض کو مؤکد کرتی ہوں جو نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں، معتبر وجائز ہیں۔

ب- ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر وتبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں، البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

ج - ایسی شرطیں جن سے عورت کو نفع پہنچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا اور نہ ان سے منع کیا ہو، ان کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں ایسی شرطیں معتبر نہیں ہیں، البتہ حنابلہ کے یہاں معتبر ہیں اور حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم) کی بھی یہی رائے ہے، اور موجودہ حالات میں اسی قول پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۲- تفویض طلاق کی تینوں ہی صورتیں جائز ہیں، البتہ:

الف- نکاح سے پہلے تفویض میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو۔

ب- نکاح کے وقت تفویض میں ضروری ہے کہ عورت کی طرف سے پہل ہو۔

ج- نکاح کے بعد تفویض میں یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں، البتہ ان کا قبول کرنا یا نہیں

کرنا، مرد کے اختیار میں ہے۔

تفویض کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کی بجائے دار القضاء کو حق طلاق تفویض کر دیا جائے۔

۳-۴- دو حالتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار کو مشروط کرنا صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور موجودہ حالات میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۵- حق حبس مرد کا ویسا ہی حق ہے جیسے نفقہ عورت کا حق ہے، اس لئے عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط معتبر نہیں، ہاں اگر نکاح کے بعد مرد کے نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے عورت نے کوئی جائز ملازمت کی، شوہر اس کو ترک کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور بیوی کو مستقبل میں شوہر کی جانب سے پھر عدم ادائیگی کا اندیشہ ہے تو اب قاضی کی صوابدید پر ہے کہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے۔

مشروط نکاح کے شرائط وضوابط

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی ☆

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرائط کو سوالنامہ میں تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱- ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ ایسی شرطیں قابل بحث نہیں ہیں، عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہونے کی وجہ سے ان کی پابندی اور ان پر عمل درآمد ضروری ہے، خواہ عقد کے وقت شرط کی صورت میں ان کا ذکر کیا جائے یا نہیں، ان شرطوں کے لازم الایفاء ہونے پر سلف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲- نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اس طرح کی شرط لگانے سے عقد نکاح باطل نہیں ہوگا، بلکہ شرط ہی باطل اور ناقابل اعتبار ہوگی، ہاں اگر ایک محدود مدت تک کے لئے نکاح کی شرط لگائی جائے جیسے نکاح متعہ یا نکاح

☆ استاذ فقہ اسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، بانی ومؤسس ''المعہد الشریعۃ'' لکھنؤ

موقت کہا جاتا ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح ہی نہیں ہوگا، اصل معرکۃ الآراء سوالنامہ میں ذکر کردہ تیسری قسم کی شرطیں ہیں، سوالنامہ کے الفاظ میں ان کا حاصل یہ ہے:

۳- نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱، ۲) میں سے کسی کے دائرے میں نہیں آتی ہے، اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح اور دوسرے عقود میں شرائط عائد کرنے کے تعلق سے فقہاء اسلام میں مختلف رجحان پائے جاتے ہیں، فقہاء ظاہریہ (ابن حزم وغیرہ) کا مسلک یہ ہے کہ عقد نکاح وغیرہ میں وہی شرط لگائی جاسکتی ہے جس کی اجازت نص سے ثابت ہو، ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقود شرعیہ (بیع، نکاح، اجارہ وغیرہ) کی طرح ان کے اثرات بھی شارع کی طرف سے مقرر ہیں، ان عقود میں اپنی طرف سے شرائط عائد کرنے سے ان کے اثرات میں خلل اندازی ہوتی ہے اور ان عقود کے مقاصد متاثر ہوسکتے ہیں، لہٰذا عقد نکاح وغیرہ میں ایسی شرط کی گنجائش ہے جس کا جواز نص سے ثابت ہے۔

اس کے برخلاف دوسرا موقف فقہاء حنابلہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک عقد نکاح میں میاں بیوی اپنی من پسند شرطیں عائد کرسکتے ہیں، اور عقد نکاح کے اثرات میں تبدیلی لاسکتے ہیں، ہاں اتنی بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ شرطیں نکاح کے مقاصد اور اس کے لازمی تقاضوں کو مجروح نہ کرنے والی ہوں، عقد نکاح اور دوسرے عقود میں وہ شرط لگائی نہیں جاسکتی جس کی ممانعت نصوص وآثار میں صراحتاً کردی گئی ہو، مثلاً کسی عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے، غرضیکہ حنابلہ کے نزدیک ان شرائط میں اصل اباحت ہے، کسی شرط کو اسی وقت غیر معتبر کہا جاسکتا ہے، جبکہ وہ عقد کے مقصد اور لازمی تقاضوں کو مجروح کرتی ہو، یا نصوص

وآثار میں صراحتاً اس شرط کی ممانعت ہو۔

ظاہریہ اور حنابلہ کے دو متضاد مسالک کے درمیان جمہور فقہاء (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ) کا مسلک ہے، ان حضرات کے نزدیک شرط لگانے کے معاملہ میں نہ تو ظاہریہ کی طرح بے انتہا تنگی ہے، نہ حنابلہ کی طرح غیر معمولی وسعت۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر وہ شرط لغو اور غیر معتبر ہے جو تقاضۂ عقد میں شامل نہ ہو اور نہ ہی عقد کے کسی تقاضے کو پختہ کرنے والی ہو، اس کے ایفاء کے واجب ہونے پر نصوص وآثار یا عرف کے قبیل کی کوئی دلیل موجود نہ ہو، اس طرح کی ہر شرط جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے، لیکن اس شرط کی بنا پر عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل بہت متوسع ہیں، وہ صرف انہیں شرائط کو غیر معتبر کہتے ہیں جن سے عقد نکاح کے لازمی تقاضے اور اثرات مجروح ہوتے ہوں، یا جن کے بارے میں شریعت نے صراحتاً ممانعت کی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے، حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک وہی شرطیں معتبر ہیں جو عقد نکاح کے تقاضوں کے مطابق ہوں، ان کے حق میں کوئی دلیل شرعی (مثلاً نص یا قیاس یا عرف) موجود ہو، مالکیہ اور مشہور قول کے اعتبار سے حنفیہ وشافعیہ کے ساتھ ہیں اور ان کا غیر مشہور قول امام احمد بن حنبل کے مطابق ہے، امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف دراصل ان شرطوں کے بارے میں ہے جن کی صحت یا عدم صحت کسی خاص دلیل سے ثابت نہ ہو، ایسی شرطوں کو جمہور فقہاء غیر لازم اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ان شرطوں کا ایفاء لازم نہیں ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں دوسرے فریق کو نکاح فسخ کرنے یا عدالتی چارہ جوئی کا کوئی اختیار نہ ہوگا، اس کے برخلاف امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ شرطیں لازم عمل ہوں گی، اور اگر عورت کی طرف سے یہ شرطیں عائد کی گئیں تھیں اور شوہر نے ان شرطوں کی خلاف ورزی کی تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کے اختلاف کی مزید وضاحت ان مثالوں سے ہوسکتی ہے

جنھیں فقہاء نے اس بحث میں ذکر کیا ہے، چند اختلافی شرطوں کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱- عقد نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔

۲- عورت کی طرف سے نکاح میں یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا۔

۳- عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط عائد کی کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے۔

ان میں سے تیسری شرط کے بارے میں حنابلہ کے یہاں دو قول ملتے ہیں، صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ عورت کی طرف سے یہ شرط عائد کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر یہ شرط لگائی گئی تو شوہر کے لئے لازم العمل نہیں، کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سوتن کو طلاق کا مطالبہ کرنے سے منع فرمایا، اس لئے راجح قول کے اعتبار سے حنابلہ کے نزدیک بھی یہ شرط فاسد ہے، ہاں ابتدائی دو شرطوں کے بارے میں امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف منقول ہے، امام احمد ان دونوں شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں اور شوہر کی جانب سے ان کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ ابتدائی دو شرطوں کو بھی لغو اور نا قابل اعتبار گردانتے ہیں، اور شوہر کے ذمہ ان کی پابندی لازم نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امام مالک بھی اپنے غیر مشہور قول میں زیر بحث شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں، اور اپنے مشہور قول کے اعتبار سے ان شرطوں کو غیر لازم کہتے ہیں، اگرچہ وہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے ہم نوا ہیں، لیکن اس طرح کی شرطیں عائد کرنے کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ایسی شرط لگا دی گئی اور میاں بیوی نے اپنے نکاح کے وقت اسے تسلیم کرلیا تو اس شرط کا پورا کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔

زیر بحث شرطوں کے بارے میں صحابہ وتابعین اور فقہاء مجتہدین کے اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہیں، جو حضرات ان شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں ان کا استدلال رسول اللہ

ﷺ کی درج ذیل حدیث سے ہے، جو ''صحیح بخاری'' اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں مروی ہے:

''عن عقبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: أحق ما أوفیتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج''

(حضرت عقبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ پورا کئے جانے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا)۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی لکھتے ہیں: نکاح کی شرطیں مختلف قسم کی ہیں، بعض شرطوں کا پورا کرنا بالاتفاق سب کے نزدیک واجب ہے، یہ وہ شرطیں ہیں جن کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، مثلاً بیوی کو دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا، اس کے حقوق ادا کرنا یا اچھے طریقے سے اسے چھوڑنا (امساک بمعروف أوتسرح بإحسان) بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو اس قسم کی شرط پر محمول کیا ہے، کچھ شرطیں وہ ہیں جن کے پورا نہ کئے جانے پر اتفاق ہے، مثلاً کسی عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے اور کچھ شرطوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا شوہر اس کو اس کے گھر سے منتقل کر کے اپنے گھر نہیں لے جائے گا۔

اس کی ہم معنیٰ حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں:

''امام شافعی اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل وہ شرطیں ہیں مقتضاء نکاح کی منافی نہ ہوں، بلکہ نکاح کے تقاضوں اور مقاصد میں سے ہوں، مثلاً حسن سلوک کی شرط لگانا دستور کے مطابق لباس، رہائش گاہ، نان ونفقہ مہیا کرنے کی شرط لگانا کہ شوہر بیوی کے کسی حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا، ایسی شرط جو تقاضائے نکاح کے خلاف ہو، مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا، اس کی موجودگی میں کسی باندی سے تعلقات زن وشوئی قائم نہیں کرے گا، بیوی پر خرچ نہیں کرے گا اسے لے کر سفر نہیں کرے گا، اس طرح کی شرطوں کا پورا

کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح مہر مثل کے بدلہ میں صحیح ہوجائے گا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے''، امام احمد اور ایک جماعت کے نزدیک شرط کا مطلقاً پورا کیا جانا واجب ہے ''**إن أحق الشروط بالوفاء**''.... والی حدیث کی بنا پر امام ترمذی نے حدیث''**إن أحق الشروط أن یوفی بھا مااستحللتم بھا الفروج**'' کی روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے، انھیں میں سے حضرت عمر بن الخطاب بھی ہیں، انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے عورت سے نکاح کرتے وقت یہ شرط منظور کی ہے کہ عورت کو اس کے شہر سے نکال کر نہیں لے جائے گا تو اسے عورت کو نکال کرلے جانے کا حق نہیں ہے، بعض اہل علم کا قول یہی ہے، حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی شرط عورت کی شرط سے پہلے ہے، گویا حضرت علیؓ کی رائے میں عورت کی طرف سے نکال کر نہ لے جانے کی شرط لگانے کے باوجود شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو اس کے شہر سے نکال کرلے جائے، بعض اہل علم نے اس کو اختیار کیا ہے، سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی قول ہے''۔

مذکورہ بالا حدیث امام احمد بن حنبل اور ان تمام لوگوں کی سب سے مضبوط دلیل ہے جو شرائط نکاح قبول کرنے میں متوسع ہیں، ان حضرات کے نزدیک حدیث بالا کی روشنی میں نکاح کی وہ تمام شرطیں صحیح اور لازم العمل ہیں جن کی نصوص میں صراحتاً ممانعت نہ کی گئی ہو، اور ان سے نکاح کے لازمی تقاضے مجروح نہ ہوتے ہوں۔

جو حضرات فقہاء نکاح اور دوسرے عقود کی شرطوں کو بہت محدود دائرے میں قبول کرنے کا رجحان رکھتے ہیں وہ حضرات بھی استدلال میں احادیث نبویہ پیش کرتے ہیں، اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

''**کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائة شرط**''(ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے اگر چہ وہ سو شرطیں ہوں)۔

زیر بحث شرطیں چونکہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہیں، لہٰذا حدیث بالا کے اعتبار سے باطل اور ناجائز ہوں گی، دوسری حدیث یہ ہے:

"المسلمون علی شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالاً"

(مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوں گے سوائے اس شرط کے جو حرام کو حلال قرار دے یا حلال کو حرام قرار دے)۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں حقیقی تحلیل وتحریم مراد نہیں ہے، ایک مسلمان حالت ایمان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیسے کرسکتا ہے، اور اگر کرے تو مسلمان کہاں باقی رہے گا، تحریم کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس شرط کی بنا پر ایک حلال چیز پر پابندی ہوجائے اور اس کی بنا پر خواہش کے باوجود ایک فریق ایک جائز کام نہ کرسکے، زیر بحث شرطوں میں اس مفہوم کے اعتبار سے تحریم حلال (حلال کو حرام کرنا) موجود ہے، مثلاً اگر ایک عورت سے کسی مرد کا نکاح ہوتا ہے تو اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے مرد دوسرا اور تیسرا نکاح کرسکتا ہے، لیکن اگر عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور شرعاً یہ شرط لازم العمل قرار دیدی گئی تو شوہر پر دوسرا نکاح کرنے کے سلسلے میں پابندی عائد ہوگئی اور اسے ایک حلال کام سے روک دیا گیا، ضرورت اور خواہش کے باوجود وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتا، اور اگر دوسرا نکاح کرے تو پہلی بیوی سے ہاتھ دھوئے۔

زیر بحث شرطوں کو باطل قرار دینے والے جمہور فقہاء کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامی نے عقود ومعاملات کے احکام واثرات متعین کردیئے ہیں، ان کے احکام واثرات کی حد بندی فریقین پر نہیں چھوڑی ہے، عقود ومعاملات کے شرعی احکام واثرات اور ان کے لازمی تقاضوں سے تجاوز کرکے فریقین کی طرف سے شرائط عائد کرنا ان عقود ومعاملات کی شرعی ساخت پر اثر انداز ہوگی، ان عقود کے شرعی مقاصد متاثر اور مجروح ہوں گے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے منتقل کرکے کہیں اور نہیں لے

جائے گا، بادی النظر میں ایک بے ضرر سی شرط معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو مقاصد ومصالح نکاح پر اس شرط کے برے اثرات پڑتے ہیں، مثلاً بیوی کے وطن میں شوہر کو زرق کے ذرائع حاصل نہ ہوسکے، اس لئے وہ مجبور ہوا کہ حصول رزق کے لئے کسی اور شہر میں قیام کرے، تلاش رزق میں اس کا قیام عورت کے وطن سے دور رہے اور خواہش کے باوجود وہ اپنی بیوی بچوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا پائے گا، اس کے نتیجے میں میاں بیوی دونوں کی زندگی ناآسودہ گذرے گی، بچوں کی نگہداشت اور تعلیم وتربیت کے مسائل پیدا ہوں گے، عائلی زندگی متزلزل ہوکر رہ جائے گی، خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی شرطیں بہ ظاہر بے ضرر ہونے کے باوجود اپنے نتائج کے اعتبار سے نکاح کے مقاصد ومصالح کو مجروح کرتی ہیں، اس لئے شرعاً ان شرطوں کا اعتبار نہیں ہے۔

اسلامی شریعت کی منشاء یہ ہے کہ نکاح کرنے سے قبل ایک دوسرے کے بارے میں پورا اطمینان کرلیا جائے، نکاح طے کرنے میں نامناسب جلد بازی کرنے کے بجائے ہر طرح معلومات اور اطمینان حاصل کرلینے کے بعد اللہ کے نام پر نکاح کا فیصلہ کیا جائے، نکاح کے وقت بے اعتمادی اور بے اطمینانی کا ماحول نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ رشتۂ نکاح محبت اور اعتماد کی فضا ہی میں بارآور ہوسکتا ہے، نکاح کے وقت ہی سے شرائط بازی اعتماد واطمینان کی فضا کو مجروح کرتی ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں دلائل ومصالح کے اعتبار سے جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ) کی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے، فقہ اسلامی کی اصطلاح میں یہ تفویض طلاق ہے، ظاہریہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء تفویض طلاق کو درست اور نافذ قرار دیتے ہیں، شوہر کو جس طرح خود طلاق دینے کا اختیار ہے، اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مشروط یا غیر مشروط طور پر بیوی کو یا کسی تیسرے شخص کو تفویض کرے، تفویض طلاق کے جواز پر جمہور فقہاء نے آیت تخییر کے علاوہ صحابہ کرام کے بہت سے آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

اصولی طور پر تفویض طلاق کی درستگی پر اتفاق کے باوجود اس کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل میں فقہاء اسلام کے درمیان کافی اختلافات ہیں، فقہاء حنفیہ کے نزدیک تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک خاص شرائط اور تفصیلات کے ساتھ تفویض طلاق کا عمل نکاح سے پہلے بھی ہوسکتا ہے، عقد نکاح کے دوران اور نکاح کے بعد بھی۔

فقہ حنفی کے مسائل وتفصیلات کے اعتبار سے تفویض طلاق کی حکیمانہ اور فقیہانہ تطبیق وتشریح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''**الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة**'' میں کی ہے، تفویض طلاق کے مسائل کی روشنی میں مختلف ''کابین نامے'' مرتب کر کے حضرت تھانویؒ نے مردوں کے اس طرح کے مظالم کا سد باب کرنا چاہا ہے کہ بہت سے مرد بیویوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں یا ان کا نان ونفقہ ادا نہیں کرتے، بال بچوں سے بے فکر ہو کر پردیس چلے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق ادا کرنے اور ان پر ظلم وزیادتی کرنے کے باوجود انھیں طلاق دینے یا ان سے خلع کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے، اگر نکاح کے وقت ''کابین نامہ'' کی شکل میں تفویض طلاق کرالی جائے تو عورت ''کابین نامہ'' کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے او پر طلاق واقع کر کے رہائی حاصل کرسکتی ہے، حضرت تھانویؒ نے مختلف کابین ناموں کا جو متن تحریر فرمایا ہے اس میں پوری دانشمندی کے ساتھ احتیاطوں کو ملحوظ رکھا ہے، اس بات کو مدنظر رکھا ہے کہ مردوں کے مظالم کا سد باب بھی ہوجائے اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار آنے سے جن مفاسد کا اندیشہ ہے، ان پر بھی روک لگ سکے۔

اشتراط فی النکاح کے سوالنامہ میں دو سوالات عقد نکاح میں دو شرطوں کے ساتھ دو مہروں کو وابستہ کرنے کے بارے میں ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو اس کا مہر دس ہزار، اور اگر طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار، یا اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار اور اگر دوسرا نکاح کیا تو بیس ہزار۔

فقہاء اسلام نے اس طرح مہر طے کرنے پر بحث کی ہے، صاحبین نے دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیا ہے اور جو شرط پائی جائے گی اس کے اعتبار سے مہر کی ادائیگی ہوگی، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو مہر پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کی تعیین درست ہوگی، اگر پہلی شرط پائی گئی تو مہر مسمیٰ واجب ہوگا، اور اگر دوسری شرط پائی گئی تو مہر مثل لازم ہوگا، بشرطیکہ وہ مہر مسمیٰ سے زائد نہ ہو، لیکن خود امام ابوحنیفہ نے دو شرطوں سے دو مہروں کے وابستہ کرنے کی بعض صورتوں کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے، مثلاً اگر اس طرح مہر طے ہو کہ اگر عورت حسین ہو تو اس کا مہر دس ہزار اور اگر بدصورت ہو تو اس کا مہر پانچ ہزار، اس صورت میں امام ابوحنیفہ بھی دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیتے ہیں، ان دونوں مسائل میں امام ابوحنیفہ نے کس بنیاد پر فرق کیا ہے اس پر کتب فقہ حنفی میں تفصیلی بحث اور ردوقدح ملتی ہے۔

میرے خیال میں زیر بحث مسئلہ میں صاحبین کا قول اختیار کرنا مناسب ہے، صاحبین کا قول نہایت واضح اور سہل ہے، اس کا اختیار کرنا مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے سہولت کا موجب ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلاق اور عدم طلاق والے مسئلہ میں اگر طلاق کے ساتھ مہر کی ایسی بڑی مقدار وابستہ کردی گئی جس کی ادائیگی شوہر کے لئے ناممکن ہو تو دوسرے مفاسد پیدا ہوں گے، طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود شریعت اسلامی نے جن مصالح سے طلاق کو مشروع کیا ہے ان مصالح پر زد پڑے گی، طلاق کے ناگزیر ضرورت بن جانے کے باوجود لمبے مہر کے خوف سے لوگ طلاق کا اقدام نہیں کریں گے اور ناپسندیدہ بیویوں سے گلوخلاصی کے لئے وحشیانہ اقدامات کرگذریں گے، جیسا کہ ہندوسماج میں ہورہا ہے۔

پھر اصل مفاسد نفس طلاق سے نہیں، بلکہ بیک وقت تین طلاق سے پیدا ہوتے ہیں، اگر شوہر سنت کے مطابق ایک وقت میں ایک طلاق پر اکتفا کرتا ہے تو دونوں کے درمیان ملاپ کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، اس لئے مہر کی زیادتی تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کی جانی چاہئے تاکہ تین

طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً زیادہ مہر کے خوف سے تین طلاق کا ناروا اقدام نہ کیا جائے۔

سوالنامہ اشتراط فی النکاح کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی شرط شرعاً نا قابل اعتبار ہوگی، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط شرائط فاسدہ کے زمرہ میں آتی ہے، صرف اتنی بات نہیں ہے کہ یہ شرط نکاح کے لازمی تقاضوں میں شامل نہیں اور نہ انھیں پختہ کرنے والی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ شرط عقد نکاح کے ایک لازمی تقاضا کے خلاف ہے، نکاح کے بعد اسلامی شریعت بیوی کے ضروری اخراجات شوہر کے ذمہ لازم کر دیتی ہے، خواہ شوہر مالدار ہو یا غریب اور شوہر کو یہ حق دیتی ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر (بعض استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر) اس کے گھر سے باہر نہ جائے، اسلام نے مرد اور عورت کے مزاج اور صلاحیت کا خیال کرتے ہوئے دونوں کے کام تقسیم کر دیئے ہیں، مگر گھر کے باہر کا کام خصوصاً تلاش معاش مرد کے ذمہ رکھا ہے، اور اندرون خانہ کی ذمہ داری عورت پر رکھی ہے، گھر کا داخلی نظم ونسق، چھوٹے بچے بچیوں کی نگہداشت وغیرہ، بیوی کے فرائض میں داخل ہے، ظاہر ہے کہ گھر کے باہر مستقل ملازمت کے ساتھ عورت شوہر اور بچوں کے تئیں اپنی خانگی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی، ملازمت کرنا بہت سے بہت اس کے لئے جائز عمل کہا جا سکتا ہے اور گھر کی دیکھ بھال بچوں کی نگہداشت، پرورش اس کے واجبات میں شامل ہے، مباح اور واجب میں جب بھی ٹکراؤ ہوگا تو واجب کو ترجیح ہوگی۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط شوہر کے حق حبس کو کالعدم کر دیتی ہے اور حق حبس نکاح سے پیدا ہونے والا ایک لازمی حق ہے، لہٰذا اس کو باطل کرنے والی شرط خود باطل ہوگی، یہ شرط اسی طرح نا قابل اعتبار ہوگی جس طرح یہ شرط غیر معتبر ہوتی ہے کہ شوہر کو میرے کہیں آنے جانے پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا۔

نکاح میں شرائط اوران کے احکامات

مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

نکاح میں شرائط سے مراد یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی کا ایسی شرط لگانا جس کے لئے کوئی غرض یا منفعت وابستہ ہو، اس سلسلہ میں ایسی شروط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون ومتصل ہوں، یعنی ایجاب اس طرح متحقق ہو کہ اس کے ساتھ کوئی شرط لگی ہوئی ہو، وہ ایجاب مرادنہیں جو کسی شرط پر معلق ہو، کیونکہ معلق بالشرط ایجاب کا وجود وتحقق، شرط سے قبل ممکن نہیں۔

"الشروط فى الزواج هى مايشترطه أحدالزوجين على الآخر مماله فيه غرض ويراد به الشروطه المقترنة بالإيجاب أو القبول أى أن الايجاب يحصل ولكن يصاحبه شرط من الشروط"(الفقہ الاسلامی ۷/ ۵۳)۔

یعنی نکاح میں زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر ایسی شرط لگانا جس کے ساتھ شرط لگانے والے کی غرض اور منفعت متعلق ہو، اوراس سے وہ شرائط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون ہو، بایں طور کہ مشروط ایجاب صادر ہو، **"وهذا بخلاف حالة الإيجاب المعلق بشرط، فإن الإيجاب لا وجود له قبل الشرط"** (الفقہ الاسلامی ۷/ ۳۵)۔

اور یہ صورت اس ایجاب کے برخلاف ہے جو معلق بالشرط صادر ہو، کیونکہ شرط کے تحقق سے پہلے ایجاب کا وجود ممکن ہی نہیں۔

شروط فی النکاح کے سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب:

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرط صحیح ہو، شرط صحیح سے ایسی شرط مراد ہے جو مقتضاء عقد کے مناسب ہو اور احکام شرعیہ کے منافی نہ ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند اپنے گھر والوں سے یا اپنی سوکن سے الگ کسی علیحدہ مکان میں اس کی رہائش کا انتظام کرے، یا کسی دور دراز جگہ کے سفر میں اس کو اس کی مرضی کے خلاف نہ لے جائے گا وغیرہ) تو ایسی شرط کو پورا کرنا اور اس کا لحاظ رکھنا شرعاً واجب ولازم ہے۔

اور اسی حکم میں وہ شروط بھی داخل ہیں جو شرعاً مامور بہ ہوں، جیسے کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند میرے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، مجھے خلاف شرع امور پر مجبور نہ کرے گا وغیرہ۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کی طلاق کا معاملہ اسی عورت کے قبضہ واختیار میں ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح ہے اور فقہاء حنفیہ نے اس کو شروط صحیحہ میں سے قرار دیا ہے، لیکن اگر کسی شخص نے عورت کے باپ کو مخاطب کرکے یوں کہے: ''تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے اس شرط پر کردے کہ اس کا امر طلاق تیرے اختیار میں ہوگا'' تو اس صورت میں باپ کے اختیار میں امر طلاق نہ ہوگا، کیونکہ یہ تفویض قبل النکاح ہے۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرعاً فاسد ہے۔ شرط فاسد سے وہ شرط مراد ہے جو عقد نکاح کے مقتضاء کے خلاف ہو یا احکام شرعیہ کے منافی ہو، شروط فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ شروط فاسدہ کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ صرف شرط ہی باطل ہوجاتی ہے، اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے، نکاح اور معاوضات مالیہ کا باہمی فرق یہ ہے کہ شروط کی وجہ سے معاوضات مالیہ (بیع وغیرہ) فاسد ہوجاتے ہیں اور نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، تو ایسی شرط لگانا ناجائز ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، مثلاً کسی عورت نے یہ شرط لگائی کہ تجھے میری سوکن کو طلاق دینا پڑے گا، تو ایسی شرط لگانا، نیز اس کو پورا کرنا ممنوع ہیں، حدیث میں ہے: ''لا یحل لامراۃ

تسأل طلاق ضرتها'' (کسی عورت کو جائز نہیں کہ وہ خاوند سے اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے) (درمختار ۲/۴۰۲، تبیین الحقائق ۲/۱۴۹، فتح القدیر ۳/۱۰۷، بدائع الصنائع)۔

والخلاصة أن الفقهاء اتفقوا على صحة الشروط التى تلائم العقد وعلى بطلان الشروط التى تنافى المقصود من الزواج أو تخالف أحكام الشريعة واتفق الحنفية والمالكية والحنابلة على صحة الشروط التى يكون فيها تحقيق وصف مرغوب فيه أوخلو المرأة من عيب لا يثبت الخيار فى فسخ الزوج'' (الفقہ الإسلامی ۷/۵۹،۶۰)۔

شروط نکاح کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کی مفصل و مدلل تشریح کے بعد پوری بحث کے خلاصہ کے طور پر درج بالا عبارت مذکور ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ فقہاء نے ان شرائط کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو عقد نکاح کے مناسب ہوں، اور وہ شرائط جو نکاح کی غرض وغایت یا احکام شرعیہ کے منافی ہوں، ان کے باطل وغیر معتبر ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے، اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے ان شرائط کے صحیح ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے جن میں کسی پسندیدہ وصف کی تحقیق ہو، یا کسی ایسے عیب سے پاک وصاف ہونا مطلوب ہو جس میں خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ملتا۔

لیکن وہ شرائط جو مقتضاء عقد نکاح کے خلاف ہوں، مگر عقد نکاح کے احکام سے کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو، مثلاً یہ شرط لگائی کہ خاونداس پر اور کسی عورت سے نکاح نہ کرے گا یا اسے سفر میں اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا یا اس کو اس کے گھر یا شہر وغیرہ سے باہر نہیں نکالے گا وغیرہ تو ایسی شرائط کا حکم ائمہ اربعہ کے یہاں درج ذیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک اس قسم کی شرطیں لغو قرار پائیں گی اور عقد نکاح صحیح ہوجائے گا، حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی شرائط صحیح ہیں اور ان کا پورا کرنا لازم اور ضروری ہے، مالکیہ کے نزدیک اس قسم کی شرطیں مکروہ ہیں جن کو پورا کرنا لازم نہیں، البتہ مستحب ہے، شافعیہ کے نزدیک یہ شرطیں

باطل ہیں اور عقد نکاح صحیح ہے (الفقہ الاسلامی ۷؍۵۹،۶۰)۔

توکیل وتفویض طلاق کی بحث:

اس بحث کا تعلق طلاق کی دونوں قسموں، صریحی وکنائی کے ساتھ ہے، کیونکہ خاوند کی جانب سے بیوی یا اس کے علاوہ اور کسی شخص کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا طلاق کے استعمال کئے جانے والے الفاظ صریحہ کے ساتھ ہوگا، جیسے "**طلقی نفسک**" تو اپنے آپ کو طلاق دیدے، یا کنایہ اور اشارہ کے الفاظ کے ساتھ ہوگا جیسے "**امرک بیدک**" تیرا معاملہ تیرے قبضہ واختیار میں ہے۔

خاوند جس طرح بذات خود طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح وہ طلاق واقع کرنے میں کسی کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے، بیوی کو حق طلاق سپرد کرنا باجماع امت ثابت ہے، آیت کریمہ: **یایھا النبی قل لأزواجک إن کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا......**" (سورہ احزاب:۲۸) کے نزول کے بعض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اپنے ساتھ قیام ومفارقت کے درمیان اختیار دیا تھا، پس اگر ازواج مطہرات کا اختیار مفارقت نہ ہوتا تو یہ تخییر بے معنیٰ وبے اثر ہوکر رہ جاتی۔

تین قسم کے الفاظ سے تفویض طلاق ہوتی ہے: امر بالید، تخییر اور مشیئت، ان تینوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ تملیک وتخییر مراۃ کا فائدہ دیتا ہے، یعنی ہر ایک لفظ کی بناء پر بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہوجاتی ہے، اور خاوند کے ساتھ رہنے اور اپنے کو اس سے جدا کرلینے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اس کو حق حاصل ہوجاتا ہے۔

امر بالید: یعنی خاوند کا اپنی بیوی سے کہنا کہ "**أمرک بیدک**" تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، ایسا کہنے کی بناء پر دو شرطوں کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا معاملہ بیوی کے قبضہ واختیار میں آجاتا ہے۔

شرط اول: خاوند کا بہ نیت طلاق یہ لفظ کہنا: کیونکہ یہ لفظ طلاق کے الفاظ میں سے ہے، لہٰذا بغیر نیت طلاق یہ لفظ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

شرط ثانی: عورت کو اس کا علم ہونا کہ خاوند نے میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں دیدیا ہے، چنانچہ جب تک کہ بیوی اس لفظ کو سن نہ لے یا کسی کے ذریعہ اس کو خبر نہ پہنچے وہاں تک معاملہ طلاق اس کے اختیار میں نہیں آئے گا۔

تخییر: یعنی خاوند کا بیوی سے "اختاری" کہنا، یعنی تجھے میرے ساتھ رہنے اور مجھ سے جدا ہوجانے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اختیار ہے، دو باتوں کے علاوہ میں تخییر اور امر بالید کا حکم یکساں ہے، باہمی فرق والے دو امر یہ ہیں:

(۱) امرک بیدک (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) کہنے میں تین طلاق کی نیت صحیح ہے اور "اختاری" اس لفظ میں تین طلاق کی نیت صحیح نہیں، اسی وجہ سے تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہے تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

(۲) "اختاری" میں لفظ نفس کا ذکر خاوند کے کلام میں یا عورت کے جواب میں لازم وضروری ہے، بایں طور کہ خاوند یوں کہے کہ "اختاری نفسک" اور اس کے جواب میں عورت کہے: "اخترت"، یا خاوند بیوی سے کہے: "اختاری" اور اس کے جواب میں عورت کہے: "اخترت نفسی" یا زوجین میں سے کسی کے کلام میں ذکر طلاق ضروری ہے، یا ایسے لفظ کا ذکر ضروری ہے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو، مثلا خاوند کے کلام تخییر کا لفظ مکرر ہو جیسے یوں کہے: "اختاری اختاری" یا دونوں میں سے کسی کے کلام میں لفظ "الاختیار" کا ذکر ہو، جیسے خاوند یوں کہے: "اختاری اختیارۃ" اور اس کے جواب میں بیوی کہے: "اخترت اختیارۃ"۔

مشیئت: یعنی خاوند اپنی بیوی سے یوں کہے "أنت طالق إن شئت" اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے، مشیئت اور تخییر کا ایک ہی حکم ہے، کیونکہ دونوں لفظ تملیک طلاق ہیں۔

مشیئت اور تخییر کا باہمی فرق یہ ہے کہ مشیئت والی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ لفظ صریح کے ساتھ تفویض طلاق ہوئی ہے اور تخییر والی صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے۔

خاوند کا "طلقی نفسک" کہنا، یعنی اپنے آپ کو طلاق دیدے، فقہاء کے نزدیک تملیک ہے، خواہ اس کو مشیئت کے ساتھ مقید کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اس لفظ کا اثر "أنت طالق إن شئت" کی طرح مجلس تک ہی محدود رہے گا، تبدیل مجلس کے بعد بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

توکیل بالطلاق کا حکم

وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا مقید و مکلّف ہے، اگر وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے سے تجاوز یا انحراف کرتا ہے تو اس کا تصرف موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل اجازت دے گا تو نافذ ہوگا، ورنہ رد ہو جائے گا، اگر توکیل بالطلاق کسی معین زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہو تو وکیل بالطلاق جب جی چاہے تب موکل کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اور موکل اپنے وکیل بالطلاق کو جب چاہے تب معزول بھی کرسکتا ہے۔

وکیل بالطلاق کی حیثیت معبر و سفیر محض کی ہوتی ہے، لہٰذا حقوق طلاق (مہر مؤجل کی ادائیگی، متعہ یا نفقہ عدت وغیرہ) کا مطالبہ وکیل سے درست نہ ہوگا، بلکہ براہ راست خاوند سے حقوق طلاق کا مطالبہ ہوگا۔

زوجہ یا غیر زوجہ کو تفویض بالطلاق کا حکم

خاوند کے حق میں تفویض لازم ہے، بایں طور کہ تفویض طلاق کے بعد خاوند اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور عورت کو اس سپرد کردہ حق کے استعمال سے روک بھی نہیں سکتا اور اس کو فسخ بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ خاوند نے تفویض کے ذریعہ بیوی وغیرہ کو طلاق کا مالک بنا دیا اور کسی غیر کو مالک بنا دینے کے بعد اس کی ولایت اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی ہے، لہٰذا رجوع، منع و فسخ کے ذریعہ ابطال کا مالک نہ ہوگا، نیز رجوع کا حق اس لئے بھی نہیں ہے کہ خاوند کے حق میں تفویض کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایقاع طلاق کو بیوی کی مشیئت پر معلق کر رہا ہے، اور تعلیق، یمین کے حکم میں ہوا کرتی ہے اور ایمان میں ان کے صدور کے بعد حق رجوع ممکن نہیں رہتا۔

مگر بیوی کے حق میں تفویض لازم نہیں، چنانچہ اس کو صراحتاً یا دلالتاً اس تفویض کو رد کردینے کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ امر بالید تخییر ہے، یعنی عورت کو خاوند کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں سے ایک امر کو پسند کرنے کا اختیار ہے اور اختیار ولزوم باہم منافی ہیں۔

مفوضہ عورت کو صرف ایک مرتبہ اختیار کا حق ہے، کیونکہ خاوند کا بیوی سے "أمرک بیدک" کہنا تکرار کا مقتضی نہیں، مگر یہ مقتضی تکرار لفظ اس کے ساتھ شامل کردیا جائے مثلاً بیوی سے یوں کہے: "امرک بیدک کلماشئت" جب جب تیرا جی چاہے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اس صورت میں معاملہ اس کے ہاتھ میں آجائے گا جب جب اس کا جی چاہے۔

عورت ایک مجلس میں اپنے اوپر ایک ہی طلاق واقع کرسکتی ہے، لہٰذا تین مجلسوں میں تین طلاق واقع کرنے سے وہ بائنہ ہوجائے گی، کیونکہ لفظ "کلما" تکرار افعال کا مقتضی، لہٰذا تکرار مشیئت کے وقت تکرار تملیک کا بھی مقتضی ہوگا۔

تفویض طلاق اور اس کے احکام

حنفیہ کے یہاں انشاء عقد نکاح کے مقارن ہوکر یا عقد نکاح کے بعد زوجیت برقرار رہنے کے زمانہ میں تفویض طلاق صحیح ہے۔

حنفیہ کے یہاں تفویض مقارن عقد کے صحیح ہونے کے لئے زوجہ یا وکیل زوجہ کی جانب سے ایجاب مشروط کا صادر ہونا لازم وضروری ہے، مثلاً عورت کسی مرد سے یوں کہے: "تزوجتک علی أن الطلاق بیدی أو متی شئت اور کلما شئت" یعنی میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ میرے ہاتھ میں رہے گا، یا طلاق کا معاملہ میرے زیر اختیار رہے گا، جس وقت میں چاہوں، یا جب جب میں چاہوں، اور مرد نے اس کو قبول کرلیا، یعنی عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہے اور مرد اس مشروط ایجاب کو قبول کرلیتا ہے تو یہ تفویض شرعاً معتبر اور صحیح قرار پائے گی۔

لیکن اگر مرد کی جانب سے ایجاب کا صدور ہوا اور مرد نے عورت سے یوں کہا

"تطلقين نفسک متی شئت" میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا تو جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، اور عورت نے اس ایجاب کو قبول کرلیا تو اس صورت میں نکاح تو شرعا معتبر اور صحیح ہوگا، مگر یہ تفویض نہ ہوگی، کیونکہ مرد نے عقد نکاح کی تکمیل سے پہلے عورت کو ایقاع طلاق کا مالک بنایا ہے، حالانکہ تکمیل عقد نکاح سے قبل خود خاوند کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور کوئی شخص کسی کو کسی شئی کا مالک نہیں بنا سکتا جو خود اس کی ملکیت میں نہ ہو، جب عورت کے ایجاب مشروط اور مرد کے قبول سے تفویض بوقت عقد صحیح ہوجائے اور اس تفویض میں کسی معین زمانہ کی کوئی قید نہ ہو، مثلاً عورت نے ایجاب کے طور پر یوں کہا کہ "تزوجتک علی أن طلاقی بیدی" میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں رہے گا اور مرد نے "قبلت" (میں نے قبول کیا) کہہ کر اس ایجاب کو قبول کرلیا تو اس صورت میں عورت کا اختیار طلاق مجلس انشاء عقد نکاح تک محدود رہے گا، بایں معنیٰ کہ مجلس نکاح کے ختم ہونے کے بعد عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق نہ رہے گا۔

طلاق مع التفویض میں خاوند کا حق طلاق

تفویض بمعنیٰ تملیک ہونے کی وجہ سے توکیل کے مشابہ ہے، لہٰذا اپنی بیوی کو تفویض طلاق کے بعد بھی خاوند کو طلاق دینے کا حق باقی رہے گا، جیسے کہ توکیل کے بعد موکل کو بذات خود مؤکل فیہ میں حق تصرف باقی رہتا ہے۔

توکیل و تفویض کا باہمی فرق

توکیل و تفویض دونوں میں خاوند کا حق ایقاع طلاق ساقط و سلب نہیں ہوتا، اس کے باوجود دونوں میں درج ذیل وجوہ فرق ہیں:

(۱) ایک مرتبہ تفویض صادر و صحیح ہوجانے کے بعد خاوند اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا، لیکن مؤکل فیہ میں وکیل کے تصرف سے پہلے موکل رجوع کرسکتا ہے، یعنی وکیل کی وکالت منسوخ کرسکتا ہے۔

(۲) تفویض کے اندر مفوض الیہ اپنی مشیٔت واختیار سے عمل کرسکتا ہے، لیکن توکیل میں وکیل اپنی مرضی ومشیٔت سے نہیں، بلکہ مؤکل کی مرضی ومشیٔت کے مطابق عمل کرتا ہے، کیونکہ وکیل کا ممثل اور نائب شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) تفویض مطلق، مجلس تفویض تک مخصوص ومقید ہوا کرتی ہے، بخلاف توکیل بالطلاق کے، کیونکہ وکالت کے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل بالطلاق مجلس میں، نیز مجلس ختم ہونے کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

(۴) جنون زوج: یعنی خاوند کے پاگل ہوجانے سے تفویض باطل نہیں ہوتی، کیونکہ تفویض، تعلیق کے حکم میں ہوا کرتی ہے، لیکن توکیل بالطلاق خاوند کے پاگل ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ جنون کی وجہ سے خاوند میں اہلیت باقی نہیں رہتی اور وکیل ومؤکل میں سے کسی کے اندر اہلیت ختم ہوجانے سے توکیل خودبخود باطل ہوجاتی ہے (عنایۃ بہامش فتح القدیر ۱۰۰/۳، ردالمحتار ۶۵۳/۲)۔

مشروط نکاح کی شرعی حیثیت

مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی

شرط اول:

عقد نکاح کے تشکیل پانے کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط نان ونفقہ بھی ہے جسے خداوند قدوس نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

(۱) ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ '' (سورۂ نساء:۳۴)

(مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء اللہ نے ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں کچھ فطری خصوصیات کی وجہ سے ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر نان ونفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ہے)

''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ '' (سورۂ بقرہ:۲۳۳) (بچے کے باپ کو دستور کے مطابق اپنی عورتوں کو کھانا کپڑا دینا ہوگا)۔

''عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ'' (سورۂ بقرہ:۲۳۶) (مالدار پر اس کی استطاعت کے مطابق اور غریب پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے)۔

حکیم بن معاویہ قشیری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا: ''یا رسول الله ماحق زوجة أحدنا عليه؟ قال: أن تطعمها إذا طعمت وتكسوها إذا كتسيت ولاتضرب الوجه'' (المحلی لابن حزم ۵۰۱/۹)۔

ایک دوسری روایت جابر بن عبداللہ سے اس طرح پر ہے:

"عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى خطبته فى غرفة: فاتقوا الله فى النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله تعالى ولكم عليهن أن لايوطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن ذالک فاضربوهن غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (المحلی ۹/۵۱۰)۔

قاضی خاں لکھتے ہیں:

"فتجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أولم يد خل" (فتاوی قاضی خاں ۱/۱۹۴)۔

نیز حضور اکرم کے ارشاد: "من استطاع منكم الباءة" میں استطاعت سے مراد استطاعت النکاح ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۶)۔

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں: "فأما النفقة فاتقوا على وجوبها" (بدایۃ المجتہد ۲/۵۸)۔

خلاصہ کلام: نفقہ مرد پر واجب ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو، نکاح فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوتا (دیکھئے: درمختار مع الرد ۳/۵۷۲)۔

بہر حال نفقہ مقتضاء عقد سے ہے اور عقد نکاح ہی سے یہ مفہوم ہو رہا ہے، اس لئے عورت کی یہ شرط بے کار ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "وجهه أن ذالک الشرط وعدمه سواء، لأن ذلک هو الواجب عليه بنفس العقد سواء شرطه اولا" (ردالمحتار ۳/۵۸۶)۔

شرط ثانی

حضرت امام ابوحنیفہ نے شرائط کی دو قسمیں کی ہیں:

(۱) وہ جو مقارن للعقد ہو۔

(۲) وہ جو معلق بالشرط ہو سوائے چند صورتوں کے، دونوں کے احکام تقریبا یکساں ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں، خواہ یہ شرطیں صلب عقد میں لگادی گئی ہوں، یا پہلے سے زوجین کے درمیان طے پاچکی ہوں، حضرت امام مالک کے نزدیک دونوں کے احکامات میں تفصیل ہے، مگر بیشتر صورتوں کے احکام میں موافقت ہے، حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر نکاح کو شروط پر معلق رکھا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، بعض صورتوں میں جواز کا بھی قول ہے اور شرط مقارن للعقد میں تفصیل ہے، اب ہر ایک امام کے اقوال اور ان کے احکام بالتفصیل پیش ہیں:

عقد نکاح کے وقت شرائط کے سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ شرطیں اگر مقتضاء عقد سے نہ ہوں تو ایسی صورت میں شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا اور اگر مقتضاء عقد سے ہو تو یہ شرط اصل عقد کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے نافذ ہوجائے گی (فتاوی لابن تیمیہ ۳۲/۱۰۸)۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب اور ان کا حکم یہ ہے:

۱- وہ شرائط صحیحہ جن سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

۲- وہ شرائط فاسدہ جن سے نکاح فاسد ہوجاتا ہے۔

۳- وہ شرائط جن سے تو صحیح ہوجاتا ہے مگر شرط باطل ہوجاتی ہے۔

سوال میں دی گئی شرط امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق قسم ثالث میں داخل ہے، جس کی بنیاد پر نکاح تو صحیح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۸۷، ۸۸)

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ویصح النکاح مع المهر ومع نفی المهر وهو الروایة الثانیة عن أحمد اختار ها کثیر من أصحابه" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۱۵۸)۔

یہی رائے علامہ ابن قدامہ حنبلی کی ہے (المغنی لابن قدامہ ۷/۴۵۰)۔

حضرت امام مالک کے نزدیک شروط فی النکاح کی چار صورتیں ہیں:

(۱) تعلیق علی الشرط، اس کا حکم یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مشروط کا وجود ہوگا، اسی لئے آگے لکھتے ہیں: "لم یضر"

(۲) "أن یشترط شرطا مقارنا للعقد مفسدا له" اس کا حکم یہ ہے کہ ان شروط فاسدہ میں سے کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح فسخ ہوگا اور اگر بعد الدخول پائی جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا

(۳) "أن یشترط شروطا لاتناقض العقد" اس سے نکاح تو صحیح ہو جائے گا، مگر اس طرح کی شرطوں کا لگانا مکروہ ہے۔

(۴) "شروط یجب الوفاء بها ویکون لهما خیار فسخ العقد" یعنی وہ شرائط جن کا پورا کرنا واجب ہے اور دونوں کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

حضرت امام شافعی کے نزدیک شرائط فی النکاح کی تفصیل "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" (۸۹/۴) میں موجود ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں دی گئی یہ شرط شرط فاسد ہے جس کی بابت ائمہ اربعہ کی تفصیل یوں ہے: حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک شروط فاسدہ باطل ہوں گی اور نکاح صحیح ہو جائے گا (المغنی لابن قدامہ ۲۲/۸) اور حضرت امام مالک کے نزدیک دخول کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ اگر کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور بعد الدخول منعقد ہو جائے گا، اور مہر ونفقہ وغیرہ دینا ہوگا (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۸۸/۲)۔

حضرت امام شافعی کے نزدیک شروط فاسدہ کی بعض صورتیں، یعنی نکاح مع المہر المحرم ومع نفی المہر صحیح ہیں، نان ونفقہ کی نفی کو بھی اسی میں شامل کر لیا جائے گا، جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی کی درج شدہ عبارت سے بھی معلوم ہو گیا ہوگا، باقی صورتوں میں بھی باطل ہے، نیز امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے (فتاوی لابن تیمیہ ۱۵۸/۳۲) "فتاوی خانیہ" میں مذکور ہے: "وإذا تزوجها علی أن

لامهر لها صح النكاح ووجب لها مهر المثل وفيه خلاف لمالك" (۳/ ۸۲)امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ مہر ایک شرعی حق ہے جو شوہروں پر واجب ہے، نیز عورت کی شرافت کا اظہار ہے "**إبانة لشرف المحل**" (ہدایہ ۲/ ۳۰۴)،لیکن اگر دخول وعدم دخول کی شرط لگائی جائے جیسا کہ ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کی عبارت سے مالکی مذہب معلوم ہو چکا ہے تو امام مالک کے یہاں بھی بعد الدخول نکاح صحیح ہو جائے گا، اور فیہ خلاف المالک کا اطلاق ختم ہو جائے گا، اس مفہوم کی وضاحت اس عبارت سے بھی ہو رہی ہے "**وحكي عن مالك انه ان كان بعد الدخول ثبت النكاح و ان كان قبله فسخ**"(المغنی لابن قدامہ ۸/ ۲۲)۔

علامہ ابن حزم کی رائے ہے کہ مہر فاسد یا شرط فاسد پر کیا ہوا نکاح قابل فسخ ہے،لیکن اگر مہر فاسد یا شرط فاسد اس وقت لگائی گئی، جبکہ نکاح صحیح ہو چکا تھا، تو ایسی صورت میں یہ بعد والی شرط قابل فسخ ہوگی اور نکاح صحیح ہو کر شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا، الا یہ کہ زوجین مہر مثل سے کم یا زیادہ پر راضی ہو جائیں اور ساری شرطیں باطل ہو جائیں گی، آگے اسی صفحہ پر اس کی دلیل حضور کا ارشاد:

''**كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل**'' اور ''**من عمل عملا ليس عليه أمر نا فهو رد**'' پیش فرمائی۔

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

"**مالو شرط شرطا فاسدا كما لو تزوجته على أن لايطأها فإنه يصح النكاح ويفسد الشرط**"(ردالمحتار ۳/ ۱۳۱)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''نکاح میں ایسی چیز کو مہر قرار دینا جو مال نہ ہو شرط فاسد ہے اور یہ نکاح کو باطل نہیں کرتی بخلاف بیع کے، کیونکہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع میں فساد، ربا کی وجہ سے ہے اور نکاح میں ربا نہیں، اس لئے نکاح میں یہ شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۷۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرط فاسد کے ساتھ کیا ہوا نکاح ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے اور

شرائط کے سلسلہ میں ائمہ کی آراء اس طرح پر ہیں: حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد مقارن للعقد منافی مقتضاء عقد باطل ہے، حنابلہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، مالکیہ کے نزدیک وہ شرط لغو ہوگی (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۸۸)، امام شافعی کے نزدیک یہ شرط صحیح ہوگی (بدائع الصنائع ۲/۲۷۷)، اس کی تائید اسی فصل کے (ص/۲۷۸) کی عبارت سے بھی ہورہی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے ائمہ کے اسی اختلاف کی طرف اپنی اس عبارت: "**ثم هل يصح إذا أحضأ الشرط الفاسد بعد ذالک ؟ فيه نزاع**" سے اشارہ کیا ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۱۵۷) بہر حال مذکورہ شرط پر کیا ہوا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے، شوہر کو نفقہ دینا ہوگا، جس وقت نفقہ کا وجوب ہو جائے، کیونکہ نفقہ کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب عورت پر شوہر قابض و متصرف ہو جائے (البحر الرائق ۴/۱۷۳)، نیز دیکھئے: قاضی خاں (۱/۱۹۴)

شرط ثالث:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرطیں صحیح ہیں اور ان کا ایفاء لازم ہے، اگر شوہر نے اسے پورا نہ کیا تو عورت کو فسخ کا حق حاصل ہوگا (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۸۷)، امام مالک کے نزدیک اس طرح کی شرط مکروہ ہے، لیکن اس کا ایفاء مندوب ہے، نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۸۷، ۸۸)۔

امام ابوحنفیہ کے نزدیک شرط صحیح ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جائے گا، مگر مہر مثل دینا ہوگا جو مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو (ہدایہ ۲/۳۰۹) صاحب "فتح القدیر" نے "ہدایہ" کی عبارت نقل فرمانے کے بعد تحریر کیا ہے کہ پہلی صورت میں مسمی ملے گا، اس لئے کہ جس چیز کو مہر بنایا گیا تھا وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، چونکہ شرط کے اتمام کی وجہ سے عورت کی رضامندی ہوگئی، اس لئے عورت کو مہر کامل ملے گا اور دوسری صورت میں چونکہ اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی، نیز اس کا اخراج من البلد، یعنی دونوں شرطیں مفقود ہوگئیں، اس لئے عورت کی رضامندی نہیں ہوئی اور اسے اب مہر مثل ملے گا جو مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو، "فتاوی تاتارخانیہ" کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

علامہ کاسانی امام شافعی کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وعنده تصح التسمية؛ لأنه يجوز أخذ العوض عن الطلاق والقصاص وكذلك إذا تزوجها على أن لايخرجها من بلدها أوعلى أن لا يتزوج عليها'' (بدائع الصنائع ۲/۲۷۸)۔

امام شافعی کے مسلک کے مطابق مذکورہ شرط ہی کو مہر بنایا جاسکتا ہے، ان کے مسلک میں بہ نسبت دیگر ائمہ کے توسیع زیادہ ہے، لہذا مسئولہ شرط بدرجہ اولی صحیح ہوگی، جس کا اتمام ضروری ہوگا، علامہ ابن حزم کی رائے کے مطابق یہ شرط فاسد ہے اور نکاح قابل فسخ ہے (المحلی لابن حزم ۹/۴۹۱)، برخلاف اس کے علامہ ابن تیمیہ سے اس طرح کی شرطوں کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ شرطیں صحیح ہیں، عورت کو عدم ایفاء کی صورت میں حق فسخ حاصل ہے جیسا کہ حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۱۶۴)۔

خلاصہ کلام: ان شرطوں کے لگانے سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ان کا ایفاء ضروری ہے، عدم ایفاء کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک مہر مثل جو مہر مسمی سے زائد نہ ہو لازم ہوگا، حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک حق فسخ حاصل ہوگا، نیز امام مالک کے مذہب میں ''مذاہب الاربعۃ'' میں دئے گئے مالکی مسلک کے مطابق عورت کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

(ج) اس طرح کی صورتیں تفویض طلاق کے نام سے فقہاء کے نزدیک موسوم ہیں، سوال کردہ تینوں شرطیں صحیح ہیں، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح ومعتبر ہونے کی ایک شرط ہے جسے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں (ص ۴۴ تا ۴۶) پر نقل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ بعینہ درج ذیل ہیں:

پہلی صورت کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض

بے کار ہوگا اور اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا، جیسا کہ ''درمختار(۲/ ۲۴) پر مرقوم ہے۔

صورت ثانیہ کی صحت کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولا خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل یا قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنا شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کردیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا، یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کرسکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم ومصیبت کو دیکھے تو اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے، یعنی اس طرح کہہ دے کہ میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرتی ہوں، قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں:

''**وإن ابتدات المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی أنی طالق أوعلی أن یکون الأمر بیدی أطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق وکان الأمر ابیدها**'' (فتاوی قاضی خاں ۱/ ۱۵۵)، صاحب البحر الرائق کی بھی یہی رائے ہے (البحر الرائق ۳/ ۳۱۸)۔

خلاصہ کلام: اس صورت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی۔

جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو یہ تفویض بعد النکاح ہوجائے گی، کیونکہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد ''قبلت'' کہا تو گویا یہ جواب متضمن ہوا اس شرط کے اعادہ کو جو سوال میں موجود ہے، پس گویا شوہر نے یوں کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تو مطلقہ ہے، یا میں نے قبول کیا

اس شرط پر کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، لہٰذا مفوض بعد النکاح کے قبیل سے ہو گیا۔

دوسری صورت میں جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوگی تو طلاق اور تفویض دونوں قبل النکاح پائی گئی جو صحیح نہیں۔

تیسری صورت، یعنی عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے، یہ شکل بھی جائز ہے، مگر جب نکاح ہو چکا اور شرائط نامہ بعد میں تحریر کیا جا رہا ہے تو اب اس شرط کا ایفاء شوہر کی رضامندی پر منحصر ہے۔

چونکہ عورتوں میں قوت تحمل کی کمی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ طلاق کا وقوع تفویض طلاق کی صورت میں بکثرت ہو جائے، اس سے بچنے کی ایک ''تدبیر الحیلۃ الناجزۃ'' (۲۹) پر مرقوم ہے۔

شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اب تو طلاق کی مالک عورت ہوگئی (درمختار ۲/۲۶)۔

جبکہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے جانا اور نہ لے جانا زیادہ وقلت مہر کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کے اقوال موجود ہیں تو وقوع طلاق وعدم طلاق کی شرط پر مہر میں کمی وزیادتی کو بدرجہ اولی سبب بنایا جا سکتا ہے، اس لئے صاحبین کے مسلک پر فتوی دیا جا سکتا ہے۔

جواب (۲) نکاح صحیح ہے، ایفاء کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل (جو تیس ہزار سے زیادہ اور پندرہ ہزار سے کم نہ ہو) لازم ہوگا، یہی حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں اور ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا، جیسا کہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں (بدائع الصنائع ۲/۲۸۵)۔

جواب (۳) یہ شرط مقتضاء عقد سے نہیں، اس لئے باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۸۵)، اس شرط کے ابطال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کی ملازمت سے جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں، ایسی عورتیں اپنے کو خود مختار سمجھنے لگتی ہیں، نیز شوہر کی ماتحتی سے مستثنیٰ، اسی کے ساتھ مرد کی قوامیت پر بھی زبردست حرف آتا ہے، جیسا کہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔

نکاح میں شرطوں کا مسئلہ

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

سوال (۱): بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے، اس پر علماء کا اجماع ہے (فتح القدیر ۲/ ۱۹۳)، جب کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر اس کی اپنی حیثیت کے اعتبار سے واجب ہے اور واجب و لازم کرنے والے اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ ﷺ ہیں، اور اجماع بھی ساتھ ہے تو اب بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، بلاوجہ ہے، جب شریعت نے خود عورت کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور نکاح کے صحیح ہوجانے کے بعد خود نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے تو اس کی یہ شرط بے معنی ہے۔

(۲) شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"ولو امتنع عن الإنفاق عليها مع اليسر لم يفرق و يبيع الحاكم ماله و يصرفه فی نفقتها فإن لم يجد ماله يحبسه متى ينفق عليها ولا يفسخ" (فتح القدیر ۲/ ۲،۲، البحر الرائق ۲/ ۲،۲، العینی ثم الہدایہ ۲/ ۴۶۶)۔

(اگر شوہر مالدار ہوتے ہوئے اور قدرت کے باوجود اپنی بیوی کے نفقہ سے انکار کرے تو دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی اور حاکم شوہر کے مال کو بیچ کر اس کی بیوی کے نفقہ

☆ شیخ الحدیث مفتاح العلوم، مئو

میں خرچ کرے گا، اگر حاکم مال نہ پاسکے تو شوہر کو قید کردے گا حتی کہ وہ بیوی کا نفقہ دے اور نکاح فسخ نہ ہوگا)۔

اس سے ثابت ہوا کہ شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا یہ شرط فاسد ہے، لہذا اس شرط کے لگانے سے نفقہ نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق یہ بیوی کا شوہر پر لازمی حق ہے تو شریعت کے لازم کردہ حق کے سلسلے میں بندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ کہہ دے کہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، بلکہ نفقہ کا معاملہ تو ایسا ہے کہ نکاح کے صحیح ہوجانے کے بعد ہی شوہر کے ذمہ واجب ہوجاتا ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تصریحات کے لئے دیکھئے: (عنایہ علی ہامش الفتح ۲/ ۱۹۳ ردالمحتار ۲/ ۲۴۶، الکفایہ فی ذیل الفتح ۲/ ۱۹۳)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوجانے کے بعد سے ہی شوہر کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب ہوجاتا ہے، تو اب شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہوگا، شرط فاسد ہے، اس شرط کے لگانے سے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ ہی ہوسکتا ہے، بلکہ اس کے ذمہ واجب ولازم رہے گا، اور عقد منعقد ہوجائے گا اور منعقد ہونے کے بعد یہ شرط ساقط وغیر معتبر ہوگی اور عورت کو نان ونفقہ دینا ضروری رہے گا۔

عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اللہ رب العزت نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے: **"فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع"** (سورہ نساء: ۳) (پس شادی کروان عورتوں سے جو حلال ہوں اور تمہیں پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار)۔

غرض یہ ہے کہ مرد کے لئے ایک عورت سے زائد چار عورتوں تک نکاح کرنا یہ شریعت کی اجازت ورخصت ہے، اس میں مرد مختار ہے، اپنا حال بہتر جانتا ہے تو جس میں خیر ہو وہ پہلو اختیار کرسکتا ہے، لہذا ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کے لئے پہلی بیوی کی

اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اس کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرسکتا ہے۔

(الف) عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا؟۔

نفقہ کی طرح شوہر کے ذمہ اپنی عورت کے لئے سکنی اور مکان وگھر دینا بھی واجب ہے، اس سلسلے میں شوہر کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے رکھے، اپنے آبائی وطن میں ہی رکھے یا سسرال یعنی عورت کے آبائی وطن میں رکھے یا ان کے سوا جہاں رکھنا مناسب سمجھے رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے: ''**لاتخرجوهن من بيوتهن**'' (سورہ طلاق:۱) (نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے)، اس میں لفظ ''بیوتهن'' میں مکانات کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکونت مرد کے ذمہ ہے، اس گھر میں اس کا حق ہے، اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادائے واجب ہے، بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکنی بھی ہے، اس آیت نے بتلا دیا کہ یہ حق صرف طلاق دے دینے سے نہیں ختم ہوجاتا، بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا احق ہے، اوران کا گھر سے نکال دینا عدت پوری ہونے سے پہلے ظلم وحرام ہے، اسی طرح ان کے لئے خود کو ان کے گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے، اگرچہ شوہر اس کی اجازت دیدے، کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گذارنا جو من جانب اللہ معتدہ پر لازم ہے (معارف القرآن ۸/۱۵۲)۔

فقہاء کرام نے بھی صراحت کی ہے: ''**تجب هي والكسوة والسكنى على الزوج**'' (ہدایہ ۲/۲۱۷، عنایۃ ۲/۱۹۳، وقایہ ۲/۱۲۹) (روٹی، کپڑا اور مکان بیوی کے لئے شوہر کے ذمے واجب ہے اور اس کا لازمی حق ہے)، نکاح صحیح ہوجانے کے بعد شوہر کا اپنی عورت کی رخصتی کرانا شوہر کا حق ہے تو جب رخصتی کرانا شوہر کا حق ہوا تو رخصتی کرا کر جہاں مناسب سمجھے رکھ سکتا ہے۔

الدرمختار میں ہے: ''**وكذا تجب لها السكنى في بيت خال من أهله و أهلها**'' (الدرالمختار مع الرد ۲/۶۶۲) (شوہر پر عورت کے لئے واجب ہے اس کو رکھنا ایسے گھر میں جو

شوہر اور عورت دونوں کے لوگوں سے خالی ہو)، مطلب یہ ہے کہ ایسا گھر دینا واجب ہے جس میں نہ شوہر کے لوگوں کی شرکت ہو اور نہ عورت کے لوگوں کی، بلکہ وہ گھر عورت ہی کے لئے مخصوص ہو، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"قالوا للزوج أن يسكن حيث أحب ولكن بين جيران صالحين" (ردالمحتار ۲/ ۶۶۴) (مشائخ نے کہا ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو جہاں چاہے رکھے، لیکن صالح پڑوسیوں کے درمیان رکھنا بہتر ہے)۔

علامہ شامی نے بات بالکل صاف کردی کہ شوہر جہاں چاہے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، پس نکاح صحیح ہو جانے کے بعد شوہر جہاں بھی مناسب سمجھے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، لہذا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، شرط فاسد ہے، لازم الایفاء نہیں ہے، اس شرط کے پورا نہ کرنے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(ا) عقد نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے۔

عقد نکاح سے پہلے یہ شرائط طے کی گئی ہوں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں تو شرعاً وہ شرط درست ہے، اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا" **نكحها على أن أمرها بيدها صح**" (دیکھئے: درمختار ۲/ ۲۸۵) (مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس عورت کی طرف سے اس شرط پر کہ طلاق واقع کرنے کا حق اس کے قبضہ میں رہے گا درست ہے)۔

اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں:" **مقيد بما إذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی أن أمری بيدی أطلق نفسی كلما أريد أو علی أنی طالق، فقال الزوج: قبلت**" (۲/ ۲۸۵)۔

(مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتداً کہے کہ میں نے اپنی شادی آپ سے

کرادی اس شرط پر کہ مجھ کو طلاق واقع کرنے کا حق میرے قبضہ میں ہوگا، میں جب چاہوں گی اپنے کو طلاق دے دوں گی، یا اس شرط پر کہ میں مطلقہ ہوجاؤں گی اور شوہر نے اس عورت کی شرط کو منظور اور قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہے اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقد کے وقت عورت کا شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو شرعاً درست ہے۔

تفویض میں کچھ قیدیں بڑھانا:

چونکہ فطرتاً عورت ناقص العقل ہے اور صحیح رائے قائم کرنے سے قاصر ہے، بنا بریں تفویض طلاق کے نتیجے میں مصالح شرع کے ضائع ہونے کا خطرہ غالب ہے، خصوصا موجودہ دور میں وہ خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے، لہذا ان حالات کے پیش نظر اس تفویض مطلق کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلاً شوہر ظالم ہو یا نان ونفقہ بلا وجہ ادا نہیں کرتا، نہ کپڑے کا نظم کرتا ہے، نہ مکان وگھر کا، جو شوہر پر فرض ہے اور عورت قاضی کے دربار میں دعوی کرے، قاضی دونوں کو طلب کرے اگر عورت کا دعوی ثابت ہوجائے تو اس عورت کو حق تفویض اختیار کرنے کی اجازت دے دے گا۔

لیکن یہ قیدیں مفید مقصد ہوں اور بے جا تصرف کا سد باب کرنے والی ہوں، ورنہ پھر عورتیں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہوکر اور حاکم مطلق ہوکر کبھی بھی یہ کسی شوہر کو خاطر میں نہیں لاسکتیں، اور ان قیدوں کا اضافہ سیاستہً اور سد باب کے لئے ہونا چاہئے۔

طلاق اصلا حلال ہوتے ہوئے اللہ کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **"أبغض الحلال إلى الله الطلاق"** (رواہ ابوداؤد)، لیکن چونکہ اصلا حلال ہے بنا بریں شریعت نے ناگزیر حالات میں اس کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے: **"یایھا النبی إذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن"** (سورۂ طلاق:۱) (اے نبی علیہ السلام! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ

جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو)۔

لیکن طلاق کے بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں یہاں تک کہ بعد میں شرمندگی آنے پر سوائے حلالہ کے کوئی صورت نظر نہیں آتی ،تو نفس کے واسطے راہ حق سے ہٹ کر زنا کاری میں مبتلا ہونے کو بخوشی گوارہ کر لیتا ہے اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے، یہ ایک شئی جائز کے بے جا استعمال کی نحوست کا نتیجہ ہے، جس کا مشاہدہ ہمارے معاشرے میں بکثرت ہے۔

بنابریں ایک مجلس میں تین طلاق دینا جو غیر مشروع ہے اور حرام ہے، گو تینوں طلاق باجماع امت واقع ہو جائے گی ،اس فعل حرام کا بکثرت اقدام ہو رہا ہے ،لہذا طلاق کے غلط استعمال کو سیاسۃً فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار روپے اور اگر طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپے ہوگا ،اس طرح مہر طے کرنا جائز ہوگا اور دونوں صورتوں میں مہر متعین ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور اس غلط اقدام کی کثرت کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر عورت بدصورت ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو دو ہزار ہوگا، یہ دونوں شرطیں بہ اتفاق ائمہ ثلاثہ صحیح ہیں اور ان دونوں صورتوں میں متعین مہر بہ اعتبار شرط شوہر کے ذمہ لازم ہوگا،'' درمختار'' میں ہے:

''لو تزوجها على ألف إن كانت قبيحة و على ألفين إن كانت جميلة فإنه يصح الشرطان اتفاقا فی الأصح'' (الدر المختار ۲/۳۴۶)۔

لیکن یہ یاد رہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا بیک زبان گو حرام ہے، مگر تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی اور عورت حرام ہو جائے گی۔

سوال (۲) نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے پہلی بیوی کے

ہوتے ہوئے دوسری سے نکاح کرے گا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، ورنہ پندرہ ہزار، تو ایسی صورت میں اگر شوہر شرط پوری کرے، یعنی دوسری شادی نہ کرے تو مہر پندرہ ہزار دینا لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی یعنی دوسری سے شادی کرے تو تیس ہزار مہر دینے کی شرط معتبر و لازم العمل نہ ہوگی بلکہ ایسی صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔

سوال (۳) عورت کی ملازمت اور شوہر کا اس کو اس سے منع کرنا:

عورت کے نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں کرنے سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو عقد کے وقت شوہر قبول کرتا ہے، چونکہ شرعاً روٹی، کپڑا اور مکان دینے کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ لازم ہے، اس ذمہ داری کی ادائیگی سے نہ تو سبکدوش ہوسکتا ہے اور نہ انکار کرسکتا ہے، اگر شوہر محتاج وغریب ہے تب قاضی عورت سے کہے گا کہ شوہر کے نام پر قرض لو اور اس قرض کے ادا کرنے کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوگی، اور اگر بالفرض یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو قاضی بین الزوجین تفریق کرسکتا ہے اور دوسرے مرد سے اس کی شادی کراسکتا ہے اور یہ صورت ناممکن ہے کہ کوئی مرد قادر علی النفقہ مل ہی نہیں سکتا، لہذا عدم قدرت کا مطلقاً وہم نہ ہونا چاہئے۔

جب صورت یہ ہے تو شوہر عورت کو ملازمت سے روک سکتا ہے، عورت کا یہ شرط لگانا فاسد ہے اور شوہر کے لئے عقد نکاح کے وقت شرط کو قبل کرنے کے باوجود بھی منع کرنے کا حق ہے، اس کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں، عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”عن البحر أن له منعها من الغزل وكل عمل ولو قابلة ومغسلة ......وانت خبير بأنه إذا كان له منعها من ذالک عصته وخرجت بلا إذنه كانت ناشزة مادامت خارجة وإن لم يمنعها لم تكن ناشزة“ (ردالمحتار ۲/۶۴۷)۔

(شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو دھاگا بٹنے سے اور ہر کام سے روک دے اگر دایہ گیری اور میت کو غسل دینے کا کام کرتی ہو تو اس سے بھی روک سکتا ہے، اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے

ہیں کہ تم جانتے ہو کہ جب شوہر کے لئے اپنی بیوی کو ان سب چیزوں سے روک دینا جائز ہے تو اگر شوہر کے روکنے کے باوجود شوہر کی نافرمانی کرے اور بغیر شوہر کی اجازت کے نکل کر چلی جائے تو وہ عورت ناشزہ ونافرمان ہوگی جب تک باہر ہے اور اگر شوہر نے روکا نہیں ہے تو ناشزہ نہ ہوگی۔)

اگر منع کرنے سے مانتی نہیں تو ناشزہ ہو کر شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''بلکہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کردے جو کمائی کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، کیونکہ بیوی کمائی کرنے سے بے نیاز ہے، کیونکہ شوہر پر بیوی کی کفالت واجب ولازم ہے۔

نیز شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو روک دے ہر ایسے کام کرنے سے جس سے شوہر کے حق کا کم کرنا (مثلاً خدمت، جماع اور اس کے دواعی واسباب) یا شوہر کو ضرر (مثلاً شوہر پر غلبۂ شہوت اتنا شدید ہو کہ عورت سے جماع نہ کرنے میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ) یا عورت کا شوہر کے گھر سے نکلنا لازم آتا ہے (رد المحتار ۲/ ۶۶۵ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: اور وہ کام یا عمل جس میں شوہر کا کچھ بھی ضرر نقصان نہیں ہے تو شوہر کا اپنی بیوی کو ایسے کام سے روکنا بلا وجہ ہے، خصوصاً شوہر گھر پر نہ ہو، سفر میں گیا ہوا ہو (مراد اس طرح کے کام سے مثلاً گھریلو کام کاج جیسے گھر میں سلائی مشین یا پاور لوم ہو تو کپڑوں کی سلائی کرنا اور لوم چلانا وغیرہ)، کیونکہ عورت کو اس کے گھر میں بلا کام کے چھوڑے رکھنا نفس اور شیطان کے وسوسے کی دعوت دینا ہے کہ بے کار بیٹھی ہوئی نفسانی اور شیطانی خیالات کے سمندر میں غوطہ لگاتی رہے گی جس سے اس کی صحت متاثر ہوگی، اور بے کار بیٹھک اور کام سے کاہل ہو جائے گی، یا اجنبیوں اور پڑوسیوں کے ساتھ لایعنی اور واہیات قصہ کہانیوں میں مشغول ہو کر اپنے کو بالکل معطل کردے گی، جیسا کہ یہی مشاہدہ ہے، لہذا عورت خود سے اندرون خانہ کام کاج کرتی ہے تو کرنے دینا چاہئے، چھڑانا نہیں چاہئے کہ اس میں اس کے لئے ضرر ہے۔

مقتضائے عقد کے منافی شرائط

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

شرط صحیح کی تعریف

شرط صحیح جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک وہ شرط ہے جو مقتضاء عقد کا جزء ہو مثلا ایسے مکان کی شرط لگائی جائے جو میاں بیوی دونوں کے لائق ہو، یا مقتضاء عقد کے لئے موکد ہو جیسے مہر کے لئے کفیل کی شرط لگا دی جائے کہ مہر کی ادائیگی کی ذمہ داری مثلا لڑکے کے والد لے لیں، یا فلاں شخص اس کا ذمہ دار بن جائے، یا اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل یعنی کوئی نص یا عرف موجود ہو، مثلا عورت یہ شرط لگا دے کہ مہر کا کچھ جزو شوہر فورا ادا کرے، یہ سب شرط صحیح ہیں (احوال الشخصیہ ر ۱۵۹)۔

شرط فاسد کی تعریف

شروط صحیحہ کے خلاف جو شرط ہے وہ شرط فاسد ہے، یعنی ایسی شرط جو نہ تو مقتضیات عقد میں سے ہے، نہ مقتضاء عقد کے لئے موکد ہے اور نہ ہی اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل قائم ہے وہ شرط فاسد ہے، جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک شرط فاسد کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

علامہ ابن الہمام شرح فتح القدیر میں شرط فاسد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"**هو اشتراط ما ليس مقتضى العقد**" (یعنی ایسی چیز کی شرط لگانا جو عقد کا مقتضاء نہ ہو شرط فاسد ہے) (شرح فتح القدیر، فصل فی المحرمات ۳ر۲۵۰)۔

☆ صدر مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

اسی طرح کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضیات عقد کے خلاف ہو شرط فاسد ہے، مثلا یہ شرط لگادی جائے کہ کسی کو بھی ایک دوسرے سے انتفاع کا حق نہیں ہوگا، یا ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، یا بیوی کا مہر واجب نہیں ہوگا، یا بیوی شوہر کو مکان دے یا کچھ روپے دے، یا نکاح کسی متعین مدت کے لئے ہو، اس طرح کی شرطیں مقتضیات عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہیں، صاحب ھدایہ نے جہاں پر نکاح موقت کا حکم بیان کرتے ہوئے امام زفر کا قول صحت نکاح کا نقل کیا ہے، وہیں پر صاحب ''عنایہ'' نے امام زفر کے قول کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''لأن التوقيت شرط فاسد لكونه مخالفا لمقتضى عقد النكاح والنكاح لايبطل بالشروط الفاسدة'' (عنایہ علی ہامش الہدایہ ۲۴۹/۳)۔

شرط فاسد کا حکم اور صحت نکاح پر اس کا اثر

تقریباً سبھی کتب فقہ معتبرہ اور متداولہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے، اگر نکاح شرط فاسد کے ساتھ کیا گیا تو شرط کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ اگر نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، مثلا کسی شخص نے ایجاب کے بعد یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اگر میرے والد چاہیں یا میرا لڑکا آجائے تو اس صورت میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا (دیکھئے: الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۲۹۵)۔

کس طرح کی شرط پورا کرنا ضروری ہے اور کس طرح کی نہیں؟

جو شرطیں عقد نکاح میں لگائی جاتی ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ اور صحت نکاح پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر بہت ہی اچھی بحث علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''المغنی'' میں کی ہے، انہوں نے تمام شرطوں کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے، ان تینوں قسموں اور ان کے احکام کو مختصراً ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔بعض وہ شرائط جو خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہوجاتا ہے، مثلاً نکاح میں وقت کی تعیین وتحدید کی شرط یعنی بوقت نکاح ایجاب یا قبول میں یہ شرط لگادی جائے کہ اتنے مہینے یا اتنے سال کے لئے نکاح ہو رہا ہے جیسا کہ نکاح متعہ یا نکاح موقت میں ہوتا ہے یا نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا، مثلا یہ کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اگر میری ماں راضی ہوجائے، یا فلاں شخص راضی ہوجائے، یا نکاح میں خیار کی شرط لگادی جائے، خواہ دونوں کے لئے یہ شرط ہو یا ان میں سے کسی ایک کے لئے یہ سب شرطیں خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہوجاتا ہے''**فهذه شروط باطلة فی نفسها ویبطل بها النکاح**''۔

۲-بعض وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد نکاح کے خلاف ہیں مثلا شوہر نے یہ شرط لگادی کہ بیوی کا مہر اس پر نہیں ہوگا، یا اس کا نفقہ نہیں دے گا یا اگر مہر دیدیا ہے تو اس کی واپسی کی شرط لگادی، یا یہ شرط لگادی کہ دوسری بیویوں کی باری سے کم یا زیادہ اس کو دے گا، یا یہ شرط لگادی کہ شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا، یا وہ عزل کرے گا، یہ اور اس طرح کی دیگر شرطیں شرعا باطل ہیں، اس طرح کی شرطوں کے باطل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں: ایک تو یہ ہے کہ یہ مقتضیات عقد کے خلاف ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ عقد سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منعقد ہونے سے قبل ہی ساقط ہوجارہے ہیں۔

البتہ ان شرطوں کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ صحیح ومنعقد ہوگا، اس لئے کہ شرائط صحت نکاح میں سے نکاح کا شروط فاسدہ سے خالی ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ امر زائد ہے جس کی وجہ سے نکاح کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔بعض وہ شرطیں ہیں جو نہ مقتضیات عقد نکاح میں سے ہیں اور نہ ہی مقتضیات عقد کے خلاف ہیں، نہ مقتضیات عقد کے لئے موکد ہیں اور نہ ہی ان کے جواز پر کوئی دلیل قائم ہے، البتہ ان کا فائدہ عورت کو پہنچتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی شکل میں نہیں پہنچتا، مثلا عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کو اس کے گھر یا اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کو سفر میں نہیں لے

جائے گا، یا اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا، یہ اور اس طرح کی شرطوں کو پورا کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور بعض صحابہ، تابعین کے نزدیک اس طرح کی شرطیں فاسد ہیں ان کا اعتبار نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے دونوں طرف کے دلائل بھی پیش کئے ہیں اور دلائل پر نقد وجرح بھی کیا ہے، پوری تفصیل کے لئے دیکھئے (المغنی لابن قدامہ ۶/۵۴۸ تا ۵۵۱)۔

پہلی دونوں صورتوں میں تو اتفاق ہے، پہلی صورت میں بالاتفاق شرط بھی باطل اور نکاح بھی باطل، اور دوسری صورت میں نکاح صحیح اور شرط باطل، البتہ تیسری صورت میں اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل اس شرط کے صحیح بلکہ اس کی ادائیگی کے وجوب کے قائل ہیں، اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی بلکہ جمہور اس کو فاسد قرار دیتے ہیں، دلائل تو دونوں جانب ہیں اور کتابوں میں ہر ایک کے دلائل پر نقد وجرح بھی موجود ہے جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، جمہور کی رائے دلائل کی روشنی میں اصول عام کے تحت راجح معلوم ہوتی ہے اور عموماً عمل بھی جمہور ہی کے قول کے مطابق ہے اور اس پر عمل بھی آسان ہے، اس لئے کہ اگر بیوی نے بوقت نکاح یہ شرط لگادی کہ شوہر سفر پر نہیں لے جاسکتا ہے اور شوہر لکھنو یا بمبئی یا سعودیہ عربیہ میں ملازمت کرتا ہے، سال دو سال پر گھر آتا ہے، شرط کے مطابق بیوی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا ہے، تو پھر دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار کیسے رہ سکتی ہے؟ اور مقاصد نکاح کیسے پورے ہوسکتے ہیں؟

استاد محمد مصطفیٰ شبلی نے ''احکام الاسرۃ فی الاسلام'' میں امام صاحب کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مصر میں بھی اسی مذہب پر عمل جاری ہے (۱۵۵)۔

امام محمد ابوزہرہ نے بھی ''الاحوال الشخصیہ'' میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے (دیکھئے: الاحوال الشخصیہ/۱۶۱، ۱۶۲)۔

کس طرح کی شرط کو پورا کرنا واجب ہے اور کس طرح کی شرط باطل ہے، اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، اس سلسلہ میں دکتور وہبہ الزحیلی نے ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں مذاہب کی

تفصیل بیان کی ہے(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۴/۷)۔

اس مختصرسی تمہیدی بحث کے بعد اب اصل سوالات کے جوابات دئے جارہے ہیں، نکاح میں شرطیں لگائی جاتی ہیں ان کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ احکام درج کئے جاتے ہیں:

نفس عقد نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داری کوشرط کی صورت میں ذکر کرنے کا حکم

پہلی صورت:

ان شرائط کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نت نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کوشرط کی صورت میں بوقت عقد نکاح ذکر کر دیا گیا، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یا اس کے ساتھ حسن معاشرت یا مہر کی شرط لگانا، تو چونکہ خود نفس عقد نکاح ہی سے یہ چیزیں واجب ہیں شرط لگانے سے ان کو وجوب نہیں ہوا، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرط لگا کر ان حقوق کو مزید موکد کر دیا، اس لئے ان شرائط کا پورا کرنا شرعا واجب ہے، اس طرح کی شرطیں، شروط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں (دیکھئے: احکام الاسرۃ فی الاسلام ۱۰۴ تا ۱۵۵)۔

مقتضاء عقد نکاح کے خلاف لگائی گئی شرط کا حکم:

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط لگادے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یا وہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت نہیں کرے گا، یا دونوں یہ شرط لگادیں کہ دونوں میں سے جس کا بھی انتقال پہلے ہو جائے دوسرا اس کے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا، یا شوہر اس کے ساتھ وطی نہیں کرے گا یہ اور اس طرح کی جو شرطیں لگائی جائیں ان کا حکم یہ ہے کہ چونکہ یہ مقتضاء عقد کے خلاف ہیں، نیز ان کے ذریعہ عقد نکاح سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منعقد ہونے سے قبل ہی ساقط ہو جارہے ہیں، اس لئے اس طرح کی شرطیں شرعا باطل ہیں، ان پر عمل صحیح نہیں

ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی (۶/ ۵۵۰) میں لکھا ہے:

البتہ نکاح صحیح ہوگا، ان شروط کی وجہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۲۹۵، نیز دیکھئے: عنایہ ۳/ ۳۵۹، احکام الاسرہ فی الاسلام/ ۱۵۵ وغیرہ)۔

نئی ذمہ داری سے متعلق لگائی گئی شرط کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط عائد کرے جو نمبر (۱) اور (۲) کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، یعنی نہ تو مقتضاء عقد کے موافق ہے اور نہ ہی اس کے مخالف، بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری حاصل ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اسکے آبائی وطن میں ہی رکھے گا، یا عورت یہ شرط لگا دے کہ مہر کی ادائیگی کے لئے شوہر کے والدین یا اس کے فلاں رشتہ دار کفیل بن جائیں، یا اس کا یہ شرط لگانا کہ مہر کا اتنا حصہ فوراً ادا کرنا ہوگا، یہ اور اس طرح کی شرطیں جو (۱) اور (۲) کے ذیل میں نہیں آتی ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق اس طرح کی تمام شرطیں جائز ہیں اور ان کا پورا کرنا واجب ہے، البتہ ایسی شرط لگانا جس کی ممانعت صراحتہً کتاب وسنت میں موجود ہے صحیح نہیں ہے، جمہور علماء وفقہاء خصوصاً حنفیہ کے نزدیک ان میں سے وہ شرطیں جائز اور ان کا پورا کرنا واجب ہے، جو مقتضاء عقد کے لئے مؤکد ہیں، مثلاً مہر یا نفقہ کی ادائیگی کے لئے موکد ہے، یا عرفاً ثابت ہو، جیسے مہر کے کسی حصہ کو بطور مہر معجّل ادا کرنے کی شرط، یہ سب شرط صحیح کی تعریف میں داخل ہیں (دیکھئے: احکام الاسرۃ فی الاسلام/ ۱۵۵)۔

البتہ وہ شرطیں جن سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا، یا کسی امر مشروع سے ممانعت لازم آئے، یا جن سے متعلق کتاب وسنت میں کوئی صراحت موجود نہ ہو وہ صحیح نہیں ہیں، اور ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں پورا کرنا جائز نہیں ہے۔

ایک عورت کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرنا شرعا جائز ہے، اسی طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا یا سفر میں اپنے ساتھ لے جانا بھی جائز ومشروع ہے، عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسکی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، یہ امر مشروع سے روکنا ہے لہذا یہ شرط فاسد ہے، اس کا شرعا کوئی اعتبار نہیں ہے، شوہر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے (دیکھئے: عنایہ علی ھامش فتح القدیر ۳/۳۵۰ باب المہر)۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرط صحیح ودرست ہے اور اس کا پورا کرنا شوہر پر ضروری ہے، البتہ جمہور کا قول راجح اور عمل کے اعتبار سے سہل ہے۔

تفویض طلاق

اس ضمن میں یہ بحث آتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعا کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا؟ اور کیا شوہر اپنے اس حق طلاق کو تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کو شرعا اس کا اختیار ہوگا؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شرعا شوہر کو ہے نہ کہ عورت کو اور صاحب حق کو یہ اختیار ہے کہ اپنے حق کا استعمال خود کرے یا کسی کو نائب یا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ کرائے، یا کسی کو اپنا حق سپرد کردے اور وہ اس کو استعمال میں لائے، شوہر کو بھی شرعا یہ اختیار ہے کہ حق طلاق کو خود استعمال کرے یا کسی کو اپنا نائب ووکیل بنادے اور اس کو طلاق دینے کا اختیار دیدے، نائب ووکیل کو اختیار ملنے کے بعد طلاق دیدنے کا حق ہے اور ان کی طرف سے اختیار کے مطابق دی گئی طلاق بھی واقع ہوگی، اسی طرح شوہر اگر اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کردے خواہ اپنی طرف سے از خود تفویض کرے، یا بیوی کے شرط لگانے پر اس کو قبول کرلے تفویض صحیح

ہوگی اور بیوی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا، اور حق طلاق تفویض کرنے کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا اگر شوہر اس کو ختم کرنا چاہے تو بھی ختم نہیں کرسکتا، جیسا کہ ''المبسوط للسرخسی'' (۲۲۱/۴ طبع دارالفکر) میں ہے۔

علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں اس سلسلہ میں اچھی بحث کی ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ شوہر جب حق طلاق تفویض کردیتا ہے تو شوہر کی طرف سے تفویض لازم ہوجاتی ہے، اس کو حق سے رجوع، عورت کو منع کرنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

(الف) جس طرح کوئی شخص کسی کو اپنی کسی چیز کا مالک بنا دے تو وہ شخص مالک ہوجاتا ہے اور اصل مالک کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا، اسی طرح جب شوہر نے اپنے حق طلاق کا مالک بیوی کو بنادیا تو بیوی طلاق کی مالکہ ہوگئی شوہر کو رجوع یا اس کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب) طلاق کے وجود کے بعد رجعت ممکن نہیں، اسی طرح جب تفویض طلاق کے ذریعہ شوہر نے طلاق کا اختیار بیوی کو دیدیا تو اب اس سے رجوع اور اس کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔

(ج) تفویض طلاق میں درحقیقت طلاق کو عورت کی مشیت پر معلق کرنا ہے جو تعلیق طلاق کے مفہوم میں ہے، اور طلاق کو کسی چیز پر معلق کرنے کے بعد اپنے کلام سے رجوع اور تعلیق کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ تعلیق طلاق یمین کے معنی میں ہے اور یمین میں رجوع نہیں ہو سکتا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۱۸۲۲/۲)۔

طلاق دینے کی صورت میں مہر کی زیادتی کی شرط

نکاح میں شرائط کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ آتا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، یا اس طرح طے پائے کہ اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دی تو

بیس ہزار اور تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار ہوگا۔

تو کیا اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا؟

اس مسئلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، اس لئے کہ:

۱۔ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے جس کی اجازت ناگزیر حالات میں ہے، مختلف مراحل (اس کی تفصیل کتاب وسنت میں بھی موجود ہے) سے گذرنے کے بعد بھی نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو ایک طلاق دینے کی اجازت ہے، اور وہ بھی اس طہر میں جس میں ہم بستری نہ کی تو ہمارے اس زمانہ میں چونکہ لڑکوں کی شادی آسانی وسہولت سے ہوجاتی ہے، لڑکیاں آسانی سے مل جاتی ہیں، لیکن لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا کٹھن اور دشوار گزار ہوتا ہے، جہیز کی لعنت نے مسئلہ کو بہت ہی سنگین بنادیا ہے ان حالات میں شوہر پر کوئی ایسی پابندی جس کے نتیجہ میں وہ طلاق دینے سے گریز کرے، فقہ سے قریب اور مقاصد شرع سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ نیز کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی مشروعیت کا مقصد بھی طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے، یعنی شریعت نے مہر کو اس لئے مشروع کیا ہے تاکہ شوہر تھوڑی سی بات پر طلاق نہ دیدے، اگر مہر واجب نہ ہو تو شوہر تھوڑی سی ناراضگی کی صورت میں بھی رشتہ کو ختم کردے گا علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں اس کی مشروعیت کی حکمت پر بحث کی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۴؍۱۴۲۴)۔

جب مہر کی مشروعیت کا مقصد طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے تو بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر مہر بیس ہزار اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار ہوگا شرعا درست ہونا چاہئے۔

۳۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فقہ کے اس مشہور جزئیہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے پایا کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا، اس مسئلہ میں امام

صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو ہر ایک ہزار ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا، امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہو، اور امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح و درست ہیں، دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا (دیکھئے: ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۳/۳۵۹، ۳۵۱ باب المہر)۔

اس مسئلہ میں اصول افتاء کی رو سے اگر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ حالات اور ضرورت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے اور صاحبین کے قول پر عمل کرنا امام صاحب ہی کے قول پر سمجھا جائے گا کتنے مسائل ہیں جن میں صاحبین نے حالات وضرورت اور اپنے زمانہ کے عرف وعادت کی بنیاد پر امام صاحب کے قول کے خلاف فتوی دیا ہے، اور متاخرین فقہاء نے صاحبین کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، انہیں مسائل میں سے مساقات ومزارعت، دلالی کی اجرت اور حمام میں اجرت پر غسل کر جائز ہونا ہے۔

اس زمانہ میں، جبکہ تین طلاق کی کثرت ہے، شراب اور تاڑی کے نشہ میں طلاق دینا عام ہے، طلاق کے بعد عورت مظلوم بن کر در در کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے سہارا ہو جاتے ہیں، ان حالات میں تین طلاق کے انسداد کے لئے اگر صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے مذکورہ دونوں شرطوں کو جائز اور واجب العمل قرار دیا جائے تو یہ جائز اور مقاصد شرع کے موافق ہوگا۔

دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں زیادتی مہر کی شرط

البتہ اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے پائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر دوسری عورت نے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا، اس طرح کی شرط میرے خیال میں درست نہیں

ہے اور شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، اگر اس طرح مہر طے پایا تو شرط پوری کرنے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا، جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زائد نہ ہو، اس لئے کہ اس طرح کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے، اور درحقیقت امر مشروع سے روکنا ہے جو شرط فاسد ہے اور اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ شرط فاسد باطل ہوجاتی ہے، البتہ نکاح صحیح ہوتا ہے، نیز نہ تو مہر کی مشروعیت کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا ہے اور نہ ہی اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ہندوستان کے عرف میں دوسری شادی کرنا ہی معیوب ہے، اس شرط کو جائز قرار دے کر اس کی شناعت وقباحت میں مزید اضافہ کردینا ہے۔

ملازمت سے روکنے کی شرط

شوہر کو بیوی پر یہ حق ہے کہ اس کے گھر میں رہے اور گھر کے نظم کو سنبھالے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حقوق کی تنقیص ہورہی ہو یا اس کو ضرر ونقصان پہنچ رہا ہو یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے (دیکھئے: ردالمحتار باب النفقات ۲/ ٦٦٥)۔

شوہر کے گھر سے نکلنے اور ملازمت سے نہ روکنے کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہے، لہذا بوقت نکاح اس طرح کی شرط لگانے اور شوہر کے قبول کرنے کے بعد بھی شوہر اپنی بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے، بلکہ اگر ملازمت کے لئے گھر سے باہر جانے میں بے پردگی ہوتی ہو، غیر محرم سے بلا حجاب بات کرنی پڑتی ہو، شریعت کا قانون ٹوٹ رہا ہو تو شوہر پر ضروری ہے کہ اس طرح کی ملازمت سے بیوی کو روکے۔

خاص طور سے اس زمانہ میں ملازمت کی اجازت دینے میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، اس کے لئے بے حجاب جانا اور غیر محرم سے بے حجاب پوری آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنا عام ہے۔

صاحب ''مبسوط'' نے ''المبسوط للسرخسی'' میں عورتوں کے نقصانات کو بیان کرتے

ہوئے یہ لکھا ہے کہ عورتیں کمانے سے عاجز ہیں، اس لئے ان کا نفقہ شوہر یا والد یا دیگر رشتہ داروں پر ہے، عورتوں کو کمانے کی اجازت دینے کے سلسلے میں انہوں نے بہت ہی سخت بات لکھی ہے:

"عجز ظاهر عن الاكتساب وفى أمرها بالاكتساب فتنة فإن المراة إذا أمرت بالاكتساب اكتسبت بفرجها" (المبسوط للسرخسی ۱۸۵/۵)۔

البتہ اگر پردہ کا سخت نظم ہو، پردہ کے ساتھ جائیں اور پردہ کے ساتھ پڑھائیں، بالغ لڑکوں کو نہ پڑھانا ہو یا ایسا کام نہ ہو جس میں غیر محرم سے بے حجاب بات کرنی پڑتی ہو تو اس صورت میں شوہر اگر چاہے تو ملازمت کی اجازت دے سکتا ہے۔

نکاح میں مفید شرطیں لگانے کا حکم

مولانا شمس پیرزادہ

نکاح زوجین کے درمیان ایک پختہ عہد ہے، جس کو قرآن نے میثاق غلیظ سے تعبیر کیا ہے۔

"**وأخذن منکم میثاقا غلیظا**" (سورہ نساء:۲۱) (اور وہ (بیویاں) تم سے ایک پختہ عہد لے چکی ہے)۔

یہ عہد نہایت اہم ہے، کیونکہ اس کے ساتھ حقوق اور ذمہ داریاں وابستہ ہیں، اسی طرح شارع نے نکاح میں عظیم مصلحتوں کو پیش نظر رکھا ہے، مثلاً یہ مصلحت کہ زوجین کے درمیان مودت کے تعلقات ہوں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ ایک فریق دوسرے فریق کا استحصال نہ کرے، یعنی اس پر ناجائز دباؤ نہ ڈالے اور اس سے جبراً کوئی بات نہ منوائے۔

شریعت نے مرد کو اختیارات دیئے ہیں تا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا کرے اور گھر کا نظم قائم رکھے، اگر وہ ان اختیارات کو آمرانہ (Arbiterary) طریقہ پر استعمال کرتا ہے تو یہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے، آمرانہ طریقہ پر استعمال کرنے سے مرادمن مانے طریقہ پر استعمال کرنا ہے اور یہ عورت کے حق میں بڑی زیادتی ہے، اگر مرد ان اختیارات کو معروف طریقہ پر اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے تو ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہوں گی، اور اگر ہو جائیں تو ان کی ذمہ دار عورت ہی قرار پائے گی۔

مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ ازدواجی تعلقات کا آغاز مرد کی طرف سے خلوص ومحبت کے ہدیہ کے ساتھ ہو، نیز معاہدہ نکاح کی تقویت کا باعث بنے۔

ایک سے زائد نکاح کی اجازت اخلاقی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے دی گئی ہے، اور اس لئے بھی دی گئی ہے تاکہ ہنگامی طور پر جو معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے میں معاون ہو، لیکن یہ اجازت عدل کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اصل حکم یک زوجگی ہی کا ہے۔

شریعت نے مرد کو طلاق کا اختیار دے کر عورت کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے، بلکہ ازدواجی زندگی کو جذباتی فیصلوں سے بچانے کا ممکن حد تک سامان کیا ہے اور مرد کی زیادتی کی صورت میں عورت کے لئے گلوخلاصی کی راہ بھی رکھی ہے۔

اسلام نے ازدواجی مسائل کے حل کے لئے پُر پیچ طریقہ اختیار کرنے سے گریز کیا ہے اور گھر کے مسائل کو گھر ہی میں حل کرنے کے لئے مناسب طریقے رائج کئے ہیں اور ضروری ہدایات دی ہیں۔

نکاح کے ان مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شرائط پر گفتگو کرنا ہے، جن سے نکاح کو مشروط کر دیا گیا ہو، یہ شرائط تین قسم کی ہو سکتی ہیں:

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو شرط کی صورت میں عقد کے وقت ذکر کر دیا جائے، مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، ایسی شرط تحصیل حاصل ہے اور اس کا نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو ذمہ داری شریعت نے مرد پر عائد کی ہے، اس کو پورا کرنے کا بہر حال وہ پابند ہے۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرنا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس

کے ذمہ نہیں ہوگا، شرعاً ایسی شرط باطل ہے مگر نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر عقد نکاح پر مرتب نہیں ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تشترط المراة طلاق أختها" (بخاری کتاب الشروط) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط رکھے)۔

یعنی عورت اس شرط پر نکاح نہ کرے کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے، کنیز کے آزاد کردینے والے کو جو حق ولاء حاصل ہوتا ہے، اس کے خلاف جب ایک معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"الولاء لمن أعتق وإن اشترطوا مائة شرط" (بخاری کتاب الشروط)۔

(حق ولاء اس کا ہے جس نے کنیز کو آزاد کیا، خواہ اس کا مالک سو شرطیں لگائے)۔

اس سے یہ اصولی بات واضح ہوتی ہے کہ معاملات کے دو فریقوں کے درمیان شریعت نے جس کے جو حقوق مقرر کئے ہیں اگر ان میں سے کسی حق کے خلاف ایک فریق شرط عائد کرتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا نکاح کے معاملہ میں بھی اگر ایک فریق ایسی شرط عائد کرتا ہے، جو دوسرے فریق کے اس حق پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ کالعدم ہی سمجھی جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی اور جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، اس مسئلہ پر سلف کے درمیان اختلاف ہے، "مغنی" میں ہے:

’’نکاح کی شرطوں کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جس کو پورا کرنا لازم ہے، اور وہ ہے ایسی شرط جو منفعت اور فائدہ کی موجب ہو، مثلاً یہ شرط کہ شوہر بیوی کو اپنے گھر یا اپنے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس کو ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، یا اس کی موجودگی میں دوسری بیوی سے نکاح نہیں کرے گا، اور نہ لونڈی رکھے گا، ایسی شرط کا پورا کرنا لازم ہے اگر اسے پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور شریح، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے، البتہ زہری، قتادہ، ہشام ابن عروہ، مالک، لیث، ثوری، شافعی، ابن المنذر اور اصحاب الرأی نے اسے باطل قرار دیا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عقد ہوجاتا ہے لیکن مہر فاسد قرار پاتا ہے اور عورت کے لئے مہر مثل لازم آتا ہے، ان حضرات کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے، اگرچہ ایسی شرطیں سو ہوں، اور یہ شرط کتاب الٰہی میں نہیں ہے، کیونکہ شریعت اس کی متقاضی نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: ’’مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو‘‘، اور یہ شرط حلال کو حرام ٹھہراتی ہے، یعنی دوسری بیوی، لونڈی اور سفر کی حلت کو حرمت میں بدل دیتی ہے، اور اس لئے بھی کہ ایسی شرط عائد کرنے میں نہ عقد کی مصلحت ہے اور نہ اس کا تقاضا ہے اور نہ ہی وہ مروجہ اور نافذ العمل طور طریقوں پر مبنی ہے، اس لئے ایسی شرط فاسد ہے اور یہ ایسا ہی ہے، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ وہ اپنے کو شوہر کے حوالہ نہیں کرے گی‘‘ (المغنی ۶/۵۴۸)۔

جو علماء ایسی شرائط کے جواز کے قائل ہیں، ان کا سب سے بڑا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے: ’’**أحق الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج**‘‘ (بخاری کتاب الشروط) (وہ شرائط پورے کئے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورتوں کو اپنے لئے حلال کرلیا ہے)۔

لیکن حدیث کے الفاظ: "مااستحللتم به الفروج" (جن کے ذریعہ تم نے فروج کو حلال کرلیا ہے) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شروط سے مراد شریعت کی عائد کردہ وہ شرطیں ہیں جن کو قبول کر کے وہ نکاح کے بندھن میں بندھ جاتا ہے، مثلاً مہر، نفقہ، حقوق کی ادائیگی، حسن معاشرت وغیرہ، "فتح الباری" میں ہے:

"خطابی کہتے ہیں کہ نکاح کی شرطیں مختلف ہیں، بعض وہ ہیں جن کو پورا کرنے پر سب کا اتفاق ہے اور وہ ہیں اللہ کے دئے ہوئے احکام، مثلاً معروف طریقہ پر عورت کو رکھنا یا خوبصورتی کے ساتھ اسے رخصت کرنا اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے" (فتح الباری ۹؍۱۷۹)۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں ایک حدیث نقل کی ہے جو عورت کی اس شرط کو کہ وہ اس مرد کے بعد دوسرا نکاح نہیں کرے گی، ناجائز قرار دیتی ہے، لکھتے ہیں:

"طبرانی نے "الصغیر" میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کی اسناد حسن، حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مبشر بنت براء بن معرور کو نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا: میری شرط اپنے شوہر کے لئے یہ ہے کہ میں اس کے بعد نکاح نہیں کروں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درست نہیں ہے" (فتح الباری ۹؍۱۷۹)۔

اسی پر اس شرط کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو دوسرے نکاح کے بارے میں عورت کی طرف سے مرد پر عائد کی جائے۔

حافظ ابن حجر نے امام شافعی کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایسی شرط جو نکاح کے مقتضی (مقصد) کے منافی ہو، مثلاً یہ کہ اس کے لئے شب باشی کی باری مقرر نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کی موجودگی میں لونڈی نہیں رکھے گا، یا اس کا نفقہ ادا نہیں کرے گا، تو اس قسم کی شرطوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہے" (فتح الباری ۹؍۱۷۹)۔

اس لئے ایسی شرطیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف ہوں اور جن سے شریعت کے عطا کردہ حقوق متاثر ہوتے ہوں، ان کو نہ جائز کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کو پورا کرنا واجب قرار پاتا

ہے، البتہ بعض ایسی شرطیں ہوسکتی ہیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف بھی نہ ہوں اور جن کا مقصد کسی فریق کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے سے بچانا یا اس کے لئے اطمینان بخش زندگی گذارنے کا سامان کرنا ہے، مثلاً عورت کی طرف سے یہ شرط کہ مرد ملک سے باہر ملازمت کے لئے نہیں جائے گا، یا عورت کے لئے علیحدہ فلیٹ کا انتظام کرے گا، یا اس کے لئے خادمہ رکھے گا تو ان شرطوں کو پورا کرنا اتفاقاً ضروری ہے، اگر نہیں کرے گا تو عہد کی خلاف ورزی کا گناہ لازم آئے گا اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مرد سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں عدالت سے نکاح فسخ کرالے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے:

"مقاطع الحقوق عند الشروط" (البخاری ۹/ ۱۷۸) (شروط کی پابندی حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے)۔

تفویض طلاق:

تفویض طلاق کی تشریح ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے "مجموعہ قوانین اسلام" میں اس طرح کی ہے:

"تفویض طلاق (Delegation of the power of divorce) کے معنی ہیں: طلاق دینے کا اختیار اپنی زوجہ کے سپرد کرنا، چنانچہ عورت کا مرد سے نکاح کے وقت یہ شرط طے کرنا کہ وہ طلاق کی مختار ہے، شرعاً صحیح ہے، اسی طرح شوہر کا اپنی زوجہ کو قیام نکاح کے دوران حق طلاق تفویض کرنا بھی جائز ہے، ملک شام کے عائلی قانون کے تحت بھی شوہر کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔

اگر زوجہ نے بوقت نکاح شوہر سے حق طلاق حاصل کرلیا ہو یا وہ نکاح کے بعد اس حق کی مالک بن گئی ہو تو وہ اس حق کو استعمال کرکے خود کو طلاق دے کر رشتہ زوجیت قطع کرسکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے کہ شوہر نے زوجہ کو وہ طلاق خود دی ہو۔

تفویض طلاق کے بعد شوہر زوجہ کے اس حق کو فسخ نہیں کرسکتا، کیونکہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بنفسہ مالک ہوجاتی، خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے

کرے، البتہ اگر تفویض طلاق معین مدت کے لئے ہو اور وہ مدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہو جائے گا۔

لیکن شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہیں ہوگا، چنانچہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دیا اور پھر خود اس کو طلاق بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفویض سے ملکیت کیونکر پیدا ہوئی؟ اور اگر ملکیت عورت کو حاصل ہوگئی تو پھر مرد کا حق طلاق کیونکر باقی رہا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تفویض طلاق دراصل خیار طلاق ہے اور خیار دینا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا مالک بنانا ہوتا ہے، کیونکہ مخیّر (جس کو اختیار دیا گیا) اس فعل میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے، لہٰذا اگر شوہر اپنی زوجہ کو خیار طلاق تفویض کرتا ہے تو گویا وہ اپنی زوجہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ خود کو طلاق دے کر اس مرد کے رشتہ زوجیت سے علیحدہ کر سکتی ہے، اور ایسی صورت میں ظاہر کہ عورت مالکہ ہو کر (متصرف) ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ مرد کی اس ملکیت میں عورت بھی تصرف کر سکتی ہے جو اس مرد کے علاوہ ہے نہ کہ بجائے (مجموعہ قوانین اسلام مطبوعہ پاکستان ۲/ ۳۹۲، ۳۹۳)۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے بھی اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' (مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی و دیگر علماء) میں تفویض طلاق کو فقہ حنفی کی روشنی میں جائز قرار دیا گیا ہے اور کابین نامہ کے لئے نمونہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

ضروری اقتباسات

''اس قسم کا'' کابین نامہ'' لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے اور اس اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں، اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جائے، چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوالیا جائے، چاہے بعد میں لکھوایا جائے'' (الحیلۃ الناجزۃ / ۳۰، ۳۱)۔

حضرت تھانویؒ نے یہ وضاحت بھی کردی ہے:

''شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے'' (الحیلۃ الناجزہ/۳۷)۔

اور ''ہدایہ'' میں ہے:

''اگر شوہر نے بیوی سے کہا، جب چاہو اپنے کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنے کو طلاق دیدے'' (ہدایہ/۱۹۶)۔

علماء اور فقہاء کی یہ تصریحات تفویض طلاق کو جائز قرار دیتی ہیں، لیکن تحقیقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی کوئی قوی دلیل ہمیں نہیں ملتی، درحقیقت قرآن وسنت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور جس آیت سے اس کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، بنائے استدلال آیت تخییر ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

''یا ایھا النبی قل لازواجک إن کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین أمتعکن وأسرحکن سراحا جمیلاً'' (سورہ احزاب/۲۸)۔

(اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو، اگر تم دنیا کی زندگی، اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں)۔

فقہاء نے اس تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، یعنی اس صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق نافذ کرلے، جبکہ اس آیت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی ازواج سے معلوم کرلیں کہ وہ دنیا کی زیب وزینت چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کو، اگر دنیا کی زیب وزینت چاہتی ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کردیا جائے، یعنی ان کی یہ مرضی معلوم ہونے کے بعد آپ انہیں طلاق دے دیں، اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اگر آپ کی ازواج دنیا کی زینت

چاہتیں تو طلاق خود بخود واقع ہوجاتی، آیت میں طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کے یہ الفاظ "اسرحکن سراحا جمیلا" میں خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں' صاف بتار ہے ہیں کہ آپ کے جدا کرنے سے وہ جدا ہوجائیں، لہٰذا اس تخییر (اختیار) کو تفویض طلاق پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

چنانچہ ابن حجر ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

''لیکن آیت تخییر کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مجرد تخییر سے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے طلاق دینے ہی سے طلاق واقع ہوسکتی ہے، کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے، آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر رخصت کردوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ازواج کے اس فیصلہ کے بعد (کہ وہ دنیا کی زینت کو ترجیح دیتی ہیں) انہیں رخصت کردیا جائے، اور الفاظ کی دلالت مفہوم کی دلالت پر مقدم ہے'' (فتح الباری ۹/ ۳۰۳)۔

لہٰذا تفویض طلاق کا جواز آیت تخییر سے ثابت نہیں ہوتا،

قرآن نے طلاق کا اختیار مرد ہی کو دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"الذی بیدہ عقدۃ النکاح" (سورہ بقرۃ/ ۲۳۷) (مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے)۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی گرہ کھولنا، یعنی طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہاں اس اس اندیشہ کا اظہار بھی کیا گیا ہے:

''چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں'' (الحیلۃ الناجزۃ/ ۳۲)۔

اور اس خطرہ سے بچنے کی صورت یہ پیش کی گئی ہے کہ کابین نامہ میں دس اشخاص کے نام پیش کئے جائیں جن میں کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ عورت کو مرد کی طرف سے شدید تکلیف پہنچ رہی ہے، اگر دو آدمی عورت کی بات صحیح تسلیم کرلیں اور تین آدمی اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کریں تو کیا صورت ہوگی، یہ دو آدمی صرف عورت کی بات سنیں گے یا مرد کی بھی، اگر صرف عورت

کی بات سنیں گے تو یہ ایک طرفہ فیصلہ ہوگا اور اگر مرد کی بھی سنیں گے تو متضاد بیانات کی صورت میں گواہ وغیرہ کی ضرورت ہوگی، مطلب یہ ہے کہ پھر یہ مسئلہ دار القضاء کا بن جاتا ہے، اور اس صورت میں یہ شرط بے معنیٰ ہوکر رہ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہماری نگاہ اس پہلو پر بھی ہونی چاہئے کہ موجودہ دور میں جو مسلمان اسلام کے عائلی قوانین سے مطمئن نہیں ہیں اور ان میں ترمیم کے درپے ہیں یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر ایک '' کابین نامہ'' تیار کیا جائے جس میں مرد عورت کو یہ پیشگی اختیار دے کہ فلاں اور فلاں صورت میں عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے، تفویض طلاق کے اس حیلہ کو اختیار کرکے وہ مرد وزن مین مساوات کا اصول قائم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اس کی ہرگز تائید نہیں کی جاسکتی۔

نکاح کا موقع مرد اور عورت کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کا ہوتا ہے اور تعلقات اسی صورت میں خوشگوار ہوسکتے ہیں، جبکہ باہمی اعتماد کی فضا ہو، ایسے موقع پر ناچاقی اور طلاق کا تصور ہی مرد اور عورت دونوں کی نفسیات پر برا اثر ڈالنے والا ہے اور جب عورت کی طرف سے شرائط کی بات آئے گی تو مرد بھی اپنی شرطیں پیش کرے گا، اس طرح دونوں کے ذہن پر اس کے خراب اثرات پڑیں گے، دراصل کابین نامہ کا تصور ہی باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا ہے اور ان مصالح سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا جو نکاح میں ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

اگر متقدمین نے تفویض طلاق کی اجازت دی تھی تو اس کی حیثیت ایک فقہی جزئیہ کی تھی، جس سے اس وقت کے حالات میں کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا، لیکن اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر موجودہ حالات میں اس کی عام اجازت دینا، کسی طرح صحیح نہیں، اسلام میں عزل کی اجازت ایک جزئیہ کی حیثیت سے موجود ہے، تو کیا اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ جیسے منصوبے بنانے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو تفویض طلاق کے بارے میں بھی ایک فقہی جزئیہ کو کلیہ کی شکل دینے اور کابین نامہ میں

اسے درج کرانے کی ترغیب لوگوں کو نہیں دی جاسکتی۔

طلاق کی صورت میں مہر مین زیادتی کی شرط:

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے تو اس طرح مہر طے کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ طریقہ اس معروف طریقے کے خلاف ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے، اور جس پر صحابہ کرام عمل پیرا رہے ہیں، یہ گویا جرمانہ کی صورت ہے اور جرمانہ اس صورت میں تو صریح ظلم ہوگا، جبکہ مرد نے عورت کی زیادتیوں سے تنگ آکر اسے طلاق دی ہو، رہا ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام تو جب یہ اقدام غیر مشروع ہے تو بیک وقت تین طلاقوں کا واقع ہونا بھی غیر مشروع ہے، لہذا اس تکلف کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو مذکورہ صورت میں بیان کی گئی ہے۔

امام بخاری نے ''کتاب الشرائط'' میں باب باندھا ہے ''**الشروط فی المهر عند عقد النكاح**'' (نکاح کے وقت مہر مین شرطیں رکھنا) لیکن ان شرطوں سے مراد معروف شرطیں ہیں، مثلاً یہ کہ مہر کس شکل میں ادا کیا جائے گا اور کب، نہ یہ کہ مہر میں کسی شرط کی بنا پر کمی وبیشی کی جائے گی۔

قران نے عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

''**و آتوا النساء صدقاتهن نحلة**'' (سورۂ نساء:۳) (عورتوں کو ان کے مکہر خوشدلی سے عطیہ کے طور پر دو)۔

اور مہر میں جرمانہ کی صورت مین خوش دلی کے ساتھ عطیہ کے طور پر اسے دینے کی صورت برقرار نہیں رہتی، اس لئے مہر کی زیادتی کی شرط صحیح نہیں۔

حنفی مسلک میں بھی امام زفر نے ان دونوں شرطوں کو فاسد کہا ہے جس مین عورت کا مہر اس کی سکونت کو برقرار رکھنے کی صورت میں ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار

طے کر دیا گیا ہو (ہدایہ ۱/ ۱۶۳)۔

ہماری سوسائٹی میں طلاق کا جو بے جا استعمال ہو رہا ہے اس کو روکنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تو صحیح نہ ہوگا، جس سے نفس طلاق پر قدغن عائد ہوتی ہو یا طلاق کو قطع نظر اس بات کے کہ ضروری تھی یا نہیں، جرم قرار دے کر شوہر پر جرمانہ عائد کرتی ہو، البتہ اگر عدالت یا دار القضاء عورت کے بیان سے مطمئن ہو کہ شوہر نے اس کو ناحق طلاق دی ہے تو اس پر مطلقہ کے لئے مکان مہیا کرنے یا ایک مدت تک مزید نفقہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں کوئی مناسب تدبیر اختیار کرنا ضروری ہوگیا ہے، اس سلسلہ میں سوریہ (شام) کے قانون ازدواج سے مدد لی جاسکتی ہے جس میں طلاق تعسف کے بارے میں کیا گیا ہے:

''دفعہ (۱۱۷)......اگر مرد بیوی کو طلاق دے اور قاضی پر واضح ہوجائے کہ شوہر نے کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق دی ہے جس میں وہ زیادتی کا مرتکب ہوا ہے اور جس کی وجہ سے بیوی کو تنگی اور فاقہ سے دوچار ہونا پڑے گا تو قاضی کے لئے جائز ہوگا کہ وہ حالت اور جس درجہ کی زیادتی ہوئی، اس کی مناسبت سے عورت کو معاوضہ دینے کا شوہر کو حکم دے جو اس حیثیت کی عورتوں کے ایک سال کے نفقہ سے زیادہ نہ ہو علاوہ عدت کے نفقہ کے، اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ حسب تقاضاء حال اس معاوضہ کو یک مشت یا ماہانا ادا کرنے کا حکم دے'' (قانون الأحوال الشخصیہ فی الجمہوریۃ السوریہ/ ۳۲، اس موضوع پر بین الاقوامی قانون جاننے کے لئے دیکھئے: الاحوال الشخصیہ للدکتور احمد الغندور/ ۳۵۴، ۳۵۷)۔

دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں مہر میں اضافہ:

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس عورت کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی یا نہیں؟

دونوں شرطیں شرعاً نہ معتبر ہوں گی اور نہ واجب العمل، کیونکہ دوسرا نکاح کرنا ہر حال میں

جرم نہیں ہے کہ شوہر اس کا جرمانہ لازماً ادا کرے، قرآن نے دوسری بیوی کرنے کی مشروط اجازت دی ہے اور اگر اس شرط کو پورا کرتا ہے تو وہ اپنی پہلی بیوی کو جرمانہ کیوں ادا کرے؟ مہر میں اس قسم کی شرطوں سے وہ مصالح فوت ہوجاتے ہیں جو سوال (۱) کے جواب میں اوپر بیان کئے گئے۔

عورت کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط:

عورت اگر نکاح کے وقت یہ شرط پیش کرتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے اس ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس شرط کی شرعا کیا حیثیت ہوگی؟

موجودہ دور میں ملت کے مصالح اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورتوں سے تعلیمی وطبی خدمات، نیز دوسری ایسی خدمات جو عورتوں کے لئے مخصوص ہوں، عورتوں ہی سے لی جائیں، نیز انفرادی حالات بھی ایسے ہوسکتے ہیں کہ عورت ملازمت کرتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کوئی مناسب انتظام کرسکتی ہے۔

لہٰذا ملازمت کی شرط کو اگر شوہر نے قبول کرلیا ہے تو اس کی پابندی اس کے لئے ضروری ہے، الا یہ کہ ملازمت میں شرعی حدود کا لحاظ نہ کیا جاسکے یا شوہر کو یا بچوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو وہ اپنا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرسکتی ہے اور قاضی مناسب حال حکم دے سکتا ہے۔

کیا اشتراط فی النکاح شریعت میں پسندیدہ ہے؟:

نکاح میں شرطیں عائد کرنا، شرعا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے جس کی لوگوں کو ترغیب دی جائے، کیونکہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس شرط کو شوہر نے قبول کرلیا ہے، اس کو شوہر نباہ سکے گا، اور حالات اس میں مانع نہیں ہوں گے، اگر حالات مساعد نہیں ہوئے تو دونوں کے درمیان نزاع پیدا

ہو جائے گا، اس لئے امام مالک نے شروط کو مکروہ (ناپسندیدہ) کہا ہے۔

"شرطیں.... بالعموم.... امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں، اور منقول ہے کہ وہ لوگوں کو شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے تھے" (الأحوال الشخصیہ للدکتور احمد الغندور ۲۹۷)۔

موجودہ معاشرہ میں عورتوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہو رہا ہے جو اسلام انہیں دینا چاہتا ہے، ان کے حقوق بری طرح متاثر ہو رہے ہیں، خاندان کا جہاں قدیم ڈھانچہ ہے، وہاں عام طور سے انہیں گھٹن کی زندگی گزارنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور جہاں عورتیں مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی ہیں، وہاں وہ نہ شوہر کو خاطر میں لاتی ہیں اور نہ شرعی حدود کا لحاظ کرتی ہیں، لہٰذا معاشرہ میں عائلی زندگی سے متعلق جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کا حل اشتراط فی النکاح یا کابین نامہ نہیں ہے، بلکہ ایسی تدابیر کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف ان میں اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس ابھارے، ان میں ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کا شعور پیدا کرے، اور ناچاقی بالعموم جن وجوہ سے پیدا ہوتی ہے، ان سے بچنے کی صورتیں تجویز کرے، علاوہ ازیں قضاء شرعی کا ممکن حد تک انتظام کیا جائے اور جن عورتوں کو ناحق طلاق (طلاق تعسف) دینے کی بناء پر ضرر پہنچ رہا ہو، ان کو ان شوہروں سے مناسب معاوضہ (Compensation) دلوانے کا عدالت اور قاضی کو اختیار دیا جائے، جس کے لئے ایکٹ بنانے کی سفارش کی جائے، اس قسم کی ٹھوس تدابیر اختیار کئے بغیر نہ معاشرتی اصلاح کا کام مؤثر طریقہ پر انجام پاسکتا ہے اور نہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

نکاح میں شرائط، اقسام اور احکام

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی

شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

شرائط اور احکام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) عقد نکاح سے شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ شرعاً واجب ہوجاتا ہے، جب عورت شوہر کے حق زوجیت کی ادائیگی کے لئے اس کے زیر کنٹرول ہو، اس صورت میں بوقت نکاح اگر اسقاط نفقہ کی شرط شوہر عائد کرے، یا بیوی پابندی نفقہ کی شرط شوہر پر لگائے تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور نان ونفقہ کی ادائیگی ہر حال میں شوہر کے ذمہ لازم ہوگی۔

(۲) شوہر کا ایسی ذمہ داری سے گریز کرنا جو شرعاً اس پر عائد ہوتی ہے، مثلاً نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، بالکل باطل ہے، اور اگر بیوی نے اس کی منظوری بھی دیدی ہو تب بھی شوہر پر نفقہ زوجہ کی ادائیگی لازم ہوگی، شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، اور نکاح بہر حال صحیح ہوگا، کیونکہ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، "**النکاح لایبطل بالشروط الفاسدة**" (حاشیہ ہدایہ ۳۲۷/۲)۔

قاضی خاں لکھتے ہیں:

"کسی شخص نے عورت سے ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا، بایں شرط کہ وہ عورت کا نفقہ نہیں

دے گا، اور عورت کا مہر مثل ایک سو روپیہ ہو تب بھی عورت کو ایک ہزار روپیہ مہر اور نان ونفقہ ملے گا''۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دو صورتوں کے ذیل میں نہ آتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، شرعاً ایک جائز شرط ہے، اور شرعاً ''غیر لازمی ذمہ داری'' کے تحت داخل ہے، لیکن فریقین کی منظوری کے بعد بہ اختیار خود لازم الایفاء شرط ہے تاہم اگر شوہر اس قسم کی شرط پوری نہ کرے تو اس سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وفائے شرط کی صورت میں حسب شرط حکم لگایا جائے گا، لیکن اگر ایسی شرط پوری نہ کی گئی، تو اس جیسی عورت کے لئے جتنا مہر مناسب ہوتا ہو اتنا (مہر مثل) شوہر کے ذمہ لازم ہوگا۔

''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے:

کسی شخص نے عورت سے نکاح دو ایسی چیزوں پر کیا جن میں سے ایک مال ہو اور دوسری چیز مال نہ ہو، لیکن اس میں عورت کا نفع ہو، مثلاً یہ شرط کہ ہونے والا شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے، یا یہ شرط کہ شوہر اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس جیسی کوئی اور شرط ہو تو اگر شوہر شرط پوری نہ کرے تو اسے عورت کو مہر مثل دینا ہوگا (فتاویٰ قاضی خاں ۱/۱۷۶)۔

(۴) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے، تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی حقدار ہوگی، اور یہ صورت ''تفویض طلاق'' کے ذیل میں آئے گی، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شوہر اپنے حق طلاق کو عورت کے حوالے کردے اور اسے طلاق دینے یا نہ دینے میں بہ اختیار اور مالک بنادے۔

کیا تفویض طلاق واپس لی جاسکتی ہے؟:

تفویض طلاق چونکہ تملیک کی ایک قسم ہے توکیل نہیں ہے، اس لئے شرط کی منظوری کے بعد شوہر کو تفویض طلاق ختم کرنے یا واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا احسن نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يصح رجوع الزوج عن التفويض، لأنه تمليك لا توكيل"
(کنز الدقائق ر ۱۲۲)۔

(شوہر کا تفویض طلاق کو واپس لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تفویض تملیک (مالک بنا دینا) ہے، توکیل (نمائندہ یا ایجنٹ بنانے) کے معنیٰ میں نہیں)۔

مولانا نانوتوی "کنز الدقائق" کے متن "ولا يملک الرجوع" کی تشریح کرتے ہوئے مزید وضاحت فرماتے ہیں:

شوہر تفویض طلاق سے رجوع کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا، خواہ یہ تفویض کے تینوں الفاظ میں سے کسی ایک کے ذریعہ واقع ہو جیسے (۱) تجھے اختیار ہے، (۲) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے (۳) خود کو طلاق دے لے، اس لئے کہ تفویض میں تعلیق کے معنیٰ بھی موجود ہیں (یعنی شوہر، عورت کے اختیار پر طلاق کو معلق کرتا ہے) اور بہ اعتبار تملیک عورت کو طلاق دینے کا اختیار مجلس تک ہی محدود رہے گا، اور باعتبار تعلیق اس تفویض سے رجوع صحیح نہیں، نیز عورت کو اس حق سے معزول کرنا اور روکنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ تعلیق تصرف لازم (حسب منشاء اختیار کا استعمال) ہے، لہٰذا رجوع درست نہیں (کنوز الحقائق حاشیۃ کنز الدقائق ر ۱۲۴)۔

تفویض طلاق کی مدت:

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عورت کا اختیار طلاق "تفویض مطلق" میں مجلس تفویض تک ہی محدود رہے گا، اور تبدیلی مجلس یا تبدیلی مجلس پر دلالت کرنے والے افعال سے یہ اختیار باقی نہ رہے گا، البتہ "تفویض موقت" میں اختیار طلاق وقت مقرر تک حسب شرط باقی رہے گا۔

شرائط کب معتبر ہوں گی:

رہی یہ بات کہ نکاح بشرط تفویض طلاق، یا دیگر شرائط متعلقہ بالنکاح کس وقت معتبر ہوں گی؟ اس کی ممکنہ تین صورتیں ہیں:

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور طرفین منظوری دیدیں یا اس تحریر پر

دستخط کردیں۔

۲۔عقد نکاح میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو، قبول مشروط ہو۔

۳۔عقد نکاح کے بعد طرفین میں کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے اوراس پر دستخط کردیا جائے۔

اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرائط کی نوعیت کے اعتبار سے ان کے احکام میں فرق ہوگا۔

(الف) جن شرائط میں عورت کا نفع ہو اور وہ فعل زوج سے متعلق ہوں تو وہ مذکوہ تینوں صورتوں میں معتبر ہوں گی، جیسے شہر یا آبائی وطن سے عورت کو باہر نہ جانے کی شرط۔

(ب) ایسی شرائط جو لازمی ذمہ داری سے گریز کے ہم معنی ہوں، جیسے عدم نفقہ، یا عدم مہر، یا عدم میراث کی شرطیں، تو یہ تینوں صورتوں میں باطل ہوں گی، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل، وإن اشترط مأة شرط ،وشرط الله أحق وأوفق'' (بخاری ۱/۲۸۹)۔

(جوشخص ایسی شرط لگائے گا جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے، اگرچہ ایک سو شرطیں لگائے، اور اللہ کی شرط کو پورا کرنا زیادہ ضروری اور مناسب ہے)۔

(ج) ایسی شرائط جو ملک نکاح کے ثبوت پر موقوف ہوں، اور تقاضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں جیسے طلاق، یا تفویض کی شرط، تو اس کا اعتبار صرف بعد النکاح ہوسکتا ہے قبل النکاح یا بوقت نکاح ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی، خواہ ایجاب مشروط ہو اور قبول مطلق ہو، یا ایجاب مطلق ہو ارقبول مشروط ہو، لیکن اس معاملہ کی ایک صورت ایسی ہے جس سے بظاہر ایسی شرط کا قبل النکاح معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ بعد النکاح ہی معتبر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عند النکاح عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو اور شوہر قبول نکاح کرتے ہوئے اس شرط کو منظور

کرے، تو یہ شرط بھی اس لئے معتبر ہوگی کہ اس کی منظوری فی الواقع بعد النکاح ہورہی ہے ''فتاوی قاضی خاں'' میں فصل فی النکاح علی الشرط کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح نقل کی گئی ہے:

''ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو طلاق ہے، یا اس شرط پر کیا کہ طلاق کے بارے میں طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، تو امام محمد نے ''الجامع'' میں فرمایا کہ نکاح تو جائز ہوجائے گا، لیکن طلاق باطل ہوگی اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہیں رہے گا۔

اور فتاوی میں حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ جب کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ دس دن کے اندر اس کو طلاق ہے یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو دس دنوں کے بعد طلاق دینے کا اختیار ہے تو نکاح جائز ہے اور طلاق باطل ہے اور عورت طلاق دینے کے اختیار کی مالک نہیں ہوگی۔

اور فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب شوہر نے شرط کی شروعات کی ہو اور یوں کہا ہو کہ میں نے تجھ سے نکاح اس شرط پر کیا کہ تجھے طلاق ہے......اور اگر عورت نے اپنی طرف سے شرط کی ابتداء کی ہو اور یوں کہا ہو کہ ''میں نے اپنا نکاح تجھ سے کر دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے، یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، میں جب چاہوں خود کو طلاق دے ڈالوں'' اور شوہر نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہے اور طلاق واقع ہوجائے گی، اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب شرط کی ابتداء شوہر کی طرف سے ہو تو طلاق اور اختیار طلاق کی سپردگی دونوں قبل النکاح ہوئی، لہذا طلاق اور تفویض کی شرط صحیح نہیں ہوئی۔

اور جب شرط کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو تفویض بعد النکاح ہوگی (بنا بریں تفویض صحیح ہوئی) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شوہر نے عوت کے کلام کے بعد قبلت کہا، اور قاعدہ یہ ہے کہ جواب میں مذکور چیز کا اعادہ شامل ہوتا ہے، تو گویا یہ کلام ایسا ہوگیا جیسے شوہر نے کہا ہو کہ میں

نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے، یا طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں نکاح کی منظوری پہلے ہوئی اور شوہر اختیا طلاق کو عورت کے سپرد کرنے ولا بعد النکاح قرار پایا'' (فتاوی قاضی خاں ۱/ ۱۵۵)۔

تفویض طلاق اور احتیاطی قیود:

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ شوہر کو قبل النکاح یا بوقت نکاح تفویض طلاق کا حق حاصل نہیں ہے، وہ بعد النکاح ہی اپنا حق طلاق عورت کو سونپ سکتا ہے، مگر اس صورت میں بھی عورت کی ذات سے سخت اندیشہ ہے کہ مصالح شرعیہ ضائع ہوجائیں، کیونکہ عورت فطری طور پر جذباتی ہوتی ہے اور طلاق کا اختیار حاصل کرنے کے بعد ذرا سی بات پر وہ رشتہ نکاح کو توڑ سکتی ہے، جیسا کہ یورپ کی عورتوں میں جنہیں قانونا حق طلاق حاصل ہے، ۶۰ فیصد عورتوں کا شادی کے تین چار مہینوں کے بعد ہی شوہر سے علیحدگی اختیار کر لینے کا رواج عام ہے اور اس سے ۳۸ فیصد بچوں میں ماں باپ کی مشترکہ شفقت و تربیت سے محرومی کے سبب خطرناک جرائم کے ارتکاب کا رجحان اور معاشی تنگی اور اخلاقی مسائل کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے، موجودہ صورت حال کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ تفویض طلاق کے دروازہ کو بند کر دیا جائے اور تفویض طلاق کے ساتھ احتیاطی قیود کے اضافے کی کوئی راہ نہ ڈھونڈی جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ احتیاطی قیود کے بطن سے ایسی مضرتیں پھوٹ پڑیں، جو مصالح نکاح کو ضائع کر دیں اور سد باب مشکل ہوجائے۔

مقدار مہر میں اضافہ کی شرط:

رہ گیا یہ مسئلہ کہ شوہر کو طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت نکاح مہر کی تعیین مشروط طریقے پر کی جائے، مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر تمام عمر طلاق نہ دے تو مہر پانچ ہزار اور اگر طلاق دے تو پندرہ ہزار تو یہ صورت میری نظر میں شرط باطل کی قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس شرط کا مقصد شوہر کا طلاق دینے کے اختیار شرعی سے روکنا ہے جو منصوص طور پر اس کو حاصل ہے، لہذا ایسی شرط من ''اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل'' کے ذیل

میں آتی ہے جو باطل اور غیر معتبر ہے، لہذا بصورت طلاق پندرہ ہزار کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی، بلکہ مہر مثل دینا ہوگا، اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ فریقین کے درمیان مزاج کی ناہمواری یا خود شوہر یا بیوی کی کسی ناقابل برداشت حرکت کے سبب طلاق ناگزیر ہوجاتی ہے، ایسی حالت میں شوہر پر بطور مہر بڑی رقم کی ادائیگی کی شرط لگانا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

دو مشروط مقدار مہر:

رہ گئی اشتراط فی النکاح کی یہ صورت کہ شوہر نے بوقت عقد نکاح دو مہروں کا ذکر کیا اور دونوں کو کسی اور شرط پر معلق کیا، مثلاً اس نے کہا: میری کوئی دوسری بیوی نہ ہوتو ایک ہزار روپیہ مہر اور اگر کوئی اور بیوی ہوتو دو ہزار مہر یا یوں کہا کہ اس کو وطن سے نہ نکالے تو ایک ہزار اور نکالے تو دو ہزار، اس مسئلہ میں اگر چہ بعض نے دونوں شرطوں کو جائز رکھا ہے، اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دیا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط ثانی جائز نہیں ہے، پس یہ شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل دینا ہوگا، کیونکہ شرط معلق کا وجود بوقت عقد نامعلوم اور مجہول ہے اور امام زفر کے یہاں دونوں شرطیں ناجائز ہیں، کیونکہ ملک بضع کے بالمقابل دو بدلوں کا ذکر علی سبیل البدلیہ کیا گیا ہے، لہذا دونوں نامعلوم اور مجہول ہوگئے، پس مہر مثل لازم ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ اس شکل میں مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں، اور امام مالک ان شرطوں پر سرے سے نکاح کو ہی فاسد کہتے ہیں اور حنابلہ بھی شرط پوری نہ کرنے پر فساد نکاح کا حکم لگاتے ہیں (دیکھئے: کنوز الحقائق ر ۱۰۵) اور اسی جیسی دوسری شرط، مثلاً اگر عورت بدصورت ہوتو ایک ہزار مہر اور خوبصورت ہوتو دو ہزار مہر، کی صورت میں اگر چہ دونوں شرطوں کے جواز کو بلا خلاف نقل کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہی ان کے اصول کے مطابق صحیح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ (قاضی خاں ار ۱۵۵، زیلعی اور صاحب نہر الفائق) کے کلام سے ظاہر ہے اور علامہ شامی نے بھی یہ تفصیلات ذکر کی ہے (ردالمحتار ۲ر ۳۴۸) اور ابن الہمام نے تو بالکل صاف صاف یہ فرمایا ہے: ''اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ خوبصورتی و بدصورتی والے مسئلہ میں صاحبین اور امام ابوحنیفہ کے

درمیان اختلاف کو ثابت مانا جائے چونکہ نوادر ابن سماعہ میں امام محمد سے اس مسئلہ میں اختلاف صراحتاً منقول ہے'' (فتح القدیر ۲/۴۶۰)۔

اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب کے قول کے خلاف اصحاب فتاوی نے کوئی فتوی صادر نہیں کیا، لہذا ترجیح انہیں کے قول کو حاصل ہوگی اور اس مختلف فیہ مسئلہ کو مندرجہ ذیل مسئلہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جائے گا۔

طلاق اور عدم طلاق کی شرط پر مخصوص مہر:

بوقت عقد نکاح یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر عورت کو طلاق دے تو مہر بیس ہزار روپیہ اور شوہر طلاق نہ دے تو دس ہزار روپیہ اور شرط کو جائز قرار دینا اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دینا نہایت ہی مشکل ہے، پھر یہ مسئلہ چونکہ دونوں تسمیہ کو طلاق پر معلق کرنے کی شرط سے تعلق رکھتا ہے جب کہ شرعاً شوہر کو طلاق دینے یا نہ دینے کا حق برابر درجہ میں حاصل ہے، لہذا بڑی رقم کے دباؤ سے اس کو اس حق سے دست بردار کرنے کے لئے شرط لگانا میرے نزدیک شرط باطل ہے، لہذا شوہر طلاق دیدے تو مہر مثل لازم ہوگا نہ کہ مشروط رقم، برخلاف مذکورہ بالا صورت کے کہ اس میں شرط کا تعلق عورت کی منفعت اور شوہر کے حسن ومعاشرت سے ہے اور اس میں شوہر کے کسی شرعی حق کو متاثر نہیں کیا گیا ہے، پھر بھی اس میں امام اعظم کے نزدیک عدم وفاء شرط کی صورت میں مہر مثل لازم ہے تو زیر بحث مسئلہ میں جب اس کا حق متاثر ہوتا ہے بدرجہ اولی مہر مثل لازم ہوگا۔

طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں:

میں سمجھتا ہوں کہ شوہر کو طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت نکاح کسی ایسے معاہدہ کا پابند کیا جائے جس کے مطابق اگر وہ عورت کو جلد بلا قصور طلاق دیدے تو بطور متعہ ایک خطیر رقم کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم قرار دی جائے، یہ صورت غالباً اذوق بالقرآن بھی ہوگی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

''وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ'' (سورہ بقرہ: ۲۴۱)۔

(اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے)۔

اگرچہ حسب تصریحات فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب درجہ میں ہے تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشاد نبوی کے عین موافق ہوگا۔

"أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج" (فتح القدیر ۲/۴۵۹)۔

(شرطوں کا حق ہے کہ ان کو پورا کرو جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہ کو حلال بنایا ہے)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بلاقصور عورت کو طلاق دینے پر شوہر کے لئے کوئی تادیبی سزا مقرر کی جائے، جیسا کہ حضرت عمر تین طلاق بیک وقت دینے والے پر درے لگایا کرتے تھے، اگرچہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر تادیبی سزا پر عمل کسی آزاد ادارہ یا اصلاحی انجمنوں کے لئے سخت مشکل ہے، لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے دو طلاق دینے پر قانونا ایک سال یا چھ مہینے قید با مشقت کی سزا دلانے کی سفارش حکومت ہند سے کی جاسکتی ہے۔

نکاح ثانی کرنے اور نہ کرنے پر کم وبیش مہر کی شرط:

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

تو اس مسئلہ میں بھی "نکاح کیا تو تیس ہزار" والی شرط غیر معتبر اور غیر لازم العمل ہے، اگر شوہر نے دوسرا نکاح کرلیا تب بھی اس پر مہر مثل ہی لازم ہوگا، کیونکہ اصحاب فتاوی نے صاحبین کے قول پر فتوی نہیں دیا ہے، اور یہ چونکہ مسئلہ بھی مذکورہ بالا مسئلہ کی نظیر ہے، لہذا یہ بھی مابین الامام والصاحبین مختلف فیہ رہے گا اور امام صاحب کے ہی قول پر فتوی دیا جائے گا، جیسا کہ مذکورہ مسئلہ میں ارباب فتاوی نے دیا ہے۔

نکاح بشرط ملازمت:

اگر نکاح کے وقت عورت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ شوہر انہیں لگی

ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اس کو کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول کرتا ہے تو اس مسئلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ عورت شادی کے بعد بحق شوہر محبوس ہوتی ہے، اور قرآن حکیم کے مطابق شوہر حاکم اور بیوی محکوم ہے، لہذا شرط منظور کرنے کے باوجود شوہر اپنی بیوی کو لگی ہوئی ملازمت سے دست بردار کرنے کا حق دار ہے اور نئی ملازمت کے کرنے سے روک سکتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ شرعا واجب ہے تو بیوی کو ملازمت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر آج کل کے دور فتنہ میں جبکہ ملازمت دینے والے اداروں میں بے پردگی اور جاہلہ فیشن عام ہے اور ملازم مرد وعورت کا اختلاط ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے، عورت خود بے پردہ نہ ہو تو نیکر دھاری بے پردہ مردوں کا سامنا تو بہرحال کرنا ہی پڑتا ہے، ان اداروں کا ایسا ہی حال ہے کہ جیسے فقہاء متقدمین کے زمانے میں حمام کا حال تھا جسے پبلک باتھ روم کہنا چاہئے اور ان حماموں میں بلا اجازت شوہر عورت کے آنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

حماموں میں عورتوں کا جانا اس وقت مباح ہے جب اس میں کوئی آدمی بے پردہ نہ ہو، اور اس بناء پر عورتوں کو ان میں جانے سے روکنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ پتہ ہے کہ اکثر عورتیں وہاں بے پردہ ہوتی ہیں جو خود عورتوں کو ملازمت پر جانے کے لئے شرعی طور پر اس بات کی پابندی کرنی ہوگی کہ وہ زیب وزینت ترک کرکے ایسے لباس وپوشاک میں جائیں جو مردوں کے لئے جاذب نظر نہ ہو (فتح القدیر ۲/۳۳۶)۔

اور رسومات جاہلیت سے مزاج آشنا ادارے اس کو برداشت نہیں کرسکتے، اس لئے ترک ملازمت ہی مناسب ہے، البتہ اگر کسی گرل اسکول میں ملازمت ہو جہاں سارا نظام عورتوں کے ہاتھ میں ہو یا کوئی مدرسۃ البنات ہو، جہاں مردوں کے داخلہ پر پابندی ہو اور آنے جانے میں بے پردگی کے فتنے سے بچاؤ کا اہتمام ہو، تو ایسی صورت میں قبول شرط کے بعد شوہر کو ملازمت سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

عقد زواج میں اضافی شرط

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ☆

نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح بالاتفاق درست ہے، اختلاف ایفاء شرط کے لازم ہونے اور نہ ہونے میں ہے، حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد کے ذمہ شرط پوری کرنا واجب نہیں ہے (اسی کے قائل امام زہری، قتادہ، ہشام بن عروہ، لیث، ثوری اور ابن المنذر ہیں (المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۷ ۳۳، تحفۃ الفقہا ۱/ ۵ ۱۳، التاتارخانیہ ۳/ ۱۰۰، المدونۃ الکبری ۲/ ۱۶۱، المغنی ۷/ ۲۱۲)۔

البتہ مالکیہ ایک شرط کا اضافہ کرتے ہوئے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس شرط کے ساتھ یمین طلاق یا عتق شامل نہ ہو، ورنہ شوہر کے ذمہ ایفاء شرط ضروری ہے اور اگر شوہر مشروط کو بروئے کار نہیں لاتا ہے یا شرط کے خلاف عمل کرتا ہے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (المغنی ۷/ ۱۷، بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۹، القواعد النورانیۃ الفقہیہ/ ۲۱۲)۔

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

واجب الایفاء شرط اسے کہتے ہیں، جس کا فائدہ عورت کو پہنچے، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو مرد اپنے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، تو شوہر کے ذمہ ایسی شرط کو بروئے کار لانا ضروری ہے اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عمر بن العاص سے مروی ہے، یہی قول شریح عمر بن عبد العزیز جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی اور اسحاق کا بھی ہے (المغنی ۷/۱، بدایۃ المجتہد ۹۵/۲، القواعد النورانیۃ الفقہیہ / ۲۱۲، ۲۲۹)۔

قائلین کے دلائل

حنابلہ اور دیگر علماء جو واجب الایفاء کے قائل ہیں، ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ "**یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**" (سورہ مائدۃ:۱)۔

اسی طرح وہ تمام آیتیں اور احادیث استدلال میں پیش کرتے ہیں، جو ایفاء عہد پر دلالت کرتی ہیں (دیکھئے: القواعد النورانیۃ الفقہیہ / ۲۱۴، ۲۱۹)۔

۲۔ "**عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ قال :أحق الشروط أن یوفی به مااستحللتم به الفروج**" (مسلم باب الوفاء بالشروط فی النکاح ۱/ ۴۵۵)۔

(حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شرطیں سب سے زیادہ قابل ایفاء ہیں وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہیں حلال ہوجاتی ہیں)۔

۳۔ "**المسلمون علی شروطهم**" (البیہقی کتاب الوقف باب الصدقۃ علی ماشرط الواقف ۱۶۶/۶)۔

(مسلمان اپنے شرطوں پر قائم رہتا ہے)۔

۴۔ "**روی عبد الرزاق عن عبد الرحمن بن غنم قال:شهدت عمر بن الخطاب واختصم علیه فی امرأة شرط لها زوجها أن لا یخرجها من دار ها فقال عمر لها شرطها**" (المصنف عبد الرزاق "باب الشروط فی النکاح" ۲۲۷/۶)۔

(امام عبد الرزاق نے عبد الرحمٰن بن غنم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ انہوں نے

فرمایا: میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس موجود تھا، ان کے پاس ایک عورت کے متعلق مقدمہ آیا کہ اس کے شوہر نے (عقد نکاح کے وقت) شرط لگائی کہ اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، حضرت عمر نے فرمایا: عورت کے لئے سکونت شرط کے مطابق ہے)۔

۵-علامہ ابن قدامہ اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس وجہ سے کہ اس شرط میں عورت کا فائدہ ہے، مقصد نکاح کے لئے حارج بھی نہیں ہے، لہذا یہ شرط لازم ہوگی، جس طرح عورت مرد پر زیادتی مہر کی شرط لگائے، یا مروجہ سکہ کے علاوہ مہر کو مشروط کرے (المغنی ۷/۱۷)۔

۶۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ عقود، معاملات اور شروط میں اصل صحت ہے، لہذا شوہر کے ذمہ عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہوگی۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

''جب جنس وعدہ پورا کرنا اور ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل عقود وشروط کا صحیح ہونا ہے، صحیح ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کا اثر ظاہر ہو، اور عقد کا مقصد ایفاء شرط ہے، کیونکہ شارع کا عہد و پیمان کے مقصد کو بروئے کار لانے کا حکم دینا دلیل اس بات کی ہے کہ اس میں اصل اباحت اور درستگی ہے (القواعد النورانیہ الفقہیہ/۲۱۹)۔

مانعین کے دلائل

شافعیہ، حنفیہ اور جو حضرات شرط کو پورا کرنا ضروری قرار نہیں دیتے ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ا۔''**ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وإن کان مأة شرط**''
(البیہقی عن عائشۃ کتاب الشرکۃ ''باب الشرط فی الشرکۃ وغیرھا'' ۷/۷۹)۔

(وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے، گرچہ سو ہی شرطیں کیوں نہ ہو)۔

اور مذکورہ شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے، اس لئے یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

۲۔''المسلمون على شروطهم إلا شرطا أحل حراما أوحرم حلالا''
(المصدر السابق عن کثیر بن عبداللہ المزنی عن ابیہ عن جدہ ۷/ ۷۹)۔
(مسلمان شرائط کے پابند ہیں،مگر ایسی شرط جوحرام کوحلال قرار دے، یا حلال کوحرام بتائے)۔
مذکورہ شرطیں حلال ومباح کوحرام قرار دیتی ہیں، جیسے دوسری شادی کرنا، بیوی کے ساتھ سفرکرنا حلال ومباح ہے،لیکن مشروط کی صورت میں حرام ہوجاتا ہے (تبیین الحقائق ۲/ ۱۴۹)۔
۳- ''ابوبکر بزاز محمد بن عبدالرحمٰن سلمانی اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ اپنے ان شرائط کے پابند ہیں، جوحق کے موافق ہو''۔
اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہیں،لیکن مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں بعض بعض کے لئے باعث تقویت ہے (القواعد النورانیۃ الفقہیہ/ ۲۲۰ طبع بیروت)۔
۴۔اور چونکہ اس طرح کی شرطیں نہ مصلحت نکاح میں سے ہیں اور نہ مقاصد عقد اوراس کے مقتضیات میں سے ہیں۔

ترجیح:

حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں فریق کا استدلال صحیح ہے،لیکن اصولی طور پر حنابلہ کے قول کوترجیح حاصل ہوتی ہے، کیونکہ شافعیہ وحنفیہ کا استدلال عام ہےاور حنابلہ کا مستدل خاص ہے۔
۱۔۲۔۳۔اب ہم قائلین کی دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں،ان کا مستدل وہ تمام آیتیں ہیں ،جن میں مطلق ایفاء عہد کا ذکر ہے، حدیث پاک: ''المسلمون على شروطهم''، ''أحق الشروط أن يوفى به الخ''اس طرح دیگر احادیث مقید ہیں، جب ایسی شرطیں ہوں جوحلال کو حلال ہی قرار دیتی ہوں تو کیا انہیں بروئے کار لانا ضروری ہے؟اس سلسلہ میں یہ مذکورہ احادیث خاموش ہیں، دوسری حدیث میں اس طرف واضح الفاظ میں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا:
''مسلمان اپنے عہد و میثاق کے پابند ہیں، ہاں اگر ایسی شرط و پیمان ہو جوحرام کوحلال،

یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو تو اس کے پابند نہیں ہیں''۔

امام نووی حنابلہ کے مستدل احادیث کا محمل امام شافعی اور دوسرے علماء کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''احق الشروط.....'' والی کے بارے میں امام شافعی اور اکثر دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ محمول ہے ان شرائط پر جو تقاضۂ عقد نکاح کے منافی نہ ہو، بلکہ مقاصد نکاح اور مقتضیات عقد میں سے ہو، جیسے عورت کے ساتھ حسن وخوبی کے ساتھ رہنے کی شرط عائد کرنا، اور اس کے اوپر خرچ کرنے کی شرط لگانا'' (شرح مسلم للنووی ۱ر ۴۵۵)۔

اس توضیح کی تائید شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے''، یعنی ہر وہ شرط جو قرآن مجید، سنت رسول اور اجماع سے ثابت نہ ہو وہ کتاب اللہ میں شامل نہیں ہے، بخلاف اس کے جو سنت و اجماع میں ہے تو وہ کتاب اللہ میں ہے، جو اتباع سنت اور اجماع پر قرآن کی دلالت صریح ہے (القواعد النورانیۃ الفقہیہ ر ۲۰۹)۔

۴۔ جہاں تک حضرت عمر کے اثر کی بات ہے تو وہ حدیث موقوف ہے اور وہ حدیث مرفوع صحیح کے مقابلہ میں مرجوح ہے، کیوں کہ دلیلوں کے تعارض کے وقت قوی تر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے (الحموی ۱ر ۱۹۷)۔

ابن رشد قرطبی نے جو اصولیین کے حوالہ سے **''القضابالخصوص علی الصوم''** نقل کیا ہے، یہ ضابطہ حنابلہ کے خلاف شافعیہ وحنفیہ کی تائید کرتا ہے، کیونکہ **''المسلمون علی شروطھم ''**، **'' أحق الشروط أن یوفی الخ''** عام ہے، دوسری حدیث جس میں **''إلاشرطا احل حراما ''** اور **''الناس علی شروطھم ماوافق الحق ''** منصوص ہے۔

شیخ الاسلا ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اصل درستگی ہے، یہ بجاء ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا مطلق ؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قدامہ بھی مطلق کے قائل نہیں ہیں (القواعد النورانیۃ الفقہیہ ر ۲۲۹، المغنی ۷ر ۴۷) معلوم ہوا کہ مقید ہے اور وہ یہ کہ اس کی دلیل معارض نہ ہو، یہ اس وقت

ہوگا جب کہ مقصد نکاح مشروط ہونہ کہ مصالح نکاح کے خلاف ہو۔

مذکورہ تجزیہ ومحاکمہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حنفیہ وشافعیہ کی رائے اصول شرع، روح اسلام اور دلائل شرعیہ سے قریب تر ہے، اور حنابلہ کی رائے میں عورتوں کے لئے کشائش ہے، خصوصاً ہندو پاک کی موجودہ حالت میں عورتوں کے لئے دوسری شادی ایک مشکل مسئلہ ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، اسی طرح بسا اوقات شوہر آبائی وطن سے کہیں اور ذریعہ معاش کے لئے جاتا ہے، تبدیلی مکان سے ان میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، اور عورت کو معلقہ چھوڑ دیتا ہے، کبھی وہیں بود وباش اختیار کر لیتا ہے، جس سے عورت کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، یہاں اسلامی سلطنت بھی نہیں ہے کہ اس کی تادیب وسرزنش کی جاسکے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ حنفیہ کے اصول استحسان کو اختیار کرتے ہوئے حنابلہ کے مذہب پر فتوی دیا جائے یا پھر تعلیق بالشرط کے اصول سے مدد لی جائے جس کے تحت مذکورہ فتنہ کا سد باب بھی ممکن ہے۔

تفویض طلاق کا حکم

۱۔ تفویض طلاق کی تینوں قسمیں شوہر کی طرف سے لازم ہیں، اسے اپنے قول سے رجوع کا حق ساقط ہوجاتا ہے (فتح القدیر ۳/ ۴۱۲، الدر المختار ورد المحتار ۳/ ۳۳۲) اسی کے قائل شافعیہ بھی ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ نقلاً عن مغنی المحتاج ۳/ ۲۸۵، ۲۸۷)۔

۲۔ شوہر کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کو اپنے ارادہ سے باز رکھے یا وہ اسے فسخ کردے، کیونکہ طلاق کا مالک بنادینے کے بعد اس کی ولایت ملکیت طلاق سے ختم ہوگئی (بدائع ۳/ ۱۱۳) حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک شوہر اپنے قول سے رجوع کر سکتا ہے، اور عورت کے قبول کرنے سے پہلے فسخ کرسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تفویض طلاق دراصل توکیل ہے، اس میں بیوی اور غیر شخص کی تفریق نہیں ہے (المغنی ۷/ ۳۰۸) جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

۳۔ تفویض مطلق (وقت وزمانے سے خالی ہو) میں انتہاء مجلس اگر عورت مجلس میں

ہے، اور اگر غائب ہے تو جس مجلس میں اسے تفویض طلاق کی اطلاع ملی تو اس کے انتہا تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے (ہدایہ ۲؍۴۱۰)۔

۴۔ اگر تفویض طلاق وقت کے ساتھ مقید ہو، جیسے مرد کہتا ہے "أمرک بیدک إذا شئت" تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، جیسے تم چاہو، تو اس عورت کو مجلس اور مجلس کے بعد بھی جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا (بدائع ۳؍۱۱۵)۔

۵۔ اگر تفویض متعین زمانے کے ساتھ مقید ہو تو عورت کو پورے وقت میں حق طلاق حاصل ہوگا، اگر بالغرض اسے تفویض طلاق کا علم نہیں ہوسکا، یہاں تک پورا وقت گذر گیا تو اب عورت کو حق طلاق حاصل نہیں ہوگا، جیسے مرد کہے "أمرک بیدک یوما" (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ایک دن) یا کہے "أمرک بیدک الیوم" (آج تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) پہلی صورت میں تفویض طلاق کے وقت سے لے کر چوبیس گھنٹے تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، دوسری صورت میں شوہر کے تکلم کے وقت سے لے کر دن کے بقیہ حصوں میں حق طلاق رہے گا پھر ساقط ہوجائے گا۔

۶۔ تفویض **معلق** مشروط ہو، اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وقت و زمانہ سے خالی ہو جیسے "إذاقدم فلان فأمرک بیدک" یعنی جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا، فلاں شخص آیا، عورت کو اس کی آمد کا علم جس مجلس میں ہوا، اسی میں اسے حق طلاق ہے، اس مجلس کے برخواست ہونے کے بعد ساقط ہوجائے گا۔

۲۔ مطلق وقت کے ساتھ مقید ہو جیسے "إذا قدم فلان فأمر ک بیدک متی شئت" جب فلاں آدمی آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہاے ہاتھ میں ہوگا جب تم چاہو، فلاں شخص کی آمد کی خبر جس مجلس مین ملی، اسی حد تک حق طلاق نہیں ہوگا، بلکہ دوسری مجلس میں بھی حق طلاق ہوگا۔

۳۔ متعین وقت و زمانہ کے ساتھ تفویض معلق ہو جیسے "إذا قدم فلان فأمرک

بیدک یوما" جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ایک دن ہوگا اور اس نے "إذا قدم فلان فامرک بیدک الیوم" کہا یعنی جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دن کے بقیہ حصہ میں ہوگا (تلخیص بدائع ۳/ ۱۱۳، ۱۱۶، التاتارخانیہ ۳/ ۳۳۰ وغیرہ)۔

عقد نکاح سے قبل شرائط کی حیثیت

اتنی بات مسلم ہے کہ نکاح سے قبل طلاق لغو ہے، کیونکہ طلاق کا محل نکاح ہے، لیکن جب طلاق کی نسبت نکاح کی جانب کی جائے تو نکاح کے بعد واقع ہوجاتی ہے (الدر المختار ورد المختار ۳/ ۳۴۴) یہی مالکیہ وحنفیہ کا مذہب ہے، حضرت عمر بن الخطاب، ابن مسعود، ابن عمر، ابوبکر، عمرو بن حزم، عبدالرحمٰن، شریح، زہری، سعید بن المسیب، نخعی، شعبی، مکحول، سالم بن عبداللہ، عطا، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی، قاسم، عمر بن عبدالعزیز اور ابن ابی لیلی کا قول یہی ہے، امام شافعی اور احمد کا اختلاف ہے، چونکہ احادیث دونوں طرح کی ہیں، اور صحابہ کے آثار بھی متعارض ہیں، علامہ عینی اور علامہ ابن الہمام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہیں اور احادیث پر کلام کیا ہے، امام شافعی کی مستدل احادیث کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور مختلف وجوہات کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے (دیکھئے: عینی شرح ہدایہ ۲/ ۲۹۴، فتح القدیر ۳/ ۴۴۲، ۴۴۳)۔

ٹھیک اسی طرح سے تفویض طلاق ملک نکاح کے ساتھ معلق ہو تو عقد نکاح کے بعد تفویض طلاق کا تحقق ہوجائے گا مذکورہ تفصیلات کے ساتھ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ ۲/ ۳۸۶، ہندیہ ۱/ ۴۱۵، درمختار بہامش الرد ۳/ ۳۵۲ وغیرہ)۔

عقد نکاح میں شرائط ذکر کرنا (ج "۲")

عقد نکاح کے وقت طلاق مشروط ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ شوہر کی جانب سے ابتداء ہو کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، یا یہ کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اسے طلاق ہے، دونوں ہی صورتوں میں صحیح قول کے مطابق نکاح درست ہوجائے گا اور شرط باطل ہوگی، ایسا ہی

امام محمد نے جامع میں ذکر کیا ہے، امام حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں اور ابواللیث نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ تفویض طلاق اور طلاق ملکیت نکاح سے پہلے پائی گئی، اور یہ باطل ہے(الخانیہ بھامش الہندیہ ۳۲۹/۳)۔

۲۔عورت شرط لگائے کہ میں نے اپنی شادی تم سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کروں، یا جب جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کروں، شوہر اسے قبول کرلے، تو حق طلاق عورت کو حاصل ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں ملکیت نکاح کے بعد تفویض طلاق ہورہی ہے، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے ''السوال معاد فی الجواب'' (الاشباہ لابن نجیم ۱۷۷/ طبع دارالفکر)۔

''خانیہ'' میں ہے:

''کیونکہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد ''قبلت'' میں نے قبول کیا کہا، اصول یہ ہے کہ جواب سوال کے مضمون کو شامل ہوتا ہے، لہذا گویا کہ اس نے یہ کہا'' میں نے عقد نکاح قبول کیا اس شرط پر کہ معاملہ (طلاق تمہارے ہاتھ میں ہوگا'' بس یہاں تفویض طلاق نکاح کے بعد پایا گیا'' (خانیہ علی الہندیہ ۳۲۹/۳)۔

مذکورہ تفویض طلاق کے اصول کے مطابق عورت کو پہلی صورت'' جب چاہوں بمعنی ''إذا أردت، متی أردت'' میں حق طلاق انشاء عقد کی مجلس تک محدود ہوگا، دوسری صورت ''جب چاہوں بمعنی کلما ارید'' میں عقد کی مجلس اور اس کے بعد جب چاہے وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے، لیکن پہلی صورت میں ایک ہی بار طلاق دینے کا اختیار ہوگا، اور دوسری صورت میں اس ملکیت نکاح کی تین طلاق تک دے سکتی ہے۔

طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے تدبیر

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے۔

دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نکاح درست ہے، اس لئے کہ شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا ''**النکاح لایبطل بالشرط الفاسد**'' (المبسوط ۵/۹۵، الہدایہ ۲/۳۳۱، فتح القدیر ۳/۱۱۰)۔

امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں، اور مہر مثل لازم ہوگا، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور شرط کے تحت مہر مسمی لازم ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط کو بروئے کار لانے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط کی خلاف ورزی کی حالت میں مہر مثل لازم ہوگا (دیکھئے: بدائع ۲/۲۸۵، السراجیہ/۳۹، المبسوط ۵/۹۰، التاتارخانیہ ۳/۱۰)۔

ہمارے خیال میں امام صاحب کا قول معتدل معلوم ہوتا ہے، جس کی تائید حنفیہ کے اصول سے ہوتی ہے، علامہ زیلعی اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

''دونوں مہر مسمی میں سے ایک فوری ہے اور ایک معلق ہے، دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے، لہذا جب شوہر عورت کو باہر سفر میں لے گیا، تو دونوں مسمی کا اجتماع ہوگیا، لہذا دونوں باطل ہوگئے، اس لئے کہ جس شئی کو کسی چیز کے وجود پر موقوف کیا جاتا ہے، اس کے پائے جانے سے پہلے وہ نہیں پائی جاسکتی، معلق کے پائے جانے سے فوری لازم شئی معدوم نہیں ہوتی، لہذا شرط کے پائے جانے کے وقت دونوں مہر مسمی کا اجتماع لازم آئے گا، نہ کہ اس کے وجود سے قبل'' (تبیین الحقائق ۲/۱۴۹)۔

اور چونکہ عورت نے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط لگائی ہے، اور یہ ایسی شرط ہے جو عقد نکاح کے مقتضی کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''**فانکحو اماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع**'' (العنایہ مع الفتح ۳/۲۳۱) پس شادی نہ کرنے کی شرط لگانا ایک

مشروع چیز سے روکنا ہے۔

پھر امام صاحب کا قول کہ اصل مہر واجب مہر مثل ہے، ظاہر حال کہ موافق ہے، لہذا مہر مثل کے بجائے مقرر مہر اس وقت درست ہوگا جب کہ وہ ہر اعتبار سے درست ہو، چنانچہ صاحب ہدایہ نے ایک جگہ اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

"والظاهر شاهد لمن يشهد له مهر المثل لأنه هو الموجب الأصلي في باب النكاح" (ہدایہ مع الفتح ۳؍۲۵۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اسی طرف امام زیلعی کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے (دیکھئے: تبیین الحقائق ۲؍۱۴۹) اور صاحبین کی رائے میں لوگوں کے لئے کشائش ہے۔

نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کرنا (ج "۳")

عقد نکاح کے بعد دوران زوجیت تفویض طلاق خواہ وہ تحریری شکل میں ہو یا زبانی بلا اختلاف درست ہے، چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تمہارے اختیار میں تین طلاق ہے، اس شرط پر کہ تم اپنا مہر معاف کردو "**امر ثلاث تطليقات بيد ك ان ابرتني عن مهر ك**" عورت نے جواب میں کہا مجھے طلاق کا وکیل بنادو، مرد نے اس سے کہا: ٹھیک ہے، تم میری وکیل ہو، تم اپنے آپ کو طلاق دے لو، عورت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی، طلاق کا اختیار ساقط ہوگیا، اگر وہ اب اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ عورت کو طلاق کا وکیل بنانا دراصل طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیک میں حق طلاق مجلس ہی تک رہتا ہے، وہاں اگر مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے تو واقع ہوجائے گی بشرطیکہ وہ پہلے مہر معاف کردے، اگر اس نے مہر معاف نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ تفویض طلاق مہر سے برات پر متعلق ہے (الخانیہ بھامش الہندیہ ۳؍۵۲۱)۔

عورت کا ملازمت سے سبکدوش نہ ہونے کی شرط (۳)

ملازمت کی خواہش مند عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو ہونیوالا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے شوہر پر ایسی شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط مقصد نکاح کے خلاف ہے، لہذا عقد نکاح درست ہوگا، اور شرط باطل ہوجائے گی، یہ حنفیہ (المبسوط ۵/۹۵، الخانیہ بھامش الہندیہ ۳/۳۳۱) اور شافعیہ کا مذہب ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۹۳)، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط درست ہے، البتہ حنابلہ مشروط کو بروئے کار لانا ضروری قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ مشروط کو عملی جامہ پہنانے کو ناپسند کرتے ہیں (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

پس اگر شوہر عورت سے مطالبہ کرے کہ وہ ملازمت سے سبکدوش ہوجائے یا یہ کہ وہ ملازمت حاصل کرنے کی سعی ترک کردے تو عورت پر حکم کی تعمیل واجب ہے ورنہ وہ ناشزہ ہوگی، اور شوہر پر اس کا نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت پر جانے سے شوہر کا حق متاثر ہورہا ہے، اسی بنیاد پر فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے روا نہیں کہ وہ شیر خوار بچے کو اجرت پر لے اور دودھ پلائے، اگرچہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی، لیکن اسے بچے کی نگہداشت ونگہبانی میں وقت صرف کرنا ہوگا، اور بدن کا تکان ہوگا جس کی وجہ سے شوہر کما حقہ اس سے متمتع نہیں ہوسکتا (الدرالمختار ورد المحتار ۳/۵۷۷) اس کی علت پر علامہ شامی روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”لأن فی الإرضاع والسهر تتعب وذلک ینقص جمالها وجمالها حق الزوج فکان له أن یمنعها“ (رد المحتار ۳/۵۷۷)۔

(کیونکہ دودھ پلانے اور شب بیداری میں تکان ہوگا جس کی وجہ سے اس کے حسن وجمال میں منفی اثر مرتب ہوگا، اور حسن وخوبصورتی شوہر کا حق ہے، لہذا اسے اختیار ہے کہ عورت کو

اس عمل سے باز رکھے)۔

لہذا مذکورہ صورت میں شوہر کے لئے شرط کی تکمیل واجب نہیں، بلکہ اسے حق حاصل ہے کہ عورت سے ملازمت سے سبکدوشی کا مطالبہ کرے، یا اگر وہ ملازمت کی تلاش میں ہے تو اسے باز رکھے، اگر عورت اپنے عمل سے باز نہیں آتی تو نافرمان سمجھی جائے گی، اور شوہر کے ذمہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ ملازمت کے لئے آمد ورفت میں نقصانات اور فتنے الگ ہیں اور مرد کا بھی احتباس ہے وہ مفقود ہو رہا ہے۔

نکاح میں شرط کے ذریعہ خواتین کو حق طلاق

مولانا محمد طیب الرحمٰن ☆

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان تینوں قسم کی شرائط کے بارے میں شریعت کا حکم مع الدلائل ذیل میں مرقوم ہے:

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو اگر شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا جائے تو یہ شرعا جائز ہے، مثلا بیوی کا یہ شرط کو لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ نیک زندگی گزارنا ہوگا، اس کا نفقہ، سکنی شوہر کے ذمہ ہوگا، ایسا ہی زوج کا یہ شرط لگانا کہ بیوی ان کی اجازت کے علاوہ ان کے گھر سے نہ نکلے، نفل روزہ نہ رکھے، ان کے مال واسباب میں تصرف نہ کرے اور اس جیسی شرائط۔

مشکوۃ میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ''**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أحق الشروط أن توفو ا به مااستحللتم به الفروج**'' (**متفق علیه**) (نیز دیکھئے: مرقات المفاتیح ۶/۲۱۱، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۸۰ وغیرہ)۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے

☆ سابق امیر شریعت، صوبہ آسام

والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا تو ایسی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا، بلکہ نکاح بدستور منعقد ہوجائے گا، ایسی شرط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شرط لغو ہوگی اور اس پر عمل نہ کیا جائیگا (دیکھئے: فتاوی قاضی خاں ۱/۳۳۱، فتاوی ہندیہ ۱/۳۹، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۸۰)۔

(۳) عقد نکاح کے وقت کوئی فریق اگر ایسی شرط لگائے جو عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہے، بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے، بلکہ ایک وعدہ کے درجہ میں ہے جس کو پورا کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے، کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۸۵، ۲/۲۷۷، عنایہ علی الہدایہ ۲/۴۵۸، الاشباہ والنظائر ۲/۴۵۲)۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو یہ شرعاً جائز ہے اور اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہو تو شرط بے کار ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، نکاح کے وقت اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرے تو بعد میں اس تفویض طلاق کو ختم کرنے کا اختیار ان کو نہ رہے گا (دیکھئے: فتاوی قاضی خان ۱/۳۳۹، فتاوی ہندیہ ۱/۱۱۲، ردالمحتار ۲/۶۵۵، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۳۲۸)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

(۱) عقد نکاح سے پہلے اگر شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط

ہوجائیں تو اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت موجود ہو، مثلاً یہ شرط طے کی جائے اور ازواج کی طرف سے لکھا جائے کہ فلانہ بنت فلاں کے ساتھ میں اگر نکاح کروں تو ان کو فلاں فلاں شکلوں میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا حق ہوگا تو ایسی صورت میں اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اور اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوئے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا، کیوں کہ عقد نکاح سے پہلے زوج کو طلاق کی ملکیت نہیں ہوتی اور ملکیت سے پہلے تفویض نہیں ہوسکتی (دیکھئے: درمختار ورد المحتار ۲/ ۶۲۸)۔

(۲) عقد نکاح کے وقت اگر شرائط کا ذکر کیا جائے اور مشروط ایجاب ہو اور وہ عورت کی طرف سے ہو تو قبول مطلق ہو یا مشروط یعنی شوہر چاہے یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، اور چاہے یوں کہے کہ میں نے شرائط کے ساتھ قبول کیا، دونوں صورتوں میں شرط معتبر ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، عورت کی طرف سے شرط تفویض کو ذکر نہ کرتے ہوئے اگر مطلق ایجاب ہو اور شوہر کی طرف سے شرط تفویض کو اضافہ کرتے ہوئے مشروط قبول ہو تو بھی تفویض صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہو اور وہ ایجاب کے وقت شرط لگائے اور عورت اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ ابتداءً اگر زوج کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے تمام ہونے کے پہلے ہوگی اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ شوہر اس وقت طلاق کا مالک ہی نہیں ہے، لیکن ابتداءً اگر عورت کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگا اور زوج عورت کے مشروط ایجاب کے بعد جب قبول کرتا ہے تو زوج کے "قبلت" کہنے کو مطلب یہ ہوگا کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، چونکہ جواب مافی السوال کے اعادہ کا متضمن ہوتا ہے، پس تفویض بعد النکاح ہوگا لہذا عورت کو طلاق کا اختیا ہوگا (دیکھئے: فتاوی قاضی خاں ۱/ ۳۲۹، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۸۱، رد المحتار ۲/ ۳۷۹)۔

(۳) عقد نکاح کے بعد مابین طرفین اگر کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو وہ معتبر ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کے معتبر ہونے کی راہ میں کوئی مانع نہیں۔

شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں رکھا ہے، تفویض کے نتیجہ میں یہ اختیار عورت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جس سے مصالح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ عورت اکثر ناقص العقل ہے اوران میں صبر کا مادہ بھی مرد کی نسبت سے کم ہے، اس لئے ان کی طرف سے طلاق کے بے جا استعمال کا احتمال غالب ہے، اس لئے مصالح شرع کی حفاظت کے لئے تفویض میں ایسی کوئی قید بڑھانا مناسب ہے جس سے طلاق کے بے جا استعمال کا سد باب ہوسکے اور وہ جانبین کے لئے مفید بھی ہوسکے، مثلا تراضی طرفین سے مناسب سمجھ کر چند اشخاص کے نام متعین کردیا جائے پھر شرائط کو ذکر کرتے ہوئے زوج یہ لکھے کہ مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف اگر ان کی طرف سے ہو اور اس خلاف شرع ہونے کو مذکورہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص تسلیم کریں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، مزید احتیاط کے لئے یہ قید بھی بڑھا ئی جاسکتی ہے کہ وہ دونوں شخص درپیش حالات میں عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب بھی قرار دیں، ایسی قید لگانے سے تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص کے تسلیم کرنے اور مناسب سمجھنے کے علاوہ عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہ آئے گا، یہاں مناسب یہ ہے کہ شرائط نامہ میں کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کرکے لکھ دئے جائیں کیوں کہ دو چار کا نام لکھنے میں ممکن ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کوئی بھی موجود نہ رہے اور زیادہ آدمیوں میں یہ احتمال بعید ہے، جیسا کہ حاشیہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' ہندوستان کے جن علاقوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہاں یہ قید بڑھائی جائے کہ شوہر کی طرف سے خلاف شرط ہونا اگر قاضی شرعی تسلیم کریں اور درپیش حالات میں قاضی شرعی عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب قرار دیں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کے

آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا، اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، اس مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست قرار پاتی ہیں اور ہر صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلی صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مسمی کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری شرط پائے جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ اقل مسمی سے کم نہ ہوگا اور اکثر مسمی سے زیادہ نہ ہوگا اور اس مسئلہ کی نظیر وہ صورت بھی ہوگی کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے، اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار تو ایسی حالت میں بھی صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، امام صاحب کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو مہر مسمی لازم ہوگا، اور اگر طلاق دی تو مہر مسمی کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی کے اقل سے کم نہ ہو اور اکثر سے متجاوز نہ ہو۔

اب کسی مسئلہ میں اگر امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہو تو امام صاحب کے قول کی ترجیح ہوتی ہے، یہ بات بالکل صحیح ہے کہ طلاق کے غلط استعمال سے خاص طور پر ایک ساتھ تین طلاق دینے سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی متاثر ہوتے ہیں، لہذا طلاق دینے کے ایسے غیر مشروع اقدام کو روکنے کی ضرورت ہے، لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مہر کی مقدار زیادہ کم کرنے سے طلاق کے غیر مشروع اقدام میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اس لئے احقر کے خیال میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کرتے ہوئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں نکلتی (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۰۷، عنایہ شرح الہدایہ ۲/ ۴۵۸، الدر المختار ورد المحتار ۱/ ۴۷)۔

(۲) اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار

ہوگا تو ایسی صورت میں بھی صاحبین کے قول کی بناء پر دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی، لیکن امام ابوحنیفہ کے قول کی بناء پر اگر اس عورت کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو شرط معتبر اور لازم العمل ہوگی اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو شرط معتبر نہ ہوگی بلکہ مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ اقل مسمی سے کم نہ ہو اور اکثر سے زائد نہ ہو، اور حسب قواعد فقہیہ امام صاحب کے قول کو ترجیح ہوگی۔

(۳) عورت اگر کسی ملازمت میں لگی ہوئی ہو، یا ملازمت حاصل کرنے کے لئے جد وجہد میں لگی ہوئی ہو اور نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو یہ شرط خلاف وعدہ کے درجہ میں ہوگی، کیونکہ یہ شرط شرائط مباحہ کے قبیل سے ہے، شرط قبول کرنے کی وجہ ہے وہ واجب الایفاء ہے، کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے، البتہ کسی مانع شدید کی وجہ سے کوئی شخص ایفاء عہد نہ کرسکے تو اس میں گناہ نہیں ہے، البتہ عورت اگر ملازمت کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا نہ کرسکے یا ملازمت یا ملازمت کی وجہ سے حدود شرعیہ کو تجاوز کرنا پڑے تو ایسی صورت میں شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شوہر اگر عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، ایسا ہی عورت جس نئی ملازمت سے وابستہ ہونا چاہتی ہے اس سے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شوہر انہیں ایسی نئی ملازمت سے وابستہ ہونے سے روکتا ہے، تو عورت کے لئے اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی (دیکھئے: الکوکب الدری، الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۳۳۵، ۵/ ۴۴، ۴۵)۔

نکاح میں شرائط اور خواتین کے حقوق کا تحفظ

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری

عقد نکاح کے وقت جو شرائط عائد کئے جائیں ان کے متعلق بدیہی طور پر یہ سمجھا جاسکتا ہے:

(۱) ایسے شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں، بلکہ عقد نکاح سے ہونے والی ذمہ داریوں کو بصورت شرط ذکر کیا گیا ہے اس سے صورت حال میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی، لہذا ایسی شرائط اگر ذکر بھی کر دی جائیں تو کوئی سوال پیدا نہ ہوگا۔

(۲) شرائط کی دوسری قسم یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو ایسی شرط قابل قبول نہیں ہوا کرتی، حضرات فقہاء نے مسئلہ خلع میں اس صورت میں جب کہ عورت نفقہ عدت اور سکنیٰ کے عوض خلع حاصل کرلے یہ تصریح کی ہے کہ سکنی چونکہ حق شرع ہے اس لئے وہ ساقط نہ ہوگا: ''لا سكنى لأنه حق الشرع'' (درمختار) اس سے بطور اصول یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ شرائط جو حق شرعی یا حق ثابت بالشرع پر اثر انداز ہوں نکاح کے وقت کوئی بھی فریق انھیں عائد کرے ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، چنانچہ اگر اس طرح اس شرط پر کیا جائے کہ شوہر کے ذمہ میں کوئی مہر لازم نہ ہوگا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی عورت مہر مثل پائے گی (دیکھئے: الدر مختار ورد المحتار ۲/۲۶)۔

اس سے سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ ایسی شروط انعقاد نکاح میں قطعاً اثر انداز نہ

ہوں گی یعنی نکاح تو منعقد ہوجائے گا لیکن یہ شرائط باطل قرار پائیں گے۔

(۳) تیسری قسم، یعنی ایسی مشروط جو(ا)اور(۲) میں سے کسی دائرہ میں نہیں آتیں، بلکہ ان کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوجاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، بیشتر ان کی حیثیت ایک وعدے کی ہے ان شرائط کی کئی قسمیں کی جاسکتی ہیں، مثلاً یہ شروط یا تو عورت کے لئے مفید ہونگی یا شوہر کے لئے، کسی اجنبی کے لئے مفید ہوں گی یا کسی کے حق میں مضر ہوں گی، پھر یہ تمام شرائط یا تو نفس عقد سے حاصل ہوں گی یا زوج (یا زوجہ) کے فعل پر موقوف ہوں گی۔

ان کے ساتھ مہر کا ذکر بھی ہو، مثلاً ایک ہزار پر نکاح اس شرط کے ساتھ کہ شوہر اسے دوسرے شہر نہ لے جائے گا (**نکحها بالف علی ان لا یخرجها من البلد أو لا یتزوج علیها**) اس صورت کا ذکر کرتے ہوئے مزید تفصیل کے ساتھ علامہ شامی نے بحر کے حوالہ سے جملہ دوسو اٹھاسی (۲۸۸) اقسام نقل کی ہیں، اقسام میں جو خلاف شرع ہوں گی، وہ تو بالکل باطل ہوں گی باقی کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، اگر کسی کو ان سے ضرر نہیں پہنچتا اور شوہر انھیں پورا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ شرائط پوری نہ کی جائیں تو بھی نکاح پر اثر انداز نہ ہوں گی (بشر طیکہ انھیں طلاق سے مشروط نہ کیا گیا ہو) البتہ اگر نفس عقد میں انہیں مہر کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے تو عورت مہر مثل کی حقدار قرار دی جائے گی تاہم شرائط کی یہ جملہ اقسام نفس عقد پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوں گی نکاح بہر حال صحیح مانا جائے گا۔

(ج) شرعاً طلاق کا حق شوہر کو ہے بموجب حدیث نبوی: ''**الطلاق لمن أخذ الساق**''، شریعت نے عورتوں کی نفسیات دیکھتے ہوئے انھیں یہ حق نہیں دیا، جو لوگ انسانی مزاجوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور جنھوں نے عورتوں اور مردوں کی ذہنی اور مزاجی کیفیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بخوبی واضح ہے کہ اگر طلاق کا حق عورت کو دیا گیا ہوتا تو معاشرہ میں جو آج طلاق کا تناسب ہے یہ بیسوں گنا زیادہ ہوتا، لہٰذا شرع اسلامی نے عورت کو یہ حق اسی لئے

نہیں دیا تا کہ مصالح نکاح کے فوت ہونے کا اندیشہ قوی تر نہ ہوجائے، تاہم شوہر کو یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ شوہر کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کر لے پھر عورت کا یہ اختیار عارضی بھی ہوسکتا ہے اور دائمی بھی، فقہاء نے اسے تفویض طلاق، امر بالید اور مشیت بالطلاق وغیرہ عنوانات کے تحت بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، یہ اختیار جو شوہر عورت کو دیتا ہے عقد نکاح میں بھی مشروط ہوسکتا ہے، اور بعد میں بھی جب شوہر چاہے یہ حق اسے تفویض کر سکتا ہے، فساد زمانہ کے مدنظر اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے یا کابین نامہ تحریر ہو تو اس میں احتیاط کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے، حضرت تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تفویض طلاق بوقت نکاح کے عنوان سے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مناسب مشورے بھی دئے ہیں تا کہ نکاح کے مصالح بھی فوت نہ ہونے پائیں اور ضرورت بھی پوری ہو جائے، اس موقع پر سب سے پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تفویض طلاق کے سلسلہ کی تحریر جسے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں کابین کا عنوان دیا گیا ہے اس کے تحریر کئے جانے کی تین صورتیں ہیں (۱) کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے (۲) عین وقت نکاح میں زبان سے کہلوالیا جائے (۳) نکاح کے بعد تحریر کیا جائے، پہلی صورت میں یعنی کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے (اور ایجاب وقبول میں بطور شرط اس کا زبانی کوئی تذکرہ نہ ہو) اس کے معتبر ومفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو، مثلاً یہ کہ اگر فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکورہ کو یہ اختیار حاصل ہوگا الخ، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہو تو بموجب حدیث نبوی طلاق قبل الملک یہ اقرار نامہ بے کار محض ہوگا، ''**فلغا قوله لأجنبية إن زرت زيداً فانت طالق**'' (تنویر الأبصار)۔

دوسری صورت یہ تھی کہ ایجاب وقبول میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی پہلے عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر

دے دیا کہ اگر تم نے یہ کیا، یا یہ نہ کیا تو اپنے معاملہ کا اختیار مجھے، یا مسماۃ فلاں کو ہوگا الخ، اس کے جواب میں شوہر یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، یہ صورت اختیار کرنے کے بعد حسب شرط عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اس کے برخلاف اگر ایجاب مرد کی جانب سے بغیر کسی شرط کے ہو اور لڑکی یا اس کے ولی یا وکیل نے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادی تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور یہ شرط لغو ہوگی (شامی ۲/۷۹۶) حضرت تھانوی نے فقیہ ابو اللیث کے حوالے سے ان دونوں صورتوں کا فرق بھی بیان فرمادیا ہے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوالیا جائے یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ مصائب کے وقت خلاصہ کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری صورت ہی اختیار کرنا ہے، اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کے مغالطے میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی کابین لکھوالیا جائے، مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے، اگر اس طرح عقد نکاح کے وقت یہ شرط عائد کردی گئی اور شوہر نے اسے تسلیم کرلیا تو شرعاً یہ شرط معتبر ہوگی اور شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، البتہ نوعیت اس اختیار کی الفاظ شرط کے مطابق ہوگی، تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں بحوالہ درمختار منقول ہے:

''ولا يملك الزوج الرجوع منه أى من التفويض بأنواعه الثلاثة لما فيه معنى التعليق قال الشامي: قوله الثلاثة أى التخيير والأمر باليدو المشيئة الخ''

عورتوں کی نفسیاتی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرے سے خالی نہیں ہے، اس لئے تفویض میں مناسب قیود کا اضافہ بھی کردینا چاہئے جس سے یہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ عورت یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو، یا مسماۃ فلاں کو اس شرط پر نکاح میں دے دیا کہ جس وقت تم سے کوئی شدید تکلیف پہنچے یا فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی ہو جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دس آدمی تسلیم کرلیں تو اس کے مسماۃ کو

ہر وقت یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے علحد گی اختیار کرلے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہوگا جب نامزد کردہ افراد میں سے کم ازکم دو آدمی یہ تسلیم کرلیں کہ شرط کی خلاف ورزی ہوئی ہے، عورت کو اس کے باوجود جلد بازی نہ کرنی چاہئے کہ پہلے سنت کے موافق استخارہ کرلے اور اپنے خیر خواہوں سے ضروری مشورہ بھی کرلے۔

اس تعلیق میں اگر یہ الفاظ استعمال کئے گئے کہ شرط کی خلاف ورزی تسلیم کرلئے جانے کی صورت میں عورت اگر چاہے تو خود پر طلاق واقع کر کے نکاح سے علحد گی اختیار کرلے تو یہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ پیدا ہوجائے گی جس میں شرط واقع ہوئی ہے، اس کے بعد عورت کو یہ اختیار نہ رہے گا، اسی طرح اگر یہ کہا گیا کہ عورت جب کبھی چاہے تو خود پر طلاق واقع کرلے، اس صورت میں ہمیشہ کے لئے اسے یہ اختیار حاصل ہوجائے گا اور مصلحت نکاح کے پیش نظر نہ تو اختیار کو اتنا وسیع کردینا مناسب ہے نہ ہی اتنا محدود کردینا، مفید مطلب یہ ہے کہ صرف مجلس شرط کے ساتھ خاص ہوکر رہ جائے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو، لیکن اس مجلس کے ساتھ مقید نہ ہو، مثلاً ایک ماہ تک کی مدت ذکر کردی جائے تا کہ عورت اس مدت میں مشورے اور غور وفکر کر کے صحیح فیصلہ کرسکے، سوال کی یہ شق کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور نہ دی تو دس ہزار ہوگا، اس کی نظیر وہی مسئلہ ہے جس کا حوالہ سوالنامہ میں درج ہے، فقہاء کے الفاظ میں یہ ''**تسمية المهر على تقدير وغيرها على تقدير**'' کی صورت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پوری کی تو عورت کو اقل مسمی ملے گا، لیکن شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں اسے مہر مثل دیا جائے گا، مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مہر مثل اکثر رقم سے بھی زیادہ ہے تو اکثر مسمی سے زیادہ نہ ملے گا اور اگر اقل سے بھی کم ہے تو تو عورت اقل مسمی بہر حال پائے گی، پیش کردہ مثال میں اس کی تطبیق یوں ہوگی کہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی تو عورت کو دس ہزار مہر ملے گا لیکن اگر طلاق دیدی تو بجائے بیس ہزار کے وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی، مہر مثل کی مقدار میں یہاں تین احتمال ہیں: ایک

یہ کہ وہ بھی بیس ہزار یا اس سے کم مگر دس سے زیادہ یا دس ہزار ہوں، ان صورتوں میں جو بھی مہر مثل ہے عورت اس کی حقدار ہوگی، لیکن مہر مثل دس ہزار سے کم ہے تو اس صورت میں دس ہزار جس پر دونوں متفق ہیں وہ دلایا جائے گا، اور اگر بیس ہزار سے زیادہ ہو تو چونکہ عورت بیس پر راضی ہے، اس لئے بیس ہزار ہی دلائیں گے، صاحبین رحمہا اللہ کے قول کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہیں تا ہم قدیم فقہاء نے اس قول کو فتوی کے لئے راجح نہیں سمجھا، لیکن موجودہ حالات میں اگر ضرورت متقاضی ہو تو اہل علم اتفاق رائے کے بعد اس کو اختیار کر لیں اس کی بھی اصولی گنجائش ہے، یہی حکم دوسری عورت سے نکاح والی صورت کا بھی ہے، یہ تمام تفصیلات اس میں بھی جاری ہو سکتی ہیں، علامہ شامی نے اس کے بعد ہی "بألفين على أنها جميله وبألف على أنها قبيحة" کی تردید کو علی قول امام بھی درست بتایا ہے، لقلة الجهالة، اس سے معلوم ہوا کہ قول امام کی بنیاد تردید نہیں اور اگر ایسی کوئی خاص وجہ نہ پائی جائے تو تردید کی صورت میں بھی ذکر کردہ مہر کے بھی خلاف ہوگا اور یہ "تغییر الاحکام بتغییر الزمان" کے قبیل سے ہوگا۔

سوال (۳) یعنی نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا، شوہر اگر اس شرط کو قبول بھی کر لے تو اس کی حیثیت ایک وعدے کی ہوگی اور آئندہ حالات کے مطابق اسے بہر صورت یہ حق حاصل ہوگا کہ جب چاہے عورت کو ملازمت وغیرہ سے روک دے اور جب شوہر روک دے تو عورت پر اس حکم کی تعمیل بھی لازم ہوگی، ورنہ وہ حق نفقہ سے بر بنائے نشوز محروم قرار دی جا سکتی ہے۔

نکاح میں مباح شرطیں اور احکام

مولانا ابوالحسن علی ☆

شرائط کے سلسلے میں اس حدیث شریف سے بنیادی رہنمائی ملتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"کل صلح جائز بین المسلمین إلا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا والمسلمون عند شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا" (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ عن عمرو بن عوف، نصب الرایہ ۴/۱۱۲)

(مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی مصالحت جائز ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو، اور مسلمانوں کو اپنی مانی ہوئی شرطوں پر قائم رہنا چاہئے بجز ان شرائط کے جن کے ذریعہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو) (معارف القرآن ۲/۵۲۲، فتح القدیر ۳/۳۵۱)۔

"فتح القدیر" میں ایک روایت شرائط نکاح کے سلسلے میں بھی ہے: **"أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج"** (فتح القدیر ۳/۳۵۰)۔

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عقد وشرط جس سے شریعت نے نہیں روکا یا بالفاظ دیگر کسی حلال کی حرمت یا حرام کی حلت ثابت نہ ہوتی ہو وہ جائز ہے، اور ان کا ایفاء ضروری

☆ شیخ الحدیث دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

ہے، اور اگر وہ شرط حرام کردہ اشیاء کو شامل ہو (چاہے اس کی حرمت کتاب اللہ کی نص خاص یا عام سے ہو یا سنت رسول سے ہو) وہ شرط منہی عنہ ہوگی، اور اس کا ارتکاب حرام ہوگا۔

معاوضہ مالیہ کے اعتبار سے شروط کی تین قسمیں ہیں: (۱) صحیح شرط، وہ شرط بھی صحیح ہے اور عقد بھی صحیح ہے، یہ وہ شرائط ہیں کہ عقد خود ان کا تقاضہ کرے، یا عقد کے مناسب ہو یا اس سلسلے میں شرعی حکم وارد ہو یا عرف جاری ہو۔

(۲) شرط فاسد، وہ شرط بھی فاسد ہے اور عقد بھی فاسد، یہ وہ شرائط ہیں جس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہو یا ان کے علاوہ کسی مستحق کا نفع ہو اور وہ ماقبل کی شرط کے مطابق نہ ہو۔

(۳) وہ شرط جو خود تو باطل ہو، لیکن عقد صحیح ہو جاتا ہو، یہ وہ شروط ہیں جس میں اہل استحقاق کے علاوہ کا نفع ہو یہ حکم معاوضات مالیہ کا ہے، حاصل یہ ہے کہ اول شرط و عقد دونوں صحیح ہیں، (۲) ثانی عقد بھی فاسد اور شرط بھی فاسد ہے، (۳) شرط باطل اور عقد صحیح ہوگا، یہ وہ شروط ہیں جو صلب عقد (عقد سے مقارن) میں ہوں۔

معاوضات غیر مالیہ

نکاح، خلع وغیرہ میں فاسد شرط سے فساد کا اثر نہیں ہوتا اور فاسد شرط اس کو باطل نہیں کرتی، بلکہ شرط باطل اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔

شرط جائز وہ شرط کہ عقد بھی اس کا تقاضہ کرے اور صراحت نہ کرے تو بھی وہ واجب ہوتی ہے، جیسے ثمن کی ادائیگی پر مبیع مشتری کے سپرد کرنے کی شرط اور عورت کا شوہر پر اپنے نفقہ کی ذمہ داری اور مہر کی ادائیگی کی شرط لگانا (الالتزامات فی الشرع الاسلامی ر ۲۰۹، ۲۱۱)۔

سوال میں مذکور اول شرط اسی شرط جائز کی قبیل سے ہے، لہذا ان شروط کی وجہ سے عقد میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا، شرط ثانی و ثالث قاعدہ کے اعتبار سے فساد کو متضمن ہونے کی وجہ سے فاسد و غیر معتبر ہیں، لیکن تعلیق و تفویض طلاق کی شرط فقہاء کرام نے احادیث شریفہ کی روشنی

میں معتبر اور صحیح قرار دی ہے، لہذا یہ شرطیں تفویض وتعلیق کی شرطوں کے ساتھ معتبر ہوں گی، اسی طرح مہر کی شرطیں جن کا ذکر بعد والے سوال میں ہے کہ وہ بھی (کچھ شرائط کے ساتھ) معتبر ہے۔

عقد نکاح کے وقت عورت کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق طلب کرنا، اور شوہر کا اس کو تسلیم کرنا، عورت کو اختیار دیتا ہے، حضرات فقہاء کرام نے تفویض طلاق کے عنوان سے اس کی مختلف شکلیں اور جزئیات تحریر فرمائی ہیں ،صاحب ''ہدایہ'' اور اور شارحین ''ہدایہ'' نے تفویض طلاق کے خیار پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے، ''نصب الرایہ'' میں صاحب ''ہدایہ'' کے قول: ''روی أن الصحابة أجمعوا علی أن المخیرة لها الخیار مادامت فی مجلسها'' پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''قلت فیه عن ابن مسعود و جابر و عمر وعثمان و عبدالله بن عمر بن العاص. فحدیث ابن مسعود رواه عبد الرزاق فی مصنفه أخبرنا معمرعن ابن نجیم عن مجاهدأن ابن مسعودقال: إذا ملکها أمرها فتفرقاقبل أن تقضی بشئی فلا أمر لها انتهی''

''ومن طریق عبدالرزاق رواه الطبرانی فی معجمه قال البیهقی: فیه انقطاع بین مجاهد وابن مسعود'' (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ملخصاً ۲/۲۳۹، ۲۳۰)۔

سوالنامہ میں مذکورہ تینوں شکلیں جائز ہیں: (۱) چاہے عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوں، (۲) چاہے عقد کے وقت ہوں، (۳) چاہے عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر ہو۔

شکل اول: اور اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں طلاق کی اضافت ملک کی طرف ہو، اگر اضافت الی النکاح نہیں ہوئی تو شرائط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور یہ شرائط نامہ لغو ثابت ہو کر صرف وعدے کی حیثیت رکھے گا، جس کا ایفاء ضروری نہیں ہے (دیکھئے: قدوری ص ۱۷۴، الالتزامات فی الشرع الاسلامی ۲۰۳)

شکل ثانی: عقد نکاح کے وقت ہی زبانی یا تحریری شرائط مذکور ہوں تو اس کے معتبر ہونے

کی شرط یہ ہے کہ عورت کی جانب سے ایجاب ہو، (عورت یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا بنت فلاں کو آپ کے نکاح میں (مذکورہ شرائط کے ساتھ) دیا اور مذکورہ شرائط میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی کی شکل میں مجھے اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا کسی وقت اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر نکاح سے الگ کرسکوں، اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کرلیا، تو پھر عورت کو شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہوا اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگائیں تو نکاح بلا شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط لغو ہوجائے گی (دیکھئے: فتاوی قاضی خان علی الہندیہ ۱/۳۲۹)۔

کیونکہ جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوئی تو طلاق وتفویض نکاح سے پہلے ہوئی، لہذا یہ صحیح نہیں ہوئی، اور ابتداء جب عورت کی جانب سے ہوگی تو تفویض نکاح کے بعد ہوئی، کیونکہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد "قبلت" کہا یا اس طرح کہا: "**قبلت علی أنک طالق أو علی أن یکون الأمر بیدک**" تو نکاح کے بعد تفویض کرنے والا ہوا، کیوں کہ جواب سوال میں مذکور مضمون کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے (فتاوی قاضی خان علی الہندیہ ۱/۳۲۹)۔

"ردالمحتار" میں "درمختار" کی عبارت "**نکحها علی أن أمرها بیدها صح**" پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شامی نے فرماتے ہیں: یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتداء کرتے ہوئے "**زوجت منک علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید أو علی أنی طالق**" کہے اور شوہر قبلت کہے اور اگر شوہر ابتداء کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور نہ عورت کو اختیار ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۵۲۶، ۲۹۹، ہندیہ ۱/۲۷۳)۔

شکل ثالث: عقد نکاح کے بعد شوہر سے شرائط طے ہوں، یہ بھی درست ہے، عورت ناقص العقل ہے، اس لئے مطلقاً اس کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینا خطرے سے خالی نہیں، لہذا مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگائی جائے جس میں وہ خطرہ باقی نہ رہے، مثلاً نکاح کے وقت عورت یا اس کے وکیل کی جانب سے یہ شرط لگائی جائے کہ جب تمھاری طرف سے عورت کو شدید تکلیف پہنچے جس کو فلاں فلاں آٹھ دس سنجیدہ آدمی تسلیم کرلیں اور طلاق کو مناسب

بھی سمجھیں تو اس وقت یہ معاملہ عورت یا وکیل کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علحدگی اختیار کرلے، اس صورت میں عورت کو طلاق کا اختیار اس وقت ہوگا جب کہ مذکورہ اشخاص تکلیف شدیدہ کو تسلیم کرلیں، اس کے بعد بھی عورت کو چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، کیونکہ جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اس طرح احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں یہ بھی لکھوائے کہ خلاف شرط تسلیم ہوجانے کے بعد عورت کو ایک ماہ تک اختیار نہ ہوگا پھر کسی وقت چاہے، یعنی ایک ماہ کے بعد اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے علحدگی کا اختیار ہوگا اور جب کبھی کسی شرط کے خلاف ہوتو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار وشرائط حاصل نہیں ہوں گے، مذکورہ شرط میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرے ورنہ اسی مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی، مجلس کے اختتام کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار باقی نہیں رہے گا اسی طرح لفظ جب کبھی چاہے بھی شرط میں استعمال نہ کرے ورنہ ہمیشہ کے لئے (اعادہ کے بعد بھی) عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، لہذا ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے نہ تو تفویض مقید بالمجلس ہوجائے اور نہ اتنی وسعت ہوجائے کہ عورت کو تین طلاق واقع کرنے کا اختیار مل جائے، بہتر یہ ہے کہ شرائط نامہ علمائے کرام کے پاس لکھوایا جائے یا ان سے تصحیح کرلی جائے، اسی طرح قانون داں یا سرکاری وکیل کو بھی بتادیا جائے کہ قانونی پیچیدگی نہ ہو۔

شوہر کو تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے عورت کو اختیار دینے سے پہلے مرد کو غور وفکر اور اہل علم وفہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے تاکہ بعد میں پریشانی نہ ہو، عالمگیری میں ہے:

”ولیس للزوج أن یرجع فی ذلک ولا ینهاها عما جعل إلیها ولا یفسخ“ (۳۸۷، نیز دیکھئے: درمختار ۵۲۸/۲، البحر الرائق ۳۴۴/۳)۔

جواب (۲ طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے مہر میں کمی زیادتی کی شرائط، طلاق کی اور عدم طلاق کی صورت میں مہر کی کمی زیادتی کی شرط لگانے کے سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں

بہت کچھ مسائل مذکور ہیں، جس میں امام صاحب، صاحبین اور امام زفر کے مختلف اقوال اور دلائل ہیں، اس کو ''کتاب الاجارۃ'' کے ایک مسئلہ پر قیاس کیا ہے جس میں موجر مستاجر سے کہے کہ اگر تو آج یہ کپڑا سیئے تو ایک درھم ملے گا اور اگر کل سیئے تو آدھا درھم ملے گا تو امام صاحب کے نزدیک آج کی شرط کے مطابق ایک درھم اور کل آدھا نہیں، بلکہ اجر مثل دیا جائے گا جو آدھے درھم سے کم نہ ہو اور ایک سے زیادہ نہ ہو، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح، امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہوں گی، اولاً نکاح کے مسئلہ کو ذکر کرنا مناسب ہے، ابن ہمام نے صاحب ''ہدایہ'' کا قول:

''**وإذا تزوجها على ألف**'' نقل کر کے اس کی دو صورتیں نکالی ہیں۔

(۱) عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسی شرطیں لگائی جائیں جس میں عورت کا فائدہ ہو، جیسے اس کو شہر سے نہ نکالے یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے یا اس کی سوکن کو طلاق دیدے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ ایک تقدیر پر اور دوسری تقدیر پر اتنا مہر ہوگا **ولو تزوجها على ألف إن أقام بها و على ألفين إن أخرجها** (ہدایہ اولین ۳۳۹)۔

اول شکل کا حکم کتاب میں ظاہر ہے کہ اگر شوہر شرط پر عمل کرے تو عورت کے لئے مہر مسمی ہوگا اور عدم ایفاء شرط کی صورت میں اس کو مہر مثل ملے گا، اگر مہر مثل مسمی کے بقدر یا اس سے کم ہو تو اب کسی دوسری چیز کی مستحق نہیں ہوگی۔

دوسری شکل کا حکم یہ ہے کہ اول صورت پر عمل کیا تو عورت کو ہزار ملے گا اور اگر صورت ثانیہ پر عمل کیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا جو دو ہزار سے زیادہ اور ایک ہزار سے کم نہ ہو'' **فإن أقام بها فلها ألف وإن أخرجها فلها مهر المثل لا يزاد على ألفين ولا ينقص من الألف وهذا عند أبي حنيفة**''۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، شرط کے مطابق مہر لازم ہوگا۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں، لہذا عورت کو مہر مثل ملے گا جو ہزار سے کم نہ ہو اور دو ہزار سے زیادہ نہ ہو، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اولیٰ تسمیہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے

، بلکہ وہ بلاشرط ہے، بخلاف دوسرے تسمیہ کے کہ وہ معلق ہے، پس جب اس کی شرط پائی گئی کہ اس طرح کہ شوہر نے اس کو شہر سے نکالا تو عورت کے لئے مسمی ثابت ہوا اور وہ اول مسمی ثابت تھا، کیونکہ تنجیزی کلام شرطیہ کلام کے وجود کو ختم نہیں کرتا، پس جب معلق اپنے شرط کے وجود سے پایا گیا تو دو تسمئے جمع ہو گئے، لہذا جہالت کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں معلق ہیں، لہذا ہر تقدیر پر مسمی واحد کے علاوہ نہیں پایا گیا۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ اس جگہ شرطیہ کلام ہے ہی نہیں، بلکہ تنجیزی کلام ہے اور مال کا ذکر تو ترغیب کے لئے ہے نہ کہ شرط کے لئے، پس دو تسمئے جمع ہو کر جہالت کی وجہ سے فاسد ہو گئے (فتح القدیر ۳/ ۳۵۲، البحر الرائق ۳/ ۱۷۳)۔

فریقین کے دلائل پر نظر کرتے ہیں تو قوت میں دونوں کے دلائل قوی ہیں، لیکن مسئلہ فساد و عدم فساد کا ہے اس لحاظ سے تو امام صاحب کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے، دوسری طرف لوگوں کی ضرورت و حاجت اور سد ذرائع کے طور پر صاحبین کے قول میں آسانی ہے۔

البتہ صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں احتیاط کی ضرورت ہے، جیسے کہ علامہ شامی ابن ہمام کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"**لكن هو أهل للنظر فی الدليل من ليس بأهل لنظر فيه، فعليه الافتاء بقول الإمام**" اہلیت سے مراد یہ ہے کہ اقوال ائمہ کے درمیان تمیز کرنے والا اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت والا ہو۔

آخر میں فیصلہ کن بات بیان کرتے ہیں اور جب ہم دلائل میں تمیز نہیں کر سکتے اور مشائخ کے رتبے تک پہنچے تو ضروری ہے کہ سلف کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے جس قول پر فتوی نقل کیا ہے، اس کو مان لیں (دیکھئے: رسم المفتی/ ۲۳)۔

شرح "ہدایہ" میں سے تمام نے فریقین کی دلیل کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن کسی نے بھی دونوں میں سے کسی قول کو قطعی طور پر راجح نہیں قرار دیا ابن ہمام کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں صاحبین کے دلائل بھی وقیع ہیں، اگرچہ صراحۃ انھوں نے بھی کسی کے قول کو

راجح نہیں قرار دیا ہے، قدوری کی شرح ''اللباب'' میں اجارہ والا مسئلہ ذکر کر کے لکھا ہے:

''قال فی التصحیح واعتمدوا قول الإمام فی الخلافیات المذکورة المحبوبی و النسفی و صدر الشریعةوا بو الفضل''۔

البتہ نکاح والے مسئلے میں وہ بھی ساکت ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ علم وبصیرت والے فقہائے کرام شورائی طریقہ سے مسئلہ کے مالھا وماعلیھا، فریقین کے دلائل اور صاحبین کے قول پر فتوی دینے کی صورت میں متوقع مضرات سے بچایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ اس پر غور کر کے اور ضرورت کا تحقق ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس پر غور کر کے فیصلہ کر لیں۔

جواب (٣) سرکاری ملازمت میں اکثر عورتوں کو اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور انجام دینے ہوتے ہیں، اس لئے یہ شروط فاسد میں سے شمار ہوں گی جن کا ایفاء لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی ایسی ملازمت مل جائے جس میں اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور سے اجتناب ممکن ہو اور شوہر نے اسی ملازمت کی شرط قبول کر لی ہو تو پھر شوہر پر اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

لیکن ایسی ملازمت شاذ و نادر ہی ہوگی جس میں غیر مردوں سے اختلاط نہ ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی شروط سے اجتناب ہی کیا جائے، ایک شادی شدہ عورت کو شرعا ملازمت کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ضروریات واخراجات کا بوجھ شریعت نے شوہر کے ذمہ لازم کر دیا ہے، لہذا اگر شوہر عورت کو ملازمت سے روک دے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے، منکوحہ عورت کے لئے ملازمت غیر ضروری امور میں سے ہے جس کا مقصد آرائش و آسائش کی تکمیل ہے، نہ کہ ضرورت کی تکمیل، اسی لئے اس باب میں عورت کے لئے شرعا شوہر کی اطاعت ضروری ہے، اور اگر شوہر نے بوقت عقد شرط قبول بھی کر لیا ہو تو بھی اس کے ذمہ اس کا ایفاء ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ عورت کو غیر شرعی امور کے ارتکاب سے روک دے۔

نکاح میں شرائط کا مسئلہ

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ☆

شریعت نے معاہدات ومعاملات میں شرائط کے ایفاء کو ضروری قرار دیا ہے، اللہ تعالی نے وفاء عہد کو ایمان والوں کی صفت قرار دیا ہے، فرمایا ہے: "والموفون بعهدهم إذا عاهدوا (سورہ بقرہ/۱۷۷) (اور جب عہد کرتے ہیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''مومن اپنے شرائط پر رہتا ہے الا یہ کہ ایسی شرط جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال'' (صحیح البخاری)۔

اس حدیث میں ایمان والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ جب کسی معاہدہ ومعاملہ میں کسی شرط کا التزام کرتے ہیں تو اس کی پابندی کرتے ہیں، الا یہ کہ وہ شرط ایسی ہو جس سے حلال حرام ہو جاتا ہو یا حرام حلال ہو جاتا ہو تو پھر اس کی پابندی نہیں کرنی ہے، اس کے علاوہ نکاح کے بارے میں فرمایا ہے:

"إن أحق الشروط أن توفوا بها ما استحللتم به الفروج" (صحیح البخاری) (تمام شرطوں میں ایفاء کے اعتبار سے اہم شرطیں وہ ہیں جن کی وجہ سے استمتاع حلال

☆ ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ

ہوجاتا ہے)۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں جو شرائط طے ہوں ان کی پابندی ضروری ہے لیکن یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اگر کسی شرط سے حکم شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا وہ اس کے مقتضی کے خلاف ہے تو ایسی شرط فاسد وغلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **"کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل"**۔

اس لئے دونوں طرح کی احادیث کی وجہ سے فقہاء اسلام کے اس اتفاق کے باوجود کہ نکاح میں شرط کی گنجائش ہے، یہ مسئلہ اجتہادی رہا ہے کہ کس نوعیت کی شرائط صحیح ہیں اور کس طرح کی باطل ہیں۔

شرط صحیح

شرائط تقلیدی کی تین قسمیں ہیں: شرط صحیح، شرط فاسد، شرط باطل، شرط صحیح میں معاملہ کے ارکان وشرعی شروط واحکام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مقتضی کے مناسب ہوتی ہے، چنانچہ شرط صحیح کے ضابطہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ۔

۱۔ عقد کرتے وقت محل کے ساتھ کسی صفت کا اشتراط ہو۔

۲۔ یا ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے۔

۳۔ یا اس کے مقتضی کے مناسب ہو۔

۴۔ یا شریعت میں ہی وہ شرط منقول ہو۔

۵۔ یا ایسی شرط ہو جس کے بارے میں لوگوں کا تعامل ہو (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۱۷۱ طبع الجمالیہ)۔

قسم اول کی مثال

شرط صحیح میں اگر محل عقد کے ساتھ کسی صفت قائم کا اشتراط نکاح میں ہو اور وہ صفت ایسی ہو جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں خلل پڑتا ہو اور ایک دوسرے کے حقوق متاثر ہوتے ہوں تو

ایسی شرط کا اعتبار کیا جائے، جیسے نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ اس کا ہونے والا شوہر جنون، جزام، جب، عنۃ، برص یا ایڈز میں مبتلا نہ ہو، اگر مبتلا ہوگا تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، تفصیل کے لیے دیکھئے (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۵۹۹)۔

دوسری قسم کی مثال

عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی جائے جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے اور اس سے کوئی نئی ذمہ داری فریقین پر نہیں آتی ہے، جیسے نکاح کی وجہ سے بیوی کا نفقہ، سکنی وکسوہ، اسی طرح حق زوجیت یا دوزوجگی کی صورت میں انصاف یہ سارے حقوق بیوی کو ملتے ہیں، اب اگر عورت نکاح کے عقد میں ان شرائط کا اضافہ کرتی ہے تو اس اضافہ سے نکاح پر کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے کوئی نئی چیز اسے حاصل ہوگی (دیکھئے: الفتاوی التاتارخانیہ ۶/۴۲)۔

تیسری قسم کی مثال

ایسی شرط جس کا عقد تقاضہ تو نہیں کرتا، مگر اس کے مقتضی کے مناسب ہے، جیسے کسی عورت سے نکاح کرتے وقت مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو دو ہزار مہر ہوگا اور اگر بدصورت ہوگی تو ایک ہزار مہر ہوگا تو یہ شرط صحیح ہوگی، اس لئے کہ مہر مقتضاء عقد ہے اور یہ شرط اس کے مناسب ہے خلاف نہیں ہے (دیکھئے: الفتاوی التاتارخانیہ ۳/۱۰۲)۔

چوتھی قسم کی مثال

ایسی شرط عائد کی جائے جو شریعت میں منقول ہو، مگر اس کے ذکر سے مقصود تاکید ہوتی ہے، جیسے عورت سے نکاح کی یہ شرط ہے کہ وہ کسی کے نکاح میں نہ ہو اور نہ ہی وہ عدت میں ہو، پس اگر شوہر نے عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی، کیونکہ یہ شرط خود نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری ہے یا مہر کو ایک ماہ میں ادا کرنے کی شرط لگائی تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی اور اس صورت میں بیوی کو اپنے نفس کو روکنے کا حق ہوگا (ردالمحتار ۳/۱۴۵)۔

پانچویں قسم کی مثال

عقد نکاح میں بیوی نے متعین مہر کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ عرف کے مطابق مہر ادا کرنا ہوگا اور اس کے شہر کا عرف یہ ہے کہ ایک تہائی یا دو تہائی مہر کی رقم رخصتی سے پہلے دی جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا (دیکھئے: رد المحتار مع الدر المختار ۳/ ۱۴۴)۔

عرض:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کی طرف سے عقد نکاح میں اگر ایسی کوئی شرط باطل لگائی جائے کہ اس کی موجودگی میں اگر شوہر دوسری عورت سے شادی کرے گا، یا اسے شہر سے کہیں دور لے جائے گا، تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا اور اگر دوسری شادی نہیں کرے گا، یا دوسرے شہر میں نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا، اس صورت میں شرط پوری کرنے پر عورت دو ہزار مہر نہیں پائے گی مہر مثل پائے گی جو نہ ایک ہزار سے کم ہوگا اور نہ دو ہزار سے زائد ہوگا، البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسی شرط جائز ہے (دیکھئے: بنایہ علی شرح الہدایہ ۲/ ۲۲۶)۔

موجودہ حالات میں جب کہ عورتوں پر مختلف قسم کے ازدواجی زندگی میں مظالم ہو رہے ہیں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

عورت کی طرف سے ملازمت میں رہنے کی شرط

موجودہ دور کے معاشرتی اور اقتصادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ پیش آ رہا ہے کہ مختلف ممالک میں مسلمان عورتیں حصول تعلیم کے بعد ملازمتوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی رہتی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انھیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو عقد نکاح میں مرد قبول بھی کر لیتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی پابندی شوہر کے لئے ضروری ہوگی یا نہیں اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت

کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی یا نہیں؟

ہماری رائے میں یہ شروط بھی شروط فاسدہ میں داخل ہے، اس لئے کہ یہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے، اس سے شوہر کے حق احتباس زوجہ کو نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء حنفیہ نے ایسی عورتوں کے لئے جو دایہ یا مردہ عورتوں کو غسل دینے کا کام کرتی ہیں اور یہ فرض کفایہ بھی ہے، بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے نکلنے کو منع کیا ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۳/۱۲۹)۔

عورت کا عقد نکاح میں حق طلاق کی شرط لگانا

شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' (سورۂ طلاق:۱)، نیز (سورہ بقرہ ۲۳۰،۲۳۱) میں طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے، لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے، اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے، بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

عائلی زندگی کے آغاز کے لئے نکاح مرد وعورت کے درمیان ایک ایسا عقد ہے جس سے دو اجنبی نفوس میں مودت ومحبت کا ایک نیا باب کھلتا ہے، اور وہ اس طرح ایک جان دو قالب ہوجاتے ہیں کہ ایک کی خوشی دوسرے کو مسرور وشادمان اور ایک کا رنج دوسرے کو رنجیدہ اور پریشان کردیتا ہے، عام طور سے یہ قربت ایجاب وقبول کے مراحل طے کرتے ہی پیدا ہوجاتی ہے اور دونوں اعتماد کی فضا میں سانس لینے لگتے ہیں، نکاح کے بعد انقلاب ایسا عظیم اور متحیر کن ہوتا ہے کہ عقل انسانی اور شعور کی پہنچ وہاں تک نہیں ہو پاتی کہ یک بیک وہ کون قوت اور کیسا کنکشن ہے جو دل کی دنیا کو جوڑ دیتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی بعض خارجی حالات اور شیطان کی کارستانیوں کی وجہ سے اس درجہ قربت اور اعتماد پیدا نہیں ہو پاتا جو نکاح کا لازمہ ہے، بلکہ نکاح کے قبل ہی فریقین شکوک وشبہات اور بے اعتمادی کا شکار ہوتے ہیں اور ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد کی عائلی زندگی پر بھی اس کے مہیب سائے پڑیں گے، ایسے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نکاح کو کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کردیا جائے تاکہ مخالف حالات پیدا ہونے کی صورت میں ''امساک بالمعروف'' ناممکن ہوتو ''تسریح

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ بہار اڑیسہ جھارکھنڈ، پھلواری شریف پٹنہ

بالاحسان'، عمل میں آجائے اور ایک دوسرے کے استحصال بچا سکے۔

شرط صحیح

یہ شرائط عام طور سے دو قسم کی ہوتی ہیں، پہلی قسم ان شرائط کی ہے جو عقد نکاح کے متقاضی ہونے، مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے یا عرف کے جاری ہونے کی وجہ سے لگائی گئی ہوں، فقہاء کی اصطلاح میں اسے شرط صحیح کہتے ہیں (دیکھئے: احکام الاسرۃ فی الاسلام/ ۱۵)۔

۱۔ زوجہ کا شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ برداشت کرے گا، مہر دے گا، حسن سلوک سے پیش آئے گا، اس کے حقوق میں کمی نہیں کرے گا، دوسری بیوی کی طرح اس کی باری مقرر کرے گا یا شوہر کا شرط لگانا کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی، اس کی نافرمانی نہیں کرے گی، نفلی روزے اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی، کسی کو اس کی اجازت کے بغیر گھر میں آنے نہ دے گی، اس کے سامان میں بغیر اس کی مرضی کے تصرف نہیں کرے گی وغیرہ۔

۲۔ یا یہ شرط لگانا کہ مہر ونفقہ کے کفیل شوہر کے والدین ہوں گے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کا شرط لگانا کہ عائلی زندگی کے دشوار گزار ہونے کی صورت میں اسے طلاق کا حق ہوگا، یا عورت کا تفویض طلاق یا امر بالید کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا۔

۴۔ یا عورت کا شرط لگانا کہ دخول سے قبل نصف مہر ادا کر دینا ہوگا، جب اس علاقہ کا رواج بھی ایسا ہی ہو، یہ ساری صورتیں علی الترتیب عقد نکاح کے متقاضی ہونے، مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے اور عرف کے قبیل کی ہیں، اس لئے یہ شرائط صحیح ہیں اور ان کا ایفاء ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً" (بنی اسرائیل: ۳۴) (اور عہد (مشروع) کو پورا کرو (ایسے) عہد کی باز پرس ہوگی)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وہ شرائط جن کا پورا سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ہے جن پر تم نے نکاح کیا ہو''
(مسلم مع شرح النووی ا/ ۴۵۵)۔

خطابی کہتے ہیں نکاح کی مختلف شرطیں ہیں: ان میں جن کا ایفاء بالاتفاق ضروری ہے وہ ایسی شرطیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، یعنی ''امساک بالمعروف'' اور ''تسریح بالاحسان'' اور اسی پر بعضوں نے اس حدیث کو محمول کیا ہے۔

شرط فاسد

دوسری قسم ان شرائط کی ہے جو نہ تو عقد نکاح سے میل کھاتی ہیں اور نہ ہی شرع وعرف اس کی اجازت دیتے ہیں، ایسی شرائط کا مقصد بالعموم نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز یا متعاقدین میں سے کسی فریق پر ایسی پابندی لگانا یا ایسے حق کا حصول ہوتا ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں ممکن نہیں تھا، مثلاً یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا ، وہ مہر نہیں ادا کرے گا، مرنے کی صورت میں بیوی وارث نہیں ہوگی یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا وغیرہ، اس قبیل کی شرائط فاسد ہیں، اس لئے لغو قرار پائیں گی ان کا ایفاء ضروری نہیں ہوگا اور نہ ہی عدم ایفاء کی صورت میں کوئی اثر عقد نکاح پر پڑے گا، ترمذی میں ہے:

''حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے اس کی شرط سے پہلے شرط لگادی، گویا اس نے زوج کے لئے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ اسے باہر لے جائے گا، اگر چہ اس نے شوہر پر شرط لگائی ہو کہ وہ اسے باہر نہیں لے جائے گا، بعض اہل علم کی یہی رائے ہے اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے'' (سنن الترمذی باب ماجاء فی الشرط عند عقد النکاح)۔

نکاح پر شرط فاسد کے اثرات

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، حنفیہ کے یہاں شرط فاسد سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور صحیح یا فاسد کے عدم ایفاء سے عورت کو فسخ کا اختیار نہیں حاصل ہوتا ہے، کیونکہ عدم ایفاء سے زیادہ سے

زیادہ شارط کی رضا فوت ہوتی ہے جو عقد نکاح میں موثر نہیں (دیکھئے: احکام الاسرہ فی الاسلام/ ۱۵۵)

بعض اہل علم نے حنفیہ کے مذہب کو ان احادیث کے مخالف قرار دیا ہے، جس میں شرائط اور وعدے کے ایفاء پر زور دیا گیا ہے، اس سلسلے میں گفتگو گزر چکی ہے کہ حدیث کی مراد کیا ہے، اس سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اگر کسی نے وعدہ وفا نہیں کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا، باطل ہوگا، یا عورت کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا (دیکھئے: تقریر الترمذی)۔

امام مالک کے یہاں شرط فاسد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور اگر دخول کی نوبت نہیں آئی ہے تو فسخ کرنا ضروری ہے، دخول کے بعد عقد باقی رہے گا، شرط باطل ہوگی اور مہر مسمی کی جگہ مہر مثل واجب ہوگا۔

''اس سلسلے میں مالکیہ کا مذہب شرط فاسد سے عقد کے بطلان کا ہے، اور جب تک مرد اس عورت سے دخول نہ کرے نکاح کا فسخ واجب ہے، اگر دخول کر لیا تو عقد نافذ ہو جائے گا اور شرط لغو ہو جائے گی، مسمی باطل ہو کر عورت کو مہر مثل ملے گا'' (الاحکام الشرعیۃ للاحوال الشخصیہ/ ۱۱۰)۔

تعلیق طلاق کی شرط

اشتراط فی النکاح میں ایک اہم بحث تعلیق طلاق اور تفویض طلاق ہے، حنفیہ کے یہاں دونوں شرطیں معتبر اور صحیح ہیں، لہذا اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ''**کل امراۃ یتزوج بھا تکون طالقا**'' تو طلاق واقع ہو جائے گی، شرط باطل نہیں ہوگی، البتہ اس قسم کی شرائط سے اسلام کے تعدد ازدواج کی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جا سکتی، '' فتاوی رشیدیہ'' میں اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے، '' یہ نکاح شرعاً صحیح اور معتبر ہے، اس تعلیق سے نکاح میں فساد نہیں آتا اور یہ تعلیق بھی شرعاً معتبر ہے، اگر اس شرط پر نکاح کیا تو خاوند کے دوسرے نکاح کرنے سے اس پر طلاق پڑ جائے گی، مگر چونکہ اصل مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط اقامت عدل بین الازواج وتحمل نان ونفقہ چار تک زوجات درست ہیں اس لئے ایسی شرط رائج کرنا، ہرگز اصول شریعت کے سزاوار و مطابق نہیں (فتاوی رشیدیہ کامل ۳۳۸۵)۔

انہیں وجوہ سے امام شافعی کے نزدیک یہ شرط غیر لازم ہے، امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، البتہ ان کے یہاں نکاح ثانی کی صورت میں معاملہ عورت کے اختیار میں چلا جاتا ہے، چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے اور چاہے تو علیحدگی اختیار کرلے، امام ابن تیمیہ نے اسے اعدل الاقوال قرار دیا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۲)۔

اور تیسرا قول جو تمام اقوال میں زیادہ قرین انصاف ہے، یہ ہے کہ اس سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق، لیکن عورت کے لئے وہی ہے جو اس نے شرط لگائی تھی، اس لئے وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے چاہے تو جدائیگی اختیار کرے یہ متوسط قول ہے۔

تفویض طلاق کی شرط

یہی حکم تفویض طلاق کا بھی ہے، عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر نے اسے قبول کرلیا تو طلاق کا حق عورت کی طرف منتقل ہوجائے گا، حضرت تھانوی نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں لکھا ہے:

''نکاح مذکورہ میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرالی گئی ہیں، اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے، بعض لوگوں نے اسی صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر حقیقت میں یہ نکاح معلق نہیں، بلکہ نکاح منجز ہے جو تفویض کے ساتھ مشروط ہے، نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو، جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا، اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اگر میرا باپ راضی ہو، تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جاوے، بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہوجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہورہا ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے (الحیلۃ الناجزۃ ۱۲۷)۔

تفویض طلاق کی یہ شرط اگر نکاح سے پہلے لگائی گئی تو اس میں اضافت الی النکاح ضروری ہے اور فریقین کے اتفاق کے بعد عین عقد نکاح میں اس کا ذکر کرنا ضراوری نہیں ہے،

کیونکہ نیت متقدمہ مقارنہ کی طرح ہی ہوا کرتی ہے، البتہ پہلے اتفاق ہوگیا تھا، لیکن ابھی ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہوگیا، ایسی صورت میں عین عقد نکاح کے وقت بھی شرائط کا ذکر کرنا ضروری ہوگا، اور اگر معاملات شرائط پہلے سے طے نہیں تھے اور عین عقد نکاح کے وقت شرائط لگائے جارہے ہیں تو ضروری ہے کہ ایجاب عورت، اس کے وکیل یا ولی کی جانب سے مع شرط ہو اور مرد اسے قبول کرلے، اگر معاملہ اس کے برعکس بایں طور طے ہوا کہ مرد نے ایجاب بلاشرط کیا اور عورت یا اس کے ولی نے شرائط کے ساتھ قبول کیا تو یہ شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح منعقد ہوجائے گا (ردالمحتار ۲/۱۷۹، ۲/۶۹۹ کتاب الطلاق)۔

اس لئے کہ ابتداءً جب زوج کی طرف سے ہوگی تو طلاق وتفویض نکاح سے قبل ہوگی، اس لئے (یہ صورت) صحیح نہیں ہوگی، لیکن اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، اس لئے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب اعادہ سوال کو متضمن ہوتا ہے تو گویا اس نے یہ کہا کہ میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تو مطلقہ ہوجائے، یا اختیار تیرے ہاتھ میں رہے، تو یہ تفویض بعد النکاح ہوگی جو صحیح ہے۔

البتہ اگر عورت کے مطلق ایجاب کے بعد شوہر نے مشروط قبول کیا تو نکاح مشروط بتفویض طلاق ہوگا، لیکن اس صورت میں مرد کے اختیار میں ہوگا، چاہے تو شرط لگا کر قبول کرے یا مطلق قبول کرکے نکاح منعقد کرلے، عقد نکاح کے بعد بھی طرفین کی مرضی سے اس قسم کی شرط پر اتفاق کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی حیثیت شرط کے بجائے معاہدہ کی ہوگی، پھر طلاق کا حق چونکہ مرد کو حاصل ہے، اس لئے یہ شوہر کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ وہ اس قسم کا کوئی معاہدہ بیوی سے کرے یا نہ کرے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنی چاہئے کہ طلاق اصلاً مرد کا حق ہے اور شریعت نے انتہائی حکمت ومصلحت کے تحت یہ حق اسے دیا ہے، اس لئے تفویض طلاق کی شرط اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اس سے گریز افضل ہے، اعتماد کی فضا بحال کرنے کے لئے اگر اس شرط

کا لگانا ضروری ہو تو بھی اس کی حوصلہ افزائی کسی درجہ میں نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ خدشہ ہے کہ عورتیں اپنی مخصوص افتادِ طبع، جذباتیت، جلد بازی اور نقصان عقل کی وجہ سے اس حق کا زیادہ غلط استعمال کریں گی، ایسے میں عورت پریشانی اور پشیمانی میں تو مبتلا ہوگی، سماج پر بھی اس کے مضر اثرات پڑیں گے، ان خدشات کے پیش نظر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ مرد درج ذیل قیود کا بھی اضافہ کردے:

۱۔ عورت اپنے اس حق کا استعمال غصہ وجذبات کی حالت میں نہیں کرسکے گی۔

۲۔ یہ حق اس طہر میں استعمال کرے گی جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔

۳۔ صرف ایک طلاق بائن کی مجاز ہوگی۔

۴۔ یہ حق اعزاء واقرباء سے مشورہ کے بغیر استعمال نہیں کرے گی۔

۵۔ حق کے استعمال کے پہلے شوہر کو مہر سے بری کردے گی (دیکھئے: بحر الرائق ۳؍۳۱۹)۔

تفویض کے بعد رجوع

اگر شوہر تفویض کے بعد عورت کو اس حق کے استعمال سے روکنا چاہے یا رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہوگا، عالمگیری میں ہے:

’’شوہر کو اس سلسلے میں رجوع کا یا جو کچھ تفویض کیا ہے، اس سے روکنے اور فسخ کا اختیار نہیں ہے‘‘ (عالمگیری ۲؍۱۷۵، شامی، ہدایہ ۲؍۳۶۱)۔

مہر مشروط سے متعلق مسائل

اشتراط فی النکاح کی ایک شکل یہ ہے کہ مہر مشروط مقرر کیا جائے، مثلاً عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے پائے کہ اگر مرد کے پاس دوسری منکوحہ ہو تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار مہر ہوگا، یا یہ کہے کہ آبائی وطن میں رکھا تو ایک ہزار اور باہر لے گیا تو دو ہزار، یا اس عورت کے رہتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ورنہ پندرہ ہزار، یا یہ طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو

طلاق دیا تو مہر بیس ہزار ورنہ دس ہزار ہوگا، ان تمام صورتوں میں نکاح جائز ہے (دیکھئے: فتاوی تاتارخانیہ ۱۰۱/۳، بدایۃ المجتہد ۲۲/۲)۔

یہ اس مسئلہ کی فقہی تفصیلات تھیں، جہاں تک فتوی اور عمل کی بات ہے تو آج کے حالات میں جب طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کثرت سے ہونے لگا ہے، صاحبین کے مذہب پر فتوی اور عمل احوط اور انسب معلوم ہوتا ہے، یعنی مہر مشروط میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

ملازمت سے متعلق شرائط

چونکہ کسب معاش عام حالات میں عورت کے فرائض میں نہیں ہے، اسلام نے اس کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ڈال کر اسے تدبیر منزل کے لئے خاص کر دیا ہے، اس لئے اس قسم کی شرائط اسلامی مزاج کے خلاف اور شرط فاسد ہیں (جس کا حکم پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے) اس لئے نکاح صحیح ہوگا، شرط لغو ہوگی اور شوہر کو شرط قبول کرنے کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دینے یا نئی ملازمت سے روکنے کا اختیار باقی رہے گا اور اس سلسلے میں شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کے شرعی احکام

مفتی محمد زید مظاہری ☆

بخاری شریف کی روایت ہے: أحق الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج" (عمدۃ القاری کتاب الشروط ۱۱/۲۲۱)۔

اور مسلم شریف کی روایت ہے: أن أحق الشروط أن یوفی بھا مااستحللتم به الفروج" (مسلم شریف کتاب النکاح / ۴۵۵)۔

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ "شرطوں میں پوری کرنے کے اعتبار سے زیادہ لائق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو"

الفاظ کے فرق کے ساتھ اس مضمون کی اور بھی روایات وارد ہوئی ہیں (فتح الباری ۹/ ۱۲۵) حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی "فتح الملہم" میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"یعنی حدیث پاک میں جن شرائط کے پورا کرنے کا حکم آیا ہے ان سے جائز شرطیں مراد ہیں، ممنوع شرطیں مراد نہیں، کیونکہ فاسد شرطوں کا پورا کرنا درست نہیں" (فتح الباری ۹/ ۱۲۵، فتح الملہم ۲/ ۲۶۱)۔

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عورت کو خود طلاق واقع کر لینے کی شرط لگانے کا حکم

اصلا تو شریعت نے شوہر ہی کو یہ اختیار دیا ہے کہ بوقت ضرورت اپنی بیوی کو طلاق دے ،لیکن ساتھ ہی اس کی بھی اجازت دی ہے کہ خود طلاق نہ دے کر کسی دوسرے کو طلاق کا اختیار دے دے،جس میں عورت بھی داخل ہے،حتی کہ مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق واقع کر لینے کا اختیار دیدے تو یہ بہت صحیح ،عقل ونقل کے موافق ہے۔

''شمس الائمہ سرخسی نے'' مبسوط'' میں تصریح فرمائی ہے کہ مرد نے جب طلاق کو عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ قیاس واستحسان کی رو سے بالکل صحیح ہے، کیونکہ شوہر طلاق کا مالک تھا، اگر اپنے مملوک حق کا وہ کسی کو مالک بنادے تو بالکل صحیح اور لازم ہوجائے گا حتی کہ شوہر کو اس سے رجوع کا بھی حق نہ ہوگا'' (بحرالرائق ۳/۳۱۰،مبسوط السرخسی ۶/۲۲۱)۔

اورشوہر کے یہ اختیار دینے کے بعد عورت کو یہ اختیار حاصل ہوجانا ایسا اتفاقی مسئلہ ہے کہ صحابہ میں اس مسئلہ میں سارے لوگ متفق تھے اور متعدد صحابہ اس سلسلہ میں روایات منقول ہیں (دیکھئے:نصب الرایہ ۳/۲۲۹،اعلاء السنن ۱۸/۱۹۸،درایہ/ ۲۲۷)۔

تفویض کے بعد شوہر کا حق رجوع:

شمس الائمہ سرخسی کی تصریح کے مطابق تفویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا (مبسوط السرخسی ۶/۲۲۱،ہندیہ ۶/۵۷،درمختار ورد المحتار)۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا،اکابر علماء وفقہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

تفویض کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

پہلی صورت اور اس کی شرط

اس کی کل تین صورتیں جائز ہیں،پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط باہمی

رضامندی سے طے ہوجائیں اور فریقین کے اس پر دستخط ہوں، اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف نسبت بھی موجود ہو، مثلاً معاہدہ اس طرح لکھا جائے کہ ''اگر میں فلانہ بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے''

اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (دیکھئے: الحیلۃ الناجزۃ ۳۱)۔

دوسری صورت اور اس کے شرائط

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب وقبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط صاحب ''درمختار'' نے یہ لکھی ہے کہ اس میں ابتداءً یعنی ایجاب عورت کی جانب سے (جس میں شرط اور تفویض کا ذکر ہو) اور قبول مرد کی جانب سے ہونا چاہئے، اگر اس کے برعکس ہوا تو اگرچہ شرط لغو اور تفویض کا ذکر کردیں تب بھی یہ شرط قرار پائے گی اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار)۔

لیکن مرد کی جانب سے ایجاب اگر اس طرح ہو کہ ''میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ تجھ سے نکاح کرنے کے بعد عورت کو تفویض، یعنی خود طلاق واقع کرلینے کا اختیار ہوگا ''فتاوی ہندیہ'' میں اس کی تصریح موجود ہے (دیکھئے: ہندیہ کتاب الحیل ۶/۳۹۶)۔

تیسری صورت اور اقرار نامہ زبردستی لکھوانے کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد اقرار نامہ شوہر کی جانب سے لکھوایا جائے، جس میں عورت کو حق تفویض دیا گیا ہو، یہ صورت بھی بلاشبہ درست ہے، اور مذکورہ بالا شرائط میں سے

کوئی شرط بھی اس صورت میں لازم نہیں، حتی کہ شوہر کی رضامندی بھی شرط نہیں، یعنی اگر اس طرح کا اقرار نامہ جبر واکراہ کے ساتھ شوہر سے لکھوا لیا گیا تب بھی عورت کو یہ حق حاصل ہو جائے گا، جیسا کہ ''فتاوی خانیہ'' کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، دیکھئے: (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۲۸/۳)۔

تفویض واختیار کی تحدید

تفویض کے بعد عورت کو یہ اختیار کب تک باقی رہے گا، آیا شوہر اس اختیار کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں اور عورت اس اختیار کو کب تک استعمال کرنے کی مجاز ہے؟ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

(۱) تفویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ عورت کب تک اس اختیار کو استعمال کر سکتی ہے تو اگر وہ الفاظ اور صیغے عام نہیں ہیں، مثلاً اس طرح شرط مقرر کی کہ اگر شوہر نے ایسی حرکت کی تو عورت کو اختیار ہوگا، اس صورت میں تو عورت کو صرف ایک ہی مرتبہ طلاق واقع کر کے شوہر سے علیحدگی کا حق ہوگا، اور جس مجلس میں عورت کو خلاف شرط کا علم ہوا اسی مجلس تک اختیار ہوگا، اس وقت خاموشی یا رضامندی ظاہر کرنے کے بعد یا مجلس ختم ہو جانے کے بعد اس کا اختیار باطل ہو جائے گا، اور اگر تفویض عام صیغوں کے ساتھ ہوئی تھی اس طرح کہ جب جب ایسا ہو، جب بھی شوہر ایسی حرکت کرے، عورت کو طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا، ایسی صورت میں عورت کا اختیار ایک مرتبہ کے ساتھ یا اس مجلس تک محدود نہ ہوگا، بلکہ خلاف شرط جب بھی کوئی امر پایا جائے گا، عورت کو طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا (دیکھئے: شامی، بحر وغیرہ)۔

احتیاطی تدابیر

لیکن اس کے باوجود عورت چونکہ ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے مناسب ہے کہ ضرر سے حفاظت کے لئے تفویض تو کی

جائے، لیکن اس میں مناسب قیدیں بھی لگادی جائیں تا کہ عورت اس کا غلط استعمال نہ کر سکے، اور وہ یہ کہ مثلا نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس کا وکیل یا ولی یا خود عورت یا قاضی نکاح خواں، اس طرح کہے کہ میں نے مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے شدید تکلیف پہنچے گی، یا عورت کو حق تلفی اور ظلم کی شکایت ہوگی، جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے علیحدگی اختیار کر لے اس کے بعد بھی عورت کو چاہئے کہ استخارہ، مشورہ اور دعاء اور انجام کو سوچنے کے بعد انشراح کے ساتھ اس حق کو استعمال کرے، ورنہ کبھی بعد میں افسوس کرنا پڑتا ہے (الحیلۃ الناجزۃ مختصرا ۱/ ۳۵)۔

تعلیق وتردید کے ساتھ مہر متعین کرنے کا شرعی حکم

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کا عورت سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر عورت کو اس کے شہر سے نہ لیجائے گا تو ایک ہزار مہر اور اگر اس کے شہر سے لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا، اس طرح مہر مقرر کرنے کی صورت میں نکاح تو بہر حال درست ہوگا، البتہ امام صاحب کے نزدیک مہر کی بابت پہلی شرط معتبر اور دوسری شرط فاسد ہے، یعنی اگر شوہر اپنی شرط پر رہا تو ایک ہزار مہر ہوگا ورنہ دوسری صورت میں شرط کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مہر مثل لازم ہوگا۔

لیکن صاحبین کے نزدیک دونوں ہی شرطیں جائز ہیں، یعنی اگر شرط کے خلاف کیا تو دو ہزار مہر لازم ہوگا، عام طور پر فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۱۰۱، ہندیہ ۱/ ۳۰۷، بدائع ۲/ ۲۸۶، بحر ۳/ ۱۵۹، مبسوط ۵/ ۹۰)۔

امام صاحب کے مسلک کی توضیح اور غلط فہمی کا ازالہ

مشہور تو یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر کیا گیا ہو وہی تسمیہ صحیح ہے اور دوسری شق کا مقرر کردہ مہر معتبر نہیں، بلکہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا لیکن یہاں پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شق اول کا تسمیہ کیوں معتبر اور شق ثانی

کا غیر معتبر ہوتا ہے، خواہ اول ہو یا ثانی اس سے کوئی واسطہ نہیں، محقق ابن الہمام ''فتح القدیر'' میں امام صاحب کے مسلک کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تسمیہ میں یعنی شق اول میں جو مہر مقرر ہوا ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ منجز ہے اس لئے یہ معتبر ہے، بخلاف شق ثانی کے کہ وہ معلق ہے اس لئے غیر معتبر ہے'' (فتح القدیر ۳/ ۲۳۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مہر جو تعلیق کے ساتھ مقرر ہوا وہ صحیح نہیں اور جو تنجیز کی صورت میں ہو وہ صحیح ہے خواہ اول ہو یا ثانی۔

فقیہ النفس ابن نجیم ''البحر الرائق'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تسمیہ اولی کی صحت کا مدار صرف اس پر ہے کہ وہ منجز ہے معلق نہیں اور یہ صرف اسی صورت میں منطبق ہوتا ہے، جبکہ شوہر نے یہ کہا کہ اگر عورت کے شہر میں مقیم رہا تو ایک ہزار، لیکن اس صورت میں جب کہ شوہر نے کہا کہ اگر منکوحہ کی سوکن کو طلاق دیدے تو ایک ہزار اور اگر طلاق نہ دے تو دو ہزار مہر پر نکاح ہوگا، اس صورت میں حکم مختلف ہوگا، یعنی پہلی صورت کا تسمیہ فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں طلاق نہ دینا یہ تنجیز ہے، لہذا پہلا فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا،، (البحر الرائق ۳/ ۱۶۲)۔

اس تفصیل کے پیش نظر علی الاطلاق یہ کہنا درست نہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلے ہو وہ صحیح اور دوسرا فاسد ہوگا، بلکہ درست یہ ہے کہ جو تسمیہ بصورت تنجیز ہو وہ درست ہوگا اور جو بصورت تعلیق ہو وہ درست نہیں ہوگا۔

صورت مسئولہ کا حکم

لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بیوی کو وہ طلاق دے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہوگا، اس صورت میں چونکہ پہلی صورت میں مہر معلق ہے اور دوسری صورت میں منجز، اس لئے پہلا مہر درست نہ ہوگا اور دوسرا صحیح ہوگا، یہ مسلک

امام صاحب کا ہے، امام صاحب کے مسلک کے مطابق اگر کوئی صورت مفید ہوسکتی ہو تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

صاحبین کا مسلک

البتہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور دونوں صورتوں میں مہر کا تسمیہ درست ہے، لیکن ہمارے تمام فقہاء نے اس مسئلہ میں امام صاحب کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے اور صاحبین کے مسلک کو مرجوح قرار دیا ہے، اس لئے اصحاب ترجیح یا دلائل کی قوت کے پیش نظر تو صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی اجازت نہیں، البتہ ضرورت کی وجہ سے جب ضعیف قول، نیز دیگر مذاہب پر فتوی دینے کی اجازت ہے تو صاحبین کے مسلک پر بدرجہ اولی ہونا چاہئے، لیکن وہ ضرورت واقعی ضرورت بھی ہو، اس کی بناء صحیح ہو، اور وہ ضرورت صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے سے پوری بھی ہوتی ہو۔

صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا مسئلہ کا حل نہیں

ضرورت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تب بھی اس ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود اور خلاف عقل ونقل ہے، کیونکہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے، اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کردو تاکہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کرسکے شرعا بھی مردود ہے اور عقلا بھی، کیونکہ شریعت نے خود بعض حالات میں طلاق کو تجویز کیا ہے، حقوق کی ادائیگی نہ کرسکنے کی صورت میں شوہر کو طلاق دینے ہی کا حکم ہے، لہذا بالقصد ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے کہ طلاق کا دروازہ ہی گویا بند کردیا جائے یہ درست نہیں، کیونکہ یہ تو تغییر مشروع کے مرادف ہے، اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تب بھی یہ تدبیر غیر مفید، بلکہ مضر ہے۔

الغرض طلاق نہ دینے کے خطرہ سے مہر کی زیادتی کا تصور ہی سرے سے غلط ہے، کیونکہ

بسا اوقات باہمی نباہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق دینا ہی شوہر بیوی دونوں کے حق میں مفید ہوتا ہے۔

مناسب حیلہ اور مفید تدبیر

لیکن اگر کسی کے نزدیک اس کی واقعی ضرورت وافادیت مسلم ہوتو اس کے لئے ایک حیلہ ہے جس کو ہمارے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے، ہندیہ میں بھی منقول ہے، وہ یہ کہ عورت شوہر سے اس طرح نکاح کرے کہ میں اتنے مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کرتی ہوں (اور اس شرط کو ذکر دے جو اس کو منظور ہے)، مثلاً: یہ کہ مجھ کو طلاق نہ دے یا میرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اور اگر اس شرط کے خلاف کیا تو بجائے مہر مسمی کے مہر مثل لازم ہوگا اور مہر مثل کی تعیین بھی کردے کہ مہر مثل اتنا ہوگا (جو شوہر پر ثقیل ہوگا) اور شوہر اس کا اقرار بھی کرلے، اس صورت کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، خلاف شرط ہونے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا اور چونکہ وہ کثیر مقدار میں ہوگا، لہذا شوہر اس شرط کے خلاف کی جرأت نہ کرسکے گا (فتاوی ہندیہ کتاب الحیل ۶/ ۳۹۲)۔

ضرورت کے وقت کی حد تک اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسے امور کا رواج دینا شریعت کی مراد کے خلاف، بلکہ تغیر مشروع کے مرادف ہوگا۔

بیوی کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط پر نکاح کرنا

(۱) فقہاء ومحدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ نکاح میں عائد کردہ وہ شرطیں جو مقتضاء عقد کے خلاف، حقوق زوجیت کے منافی، یا کسی غیر مشروع امر پر مشتمل ہوں ایسی شرطیں باطل اور ان کا پورا کرنا واجب نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں جائز نہیں (دیکھئے: عینی شرح البخاری ۱۱/ ۲۲۱، فتح الباری ۹/ ۱۲۵)۔

(۲) اور عقد نکاح کے تقاضے اور اس کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ شوہر کو بیوی پر ملک تام حاصل ہو، جہاں شوہر رہے عورت کو ساتھ رکھے، ایسی کوئی شرط لگانا جس سے ملک تام حاصل نہ وہ عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف اور حقوق زوجیت کے منافی ہے۔

عقد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطیں
ایک شرعی جائزہ

مولانا نورالحق رحمانی ☆

جمہور فقہاء کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف

احناف، شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک عقود وشروط کے سلسلے میں قدرے اعتدال پر مبنی ہے، نہ اس میں اہل ظاہر کی طرح حد سے زیادہ تنگی ہے نہ حنابلہ کی طرح حد سے زیادہ توسع، اس سلسلے میں اصل تو ان کے یہاں حظر و باحت ہی ہے اور اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے "**نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم من بيع وشرو ط**" (المستدرک للحاکم) لیکن وہ اس سے ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں مقتضاء عقد کے مطابق ہوں یا مقتضاء عقد کو موکد کرنے والی ہوں، یا جن کے بارے میں کوئی نص وارد ہوں یا جن کا عرف میں رواج ہو، یہ ائمہ چوں کہ احکام کی علتوں سے بحث کرتے ہیں اور قیاس اور عرف کے اصول پر ان کا عمل ہے اس لئے وہ نہی کی علت وقوع نزاع کو قرار دے کر ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جن سے نص خاموش ہے اور عرف کی بنیاد پر نزاع کا احتمال باقی نہیں رہتا، "درمختار کتاب البیوع" میں شرط صحیح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف، پٹنہ

"فيصح البيع بشرط يقتضيه العقد، كشرط الملك للمشترى ...أولايقتضيه لكن يلائمه كشرط رهن معلوم وكفيل حاضر......أوجرى العرف به كبيع نعل ..على أن يحذو البائع أو يشركه" (الدرالمختار ۵/۸۶،۸۷)

مذکورہ بالاعبارت کی روشنی میں احناف کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو، یا مقتضائے عقد کو مؤکد کرنے والی ہو، یا جس کے بارے میں کوئی شرعی نص وارد ہو یا جس کا عرفاً رواج ہو، وہ شرط صحیح ہے، اور جو شرط ان چاروں قسموں کے سوا ہو، یعنی جو نہ مقتضائے عقد کے مطابق ہو، نہ مقتضائے عقد کو ثابت کرنے والی ہو، نہ اس کے سلسلے میں کوئی نص شرعی ہو، نہ عرف میں اس کا رواج ہو تو وہ شرط فاسد ہے۔

شرائط عائد کرنے کا طریقہ:

مقتضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ کہ خود عقد نکاح کے نتیجہ مین جو کام فریقین پر عائد ہوتے ہیں بوقت نکاح اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا جائے، مثلا بیوی کی طرف سے مہر اور نفقہ کی شرط یا مناسب رہائش کی شرط یا حسن معاشرت کی شرط، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط کہ بیوی اس کی اطاعت کرے گی، اس کے گھر بار کی دیکھ ریکھ کرے گی، اس کے حکم کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی، اور نافرمانی کی صورت میں شوہر کو اس کی تادیب کا حق ہوگا کہ تمام چیزیں خود عقد نکاح کے احکام کے طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اور مقتضائے عقد کے مناسب اور ان کو موکد کرنے والی شرطیں، مثلاً عورت کی طرف سے مہر اور نفقہ کے لئے کسی کو ضامن اور کفیل مقرر کرنے کی شرط کہ مہر و نفقہ کا وجوب تو عقد نکاح کی بنیاد پر ہوتا ہے لیکن کفالت کی شرط سے انکا حصول آسان اور مؤکد ہوجائے گا، یا مثلا بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ وہ اسے اپنے گھر والوں سے علیحدہ کمرہ میں رکھے گا۔

اور کسی ایسی چیز کی شرط لگانا جس کی شریعت میں دلیل موجود ہو اور جو شرعی لحاظ سے مباح ہو، مثلا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ اگر زوجین کے درمیان ازدواجی تعلقات خوشگوار نہ رہے، تو

اسے طلاق کا حق ہوگا، یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ فلاں فلاں صورت میں اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، کہ یہ دونوں مقتضائے عقد کے مطابق ہیں نہ اس کے مقتضی کو مؤکد کرنے والی ہیں، لیکن شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے کہ ازدواجی تعلقات کے خراب ہونے کی صورت میں شریعت نے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع اور فسخ نکاح کے ذریعہ رہائی حاصل کرنے کا حق دیا ہے۔

اور کوئی ایسی شرط لگانا جس کا عرف میں رواج اور لوگوں میں تعامل ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ صرف نصف مہر فوری طور پر ادا کردے گا اور باقی مہر مؤجل ہوگا، یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ نصف مہر فوری طور پر وصول کرے گی، جب کہ اس علاقہ میں ایسا ہی رواج ہو۔

یہ تمام شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہیں، لیکن اگر ان کا التزام کرنے والے فریق نے ان کی خلاف ورزی کی تو شرط لگانے والے فریق کو شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق چارہ جوئی کا حق تو حاصل ہوگا لیکن فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے محض ایجاب وقبول کا صادر ہونا ضروری ہے، فریقین کی رضامندی ضروری نہیں ہے، اس بناء پر ان کے نزدیک مکرہ کا نکاح بھی منعقد ہوجاتا ہے، حالانکہ مکرہ کی رضامندی تو ابتداءً ہی نہیں ہے اور جب نکاح رضامندی کے بغیر ابتداءً ہی منعقد ہوجاتا ہے تو بقاء بدرجہ اولی منعقد ہوگا، حنفیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے، جس میں نکاح، طلاق اور عتاق کے ہزل اور مذاق کو بھی سنجیدگی پر محمول کیا گیا ہے۔

”**ثلاث جد هن جد وهزلهن جد ، النكاح والطلاق والرجعة**“ (مشکوۃ عن ابی ہریرہ ۲۸۲/۵ باب الخلع والطلاق)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شرط صحیح کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔

شرط فاسد اور اس کا حکم

شرط فاسد وہ ہے جو مقتضاء عقد کے منافی اور احکام شرع کی رو سے ناجائز ہو، لیکن اس

میں فریقین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو اور شریعت میں اس کے جواز کی کوئی دلیل وارد نہ ہو اور نہ لوگوں کے درمیان اس کا تعامل ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کو مہر نہ دے گا، یا اس کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ہوگا یا یہ کہ بیوی ہی گھر کے اخراجات کی کفالت کرے گی یا دونوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں یہ شرط لگانا کہ مرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ اسے اپنی دوسری بیویوں پر نان ونفقہ اور باری کی تقسیم میں فوقیت دے گا، یا یہ کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے جہاں چاہے گی جائے گی، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، یا ملازمت کرنے دے گا، وغیرہ۔

اس نوعیت کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ وہ باطل ہو جائیں گے اور عقد نکاح پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ عقد صحیح رہے گا، جمہور فقہاء کا مسلک اس سلسلے میں یہی ہے اور اس کی دلیل حدیث بریرہ ہے جو پہلے گذر چکی اور جس میں آں حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا ''**خذیها و اشترطی الولاء فإن الولاء لمن اعتق**'' (بخاری کتاب الشروط)۔

حضرت بریرہ کے مالکوں نے انہیں حضرت عائشہ کے ہاتھ فروخت کرتے وقت ان کی ولاء کی شرط اپنے لئے لگائی تھی جو شرط فاسد تھی، حضرت عائشہ نے آنحضور کے حکم کے مطابق ان کی یہ شرط قبول فرمائی تھی، پھر آنحضور ﷺ نے اس شرط کو باطل اور بیع کو نافذ قرار دیا، معلوم ہوا کہ عقد شرط سے فاسد نہیں ہوتا۔

شرط کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں مذکورہ بالا مسلک حنفیہ کا ہے، اور تقریباً یہی مسلک شافعیہ اور مالکیہ، یعنی جمہور فقہاء کا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ شرط صحیح کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں (۱) شرط صحیح غیر مکروہ، (۲) شرط صحیح مکروہ۔

اس دوسری قسم میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہ لے

جائے گا وغیرہ، اوران شرائط کی تکمیل کو وہ مستحب قرار دیتے ہیں، لازم قرار نہیں دیتے اور جمہور ہی کی طرح شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں دیتے، اس طرح نتیجہ کے لحاظ سے وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

اور شرط صحیح غیر مکروہ میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً مرد کا یہ شرط لگانا کہ عورت ان عیوب سے پاک ہو جن کی بناء پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، مثلاً ہاتھ پیر اور قوت سماعت وبصارت کا صحیح سالم ہونا، یا عورت کا تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہونا وغیرہ، اور شرائط کے فوت ہونے کی صورت میں وہ فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور جمہور ائمہ کے نقطہ نظر میں فرق یہ ہے کہ امام احمد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطوں میں اصل صحت کو قرار دیتے ہیں، جب تک کہ کوئی شرعی دلیل اس کے بطلان اور فساد پر قائم نہ ہو جائے، اور جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اصل شرط میں عدم الزام ہے جب تک کہ الزام کو ثابت کرنے والی کوئی شرعی دلیل (نص یا قیاس یا عرف) نہ پائی جائے، تو گویا محل اختلاف وہ شرائط ہیں جن کی صحت یا عدم صحت کے سلسلے میں کوئی خاص دلیل نہیں، امام احمد انہیں صحیح قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہاء انہیں لغو قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوالنامہ میں مذکور تینوں قسموں کی شرائط کا حکم درج ذیل ہوگا:

(۱) بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں فریقین پر عائد ہوتی ہیں انہیں کا شرائط کی صورت میں ذکر کیا جانا، مقتضائے عقد کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے وہ باتفاق ائمہ شرائط صحیحہ اور لازم الایفاء ہیں، لیکن ان کا یہ ذکر کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہے، او رشرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا، بلکہ ازدواجی حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف جس

کارروائی اور چارہ جوئی کا حق دیا ہے شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق انہیں اس کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) بوقت نکاح شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو یا اللہ تعالی کے واجب کردہ کسی حق کو ساقط کرنا اور حکم شرعی کو بدلنا ہو مقتضاء عقد اور احکام شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالاتفاق شرائط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے باطل قرار پائیں گی، لیکن نکاح کی صحت کے لئے مانع نہیں بنیں گی، اگر شوہر نے نان ونفقہ کی نفی کردی ہے تو بھی نان ونفقہ واجب ہوگا اور مہر کی نفی کی ہے تو دخول یا موت کے بعد مہر مثل واجب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہوگئی تو متعہ واجب ہوگا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَّمَتِّعُوهُنَّ" (سورہ بقرۃ/۲۳۶)

"وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لامهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها او مات عنها" (الہدایہ باب المہر ۲/۳۲۴)۔

(۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک شروط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، کیونکہ ان میں شوہر کے ان حقوق کو ساقط کرنا ہے جنہیں شریعت نے اسے عطا کیا، اور اسے ایک امر مشروع سے روکنا ہے کیونکہ شریعت نے مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیوں کی اجازت دی ہے۔

"فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع" (سورہ نساء/۳) اسی طرح بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حق دیا ہے، **"اسکنو ھن من حیث سکنتم من وجدکم"** (سورہ طلاق/۶) نکاح کے مصالح میں جنسی تسکین اور گھر کی تنظیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور ان

مقاصد کا حصول پوری طرح جب ہی ممکن ہے جب کہ بیوی شوہر کے ساتھ ہو ورنہ نکاح کے یہ مقاصد متأثر ہوں گے، اس لئے بیوی کی طرف سے ایسی شرطوں کا عائد کیا جانا شرط فاسد ہے، اس لئے شوہر پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی، البتہ ان کے ذکر سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد صحیح رہے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی۔

امام مالک کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیحہ مکروہہ میں داخل ہیں کیونکہ وہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں نہ ان کے ذریعہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کو ساقط کرنا لازم آتا ہے، بلکہ یہ شوہر کا حق ہے اور شوہر کو اپنے حق سے دست بردار ہونے کا اختیار ہے، لیکن چونکہ ان کی وجہ سے شوہر پر تنگی لازم آتی ہے، اس لئے وہ مکروہ ہیں، اس طرح کی شرط کا حکم ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائیں گی، لیکن شرط قبول کرنے والے فریق پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی، شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہوا یہ شرطیں شرائط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں، چونکہ ان میں عورت کی منفعت ہے اور یہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں ہیں، اس لئے شوہر پر انکی تعمیل واجب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو از روئے شرع ممنوع ہے اور جس سے دوسرے کو ضرر لاحق ہوتا ہے، مثلاً بیوی کی طرف سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط تو باتفاق ائمہ یہ شرط فاسد ہے، لہذا یہ لغو ہو جائے گی اور بلا ضرورت طلاق دینا علی حالہ حرام رہے گا۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح میں شرائط کو جمہور ائمہ کے مسلک کے تابع رکھا جائے، تاکہ عقد نکاح انتشار سے محفوظ رہ سکے، اور لوگ ازدواجی زندگی کو اپنی خواہشات کے تابع نہ بنائیں، اگر اس سلسلے میں امام احمد کے مسلک کو اختیار کیا جائے جس میں بے حد توسع ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ نکاح عاقدین کے تابع ہو جائے اور اس کا تقدس ختم ہو جائے جو شریعت نے

اسے عطا کیا ہے، اور اس کی حیثیت بھی یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں انجام پانے والے شہری نکاح کی سی ہوجائے، جو وقتی جذبات وخواہشات کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اور عارضی غصہ کی بنیاد پر ختم ہوجاتا ہے۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو فقہ حنفی کی رو سے یہ شرط صحیح قرار پائے گی، اور اس کی وجہ سے عورت کو مذکورہ صورتوں میں طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کے لئے بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی سہولت رکھی ہے، شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے اس حق کو براہ راست استعمال کرسکتا ہے، اور بیوی خلع اور فسخ کے ذریعہ، یعنی شوہر اور قاضی کے واسطہ سے، نیز شریعت نے جس طرح شوہر کو بطور خود طلاق کے استعمال کا حق دیا ہے اسی طرح اس حق کو دوسرے کے سپرد کرنے، اور طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل بنانے کا حق بھی دیا ہے، لہذا اگر شوہر بوقت نکاح بیوی کو یہ اختیار تفویض کردے، یا بیوی کی طرف سے عائد کردہ شرط کی بنیاد پر کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اس کی یہ شرط قبول کرلے تو اس کی بنیاد پر بیوی کو حسب تصریح مخصوص حالات میں یا مطلقا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اور اگر بعد میں چل کر شوہر اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا، درمختار میں ہے: **نکحها على أن أمرها بيدها صح** (الدر المختار ۳۲۹/۳)۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

(قولہ صح) **مقيد بما إذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منک على أن أمري بيدي أطلق نفسي، كلما أريد أوعلى أني طالق فقال الزوج قبلت، أما بعد الزوج لا تطلق ولا يصير الأمر بيدها كما في البحر من الخلاصة البزازية** (حاشیہ رد المختار علی الدر ۳۲۹/۳)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اوراس کی تحریر پر دستخط طرفین سے ہوجائیں، اس صورت میں بیوی کی طرف حق طلاق کے منتقل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں اس بات کی صراحت کردے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورتوں میں اسے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اگر شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت نہ کی گئی تو پھر اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) اور اگر عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے تو بھی صحیح ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو، مثلاً عورت یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں مجھے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا اوراس کے جواب میں مرد کہے میں نے قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہوگی، اور شرائط نامہ کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اور اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو اور مرد قبول میں شرط کا اضافہ کردے تب بھی تفویض درست ہوگی، لیکن اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو تو معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو شرط کا اضافہ کرے یا نہ کرے، بالغرض اگر اس نے شرط تفویض کا اضافہ نہ کیا تو پھر عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

(۳) اگر عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے جس کی رو سے مخصوص صورتوں میں، یا مطلقا طلاق کا اختیار بیوی کی طرف منتقل ہو اوراس پر فریقین کے دستخط ہوجائیں تو بھی یہ تفویض درست ہوگی، اور حسب شرائط بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔

یہ حکم تو فتوی اور مسئلہ کی رو سے ہوا، لیکن اس سے مصالح شرع اور مقاصد نکاح کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، صنف نازک کی زودرنجی، سریع الانفعالی اور ناعاقبت اندیشی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی طرف حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے، اسی بناء پر شریعت نے اسے

براہ راست طلاق کے استعمال کا حق نہیں دیا ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ جہالت اور ناخواندگی کا شکار ہے، دین سے دوری اور احکام شرع سے ناواقفیت عام ہے، شراب اور نشہ خوری کا بھی کسی درجے میں رواج ہے، لوگوں کی اخلاقی وروحانی تربیت کا کوئی مؤثر اور قابل ذکر نظام نہیں، جس کی بناء پر بہت سے مرد حق طلاق کا بیجا استعمال کرتے ہیں، اور اشتعال اور جذبات میں آکر ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے ڈالتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، اور بہت سی مسلم خواتین، اور ان کے معصوم بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں اگر بوقت نکاح شرط کے ذریعہ طلاق کا حق عورت کو تفویض کیا جائے اور اس نوعیت کا مشروط نکاح سماج میں رواج پذیر ہوجائے، تو حالات زیادہ سنگین ہوجائیں گے ،اور طلاق کے واقعات میں خاصا اضافہ ہوجائے گا، اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے مشروط نکاح کو ہرگز رواج نہ دیا جائے ورنہ مصالح نکاح بری طرح متأثر ہوں گے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تفویض طلاق بوقت نکاح کی جو تجویز پیش فرمائی ہے وہ ہندوستان کے سابقہ حالات کے پیش نظر تھی، جبکہ ہندوستان میں انگریز سامراج کے تسلط کے بعد کہیں بھی اسلامی دار القضاء اور مسلم قاضی کا نظام نہیں تھا اور مسلم خواتین کو بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم اور بے رخی سے پیش آتا ہے، نہ نان ونفقہ دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، کبھی بال بچوں سے بے فکر ہوکر پردیس چلا جاتا ہے اور لاپتہ ہوجاتا ہے، کبھی نامرد نکلتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح چچا وغیرہ نامناسب جگہ کردیتے ہیں اور لڑکی ناپسند کرتی ہے، بعض دفعہ مرد کو جنون کا مرض ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو اس قسم کی سب پریشانیوں کا علاج سہل تھا، مگر اب جبکہ قاضی شرع موجود نہیں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے (الحیلۃ الناجزۃ/۳۰)۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اب یہ صورت حال نہیں ہے، بہار واڑیسہ میں تقریباً پچھتر سالوں سے امارت شرعیہ قائم ہے اور اس کے تحت دار القضاء کا مضبوط نظام چل رہا ہے، ان دونوں صوبوں کے تمام اہم اور مرکزی مقامات میں دار القضاء قائم ہے جس کی وجہ سے مسلم خواتین کو ایسی ضرورت کی بنیاد پر فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہوجاتی ہے، بہار واڑیسہ کے علاوہ دہلی، بنگال، آسام، آندھرا پردیش، کرناٹک وغیرہ میں شرعی دار القضاء قائم ہیں، جس کی وجہ سے اب عورتوں کو فسخ نکاح کے لئے پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، ضرورت ہے کہ اس نظام کو مزید وسعت دی جائے اور مسلمانوں کے ہر مرکزی شہر اور مقام میں دار القضاء قائم کیا جائے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے مؤثر، قابل اعتماد اور ہر مسلک اور جماعت کی نمائندہ تنظیم ہے اس کے ذمہ داروں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اپنے سابقہ اجلاس منعقدہ جے پور راجستھان میں تمام اہم اور مرکزی مقامات میں دار القضاء کے قیام کی تجویز منظور کی ہے، ضرورت ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اور بورڈ کے ساتھ اس سلسلے میں تعاون کیا جائے، تاکہ یہ مبارک کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکے اور مسلمانوں کے عائلی معاملات و مقامات شرعی دارا لقضاء اور اسلامی شریعت کی روشنی میں فیصلہ کئے جائیں، اور ہر علاقہ کی مسلم خواتین کو بوقت ضرورت فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہو، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ تجویز ہندستان کے گزشتہ حالات کے پیش نظر تھی، لیکن اب جبکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں نظام قضاء اور قاضی شرعی کا وجود ہے تو ان پریشانیوں کا علاج سہل ہے، اس لئے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ بوقت نکاح بذریعہ شرط عورتوں کو طلاق کا حق تفویض کر کے طلاق کے واقعات میں اضافہ کیا جائے، اور مصالح شرع کے ضائع ہونے اور مقاصد نکاح کے فوت ہونے کا خطرہ مول لیا جائے۔

اور اگر کسی جگہ کے مخصوص حالات اور متوقع خطرات کی بنیاد کچھ نجی معاملات اور استثنائی کیسیز میں اس طرح کی ضرورت محسوس ہو تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے طلاق کا اختیار عورت کے سپرد نہ

کیا جائے، بلکہ اس کے خاندان کے کسی سنجیدہ اور قابل اعتماد افراد کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ غور وفکر کے بعد اور مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا استعمال کریں، یا پھر اس صورت پر عمل کیا جائے جو حضرت تھانوی نے اس سلسلہ میں ضروری مشورہ کے تحت ذکر کیا ہے، یعنی یہ کہ شرط کے ساتھ تراضی طرفین سے کم از کم دس آدمی کے نام متعین کردئے جائیں کہ ان میں سے کم از کم دو آدمی طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرلیں تو عورت کو طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو، لیکن اس صورت کو عام نہ کیا جائے ورنہ مصالح شرع فوت ہوں گے۔

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک چونکہ نکاح سے قبل تعلیق طلاق، یا تفویض طلاق صحیح نہیں خواہ اس کی اضافت اور نسبت نکاح ہی کی طرف کیوں نہ ہو، اس لئے مذکورہ تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں جب کہ نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں یا عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ان دونوں صورتوں میں تفویض طلاق صحیح نہ ہوگی، ہاں اگر عقد نکاح کے بعد باہمی رضامندی سے طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو یہ تفویض صحیح ہوگی۔

طلاق کے بیجا استعمال کو روکنے کے لئے اگر سوالنامہ میں مذکورہ صورت پر عمل کیا جائے اور عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار، تاکہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، اس طرح مہر طے کرنا عاجز کے خیال میں جائز ار معتبر ہوگا، جیسا کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھنے کی صورت میں مہر ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا جائے، تو صاحبین کے نزدیک دونوں تسمیے صحیح قرار پاتے ہیں، امام ابوحنیفہ کے قول کی بنیاد پر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، کیونکہ دوسرا تسمیہ باطل قرار پائے گا، البتہ صاحبین کے قول کی رو سے دونوں تسمیے صحیح ہوں گے، اور ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، بیجا طلاق کی روک تھام کے لئے یہ صورت کوئی زیادہ مؤثر تو نظر

نہیں آتی، کیونکہ جاہل لوگ غصہ اور جذبات میں آکر جس طرح طلاق دیتے ہیں اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے طلاق دینے سے باز رہیں گے، البتہ ممکن ہے کہ یہ صورت کسی درجے میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے میں مؤثر ثابت ہو، جبکہ اس میں اس کا بھی خطرہ ہے کہ طلاق مشکل ہوجائے، اور لوگ مہر کے خطرہ سے بچنے کے لئے واقعی ضرورت کی بنیاد پر بھی طلاق کے استعمال سے باز رہیں، اور عورت کالمعلقۃ ہوکر رہ جائے، دوسرے یہ کہ مہر کی زیادتی شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں، جیسا کہ صحیح حدیث "**إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة**" (مشکوۃ عن عائشۃ کتاب النکاح ۲/ ۲۶۸) وغیرہ سے پتہ چلتا ہے، بہرحال مہر مقرر کرنے میں اگر منفعت اور مصلحت کا پہلو ہے تو دوسری طرف مضرت اور مفسدہ کا پہلو بھی ہے، فیصلہ میں ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنا ضروری ہے، ان دونوں میں سے جونسا پہلو غالب ہوگا، حکم اسی کے تابع ہوگا۔

جواب سوال (۲)

مہر طے کرنے کی یہ صورت کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، مذکورہ بالا اصول اور تفصیلات کی روشنی میں درست معلوم ہوتی ہے، اس لئے صاحبین کے قول کی بنیاد پر دونوں شرطوں کو معتبر اور لازم ہونا چاہئے۔

بوقت نکاح عورت کی جانب سے ملازمت کی شرط

جواب سوال (۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک شرط فاسد ہے، جیسا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے اور آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، کیوں کہ بیوی محبوس بحق زوج ہے، نکاح کے نتیجہ میں شریعت نے

اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے اوقات کو شوہر، خاندان اور گھر کے مصالح کے لئے فارغ رکھے، اور اسی کے عوض میں شریعت نے اس کا نفقہ شوہر پر واجب کیا ہے، تا کہ وہ کسب معاش کی فکر سے آزاد اور اس کی گرانبار اور جاں گسل ذمہ داری سے فارغ ہوکر یکسوئی سے اپنی ازدواجی زندگی کے فرائض ادا کرے، کیونکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کے کام میں مصروف ہو اس کا نفقہ اس غیر پر واجب ہوتا ہے، اسی بناء پر قاضی، مفتی، صدقات کی وصولی پر مامور عاملین اور حکومت کے ملازمین کا نفقہ بیت المال اور حکومت پر واجب ہوتا ہے۔

"لأن النفقة جزاء الاحتباس وكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه، أصله القاضي والعامل في الصدقات" (الہدایہ باب النفقہ ۲/)۔

اور ملازمت یا کسی ایسے پیشہ کو اختیار کرنے سے جس کے لئے اسے گھر سے باہر جانا پڑے تو شوہر کا حق متاثر ہوگا، اس لئے اسے اس سے روکنے کا حق ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر بیوی کو ہر ایسے کام سے روک سکتا ہے جس سے اس کا حق احتباس متاثر ہوتا ہو، یا اسے کوئی ضرر پہنچتا ہو، یا جس کے لئے عورت کو گھر سے باہر جانا پڑتا ہو، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"والذي ينبغي تحريره أن يكون له منعها من كل عمل يودي إلى تنقيص حقه أو ضرره أو إلى خراجها من بيته (حاشیۃ ردالمحتار علی الدر ۳/ ۶۰۳)۔

اس میں صرف اس قدر استثناء ہے کہ اگر وہ لڑکیوں کو اور عورتوں کو باہر جا کر دینی تعلیم دیتی ہے، نماز، روزہ، وضو، غسل اور طہارت وغیرہ کے ضروری مسائل بتلاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معقول ذریعہ ان کی تعلیم کا نہیں، یا خود ان مسائل کو سیکھنے کے لئے اسے باہر جانا پڑتا ہے، اور گھر میں رہ کر دینی علم اور مسائل کی جانکاری کی کوئی معقول صورت نہیں ہے، یا کوئی ایسا شرعی مسئلہ پیش آ گیا ہے جو شوہر خود سے یا کسی اور سے پوچھ کر نہیں بتا سکتا تو ایسی صورت میں وہ باہر جاسکتی ہے اور شوہر کو اسے روکنا نہیں چاہئے، صاحب ''درمختار'' لکھتے ہیں:

"وفي البحر له منعها من الغزل وكل عمل ولو تبرعا لأجنبي ولو قابلة

أومغسلة لتقدم حقه على فرض الكفاية، ومن مجلس العلم إلا لنا زلة وامتنع زوجها من سوالها" (الدر المختار مع حاشیہ رد المحتار ۳؍۲۰۳)۔

ہاں گھر میں رہ کر سلائی کڑھائی ، بنائی ، دستکاری ، کتابت ، مضمون نگاری ، تصنیف وتالیف اور عورتوں اور بچوں کی تعلیم وغیرہ کرسکتی ہے، کیونکہ اگر گھر میں وہ اس نوعیت کے کام کاج میں مصروف نہ ہوتو شیطانی وسوسوں کا شکار ہونے اور پڑوسیوں اور اجنبی لوگوں کے ساتھ لایعنی کاموں میں مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

"أما العمل الذی لاضرر له فيه فلاوجه لمنعها عنه خصوصا فی حال غيبته من بيته فان ترک العمل بلاعمل فی بيتها يؤدی إلی وساوس النفس والشيطان، أو الاشتغال بما لايعنی مع الأجانب والجيران" (حاشیہ رد المحتار ۳؍۲۰۳)۔

خلاصہ یہ کہ عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے،اس لئے لغو قرار پائے گی اور اگر شوہر بوقت نکاح اس شرط کو قبول بھی کرلے تب بھی اس پر اس کی پابندی لازم نہ ہوگی ،اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے بعد بیوی کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی ،تعمیل نہ کرنے کی صورت میں نافرمان شمار ہوگی اور نشوز کی بنیاد پر اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

امام مالک کے نزدیک عورت کی طر سے ملازمت کی شرط شرط صحیح مکروہ ہے،اس لئے وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجائے گی ،لیکن شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی لازم نہ ہوگی ،اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا،

امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ اس میں عورت کی منفعت ہے اور مرد کو اپنے حق سے دستبردار ہونے کا حق ہے، اس لئے یہ شرط صحیح ہے، لہٰذا شوہر پر اس کی پابندی لازم ہوگی ،اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

مشروط نکاح کے چند بنیادی احکام

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی ☆

۱- ایسی ذمہ داری جو عقد نکاح کی وجہ سے شریعت طاہرہ نے کسی فریق پر عائد کی ہے، اگر اسی کو عقد نکاح کے وقت شرط کی صورت میں ذکر کردیا گیا، مثلاً بیوی نے شوہر پر نفقہ دینے کی شرط لگادی، تو اس سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، البتہ ایسی شرط لگانا بے سود ہے، کیوں کہ شریعت نے نکاح کے نتیجہ میں جو حقوق شوہر کے ذمہ لازم کردئے ہیں، عقد نکاح میں وہ مشروط ہوں یا نہ ہوں، بہرصورت شوہر پر ان کی ادائیگی لازم ہوگی، نکاح صحیح کے بعد عورت کی جانب سے تسلیم نفس ہوجائے، تو شوہر پر عورت کا نفقہ واجب ہوجاتا ہے، عقد نکاح کے وقت اس کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(۱) ”النفقة تجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها، لأنها جزاء الاحتباس وكل محبوس لنفعة غيره يلزمه نفقته“ (۲/۲۹۹)۔

نکاح صحیح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے، کیونکہ نفقہ عورت کو اپنے قابو میں رکھنے کا بدل ہے، اور جو بھی غیر کی منفعت کے لئے اس کے قابو میں ہو، تو قابو حاصل کرنے والے پر محبوس کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

عورت بیمار ہو جب بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

☆استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ مئو

مبسوط میں ہے:

(۲) ’ونفقة المرأة واجبة وإن مرضت من قبل، إنها مسلمة نفسها إلى الزوج فی بیته، ولافعل منهافی المرض لتصیر به مفوتة، مع أنه لم یفوت ماهو المقصود من الاستئناس وغیره، ولامعتبر بمقصود الجماع فی حق النفقة“ (۱۹۲/۵)۔

عورت کا نفقہ واجب ہے، اگر چہ وہ پہلے سے مریضہ ہو کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں سپرد کر رہی ہے اور بیمار ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ اسے شوہر کے حق کو ضائع کرنے والی کہا جائے، اس کے باوجود انسیت حاصل کرنے اور اس کے علاوہ دیگر مقاصد ختم نہیں ہوتے اور حق نفقہ میں مقصد جماع کا کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح عقد نکاح سے شوہر پر مہر لازم ہو جاتا ہے، خواہ بیوی عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اس کا مہر شوہر کے ذمہ ہوگا، خواہ نہ لگائے، اگر دس درہم سے کم مقرر ہوا ہے تو دس درہم واجب ہوگا، اور اگر دس سے زیادہ مقرر کیا ہے تو مقرر کردہ واجب ہوگا‘‘ درمختار’’ میں ہے:

”وتجب العشرة إن سماها ودونها ویجب الأکثر منها إن سمی الأکثر منها، ویتاکد عند وطء وخلوة صحت أو موت احدهما“(درمختار ۳۰۸/۲)۔

(دس درہم یا اس سے کم مہر مقرر کیا تو دس درہم واجب ہوگا، اور اگر دس سے زیادہ مقرر کیا تو دس سے زیادہ، اور وطی یا خلوت صحیحہ یا کسی ایک کی موت سے مہر مؤکد ہوتا ہے)۔

بلکہ اگر مہر کا ذکر نہ بھی ہو جب بھی واجب ہوگا، اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

”وإن تزوجها ولم یسم لها مهرا فلها مهر مثلها‘(ہدایہ ۳۲۴/۲ کتاب النکاح)۔

(اگر عورت سے شادی کی اور مہر مقرر نہ ہوا تو مہر مثل واجب ہوگا)۔

خلاصہ یہ کہ شرعی اعتبار سے اس قسم کی شرط لگانا ایک کار عبث ہے۔

۲-الف: نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس سے کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو، شرط فاسد ہے، لیکن اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ نکاح منعقد

ہوجاتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی اور متعلقہ فریق پر اس شرط کی پابندی ضروری نہیں، اس کے ذمے شرط لگانے کی صورت میں جو ذمہ داری شرعا عائد تھی وہ اب بھی باقی رہے گی، مثلاً شوہر اگر عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمے نہ ہوگا، اس شرط کی وجہ سے شوہر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا، بلکہ اپنی صورت وجوب میں نان ونفقہ واجب ہوگا، گو کہ عورت اپنے اس حق کو ساقط کرنے اور اس سے بری الذمہ ہونے پر راضی ہوجائے، فقہاء عظام نے اس کی ایک اہم وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ صورت وجوب سے قبل اسقاط وجوب کی ہوگی جو صحیح نہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاوی ہندیہ ۲/ ۱۴۲، بدائع الصنائع ۲/ ۲۹)۔

۳-ب: عقد نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو نہ تو نکاح سے عائد ہونے والی شرعی ذمہ داریوں کے دائرے میں آتی ہو، اور نہ ہی کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو، بلکہ اس شرط کے نتیجے میں زوجین ہی میں سے کسی کو ایسا حق ملتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہیں ملتا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرعا اس کا پورا کرنا متعلقہ فریق پر لازم نہیں، یہ محض ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا بہتر، مگر شرعا اس پر جبر نہیں اور نہ ہی عقد نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانے سے اس کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے، کیونکہ یہ ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ شروط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرطیں باطل وکالعدم ہوجاتی ہیں۔

درمختار میں ہے:

"لایبطل النکاح بالشرط الفاسد وإنما یبطل الشرط دونه، یعنی لوعقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح" (درمختار ۲/ ۳۲۰)۔

شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا، بلکہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے، یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ عقد ہوتو نکاح باطل نہ ہوگا۔

لہٰذا اگر (مثلا) عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائیگا، تو اس طرح کی شرط محض ایک وعدہ ہے جو شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں، وہ پورا کردے تو

ٹھیک ورنہ اس پر شرعاً جبر نہیں کیا جاسکتا کہ تم اسے پورا کرو، بدائع الصنائع میں ہے:

''إن شرط الزوج من طلاق المرأة وترک الخروج عن البلاد لایلزمه فی الحکم لأن ذالک وعدوعد لها ولایکلف به'' (بدائع الصنائع ۲/۳۰)۔

(اگر شوہر (عقد نکاح) میں سابقہ بیوی کو طلاق دینے اور عورت کو شہر کے باہر نہ لے جانے کی شرط لگادے تو حکم شرعی یہ ہے کہ شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جو عورت سے کیا گیا ہے تو اس کو پورا کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جاسکتا)۔

بیوی کو اپنے پاس رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرع بھی، ارشاد ہے: ''وأسکنوهن من حیث سکنتم'' شوہر کے یہ وعدہ کرنے سے کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، شوہر کا یہ حق ختم نہیں ہوجاتا، شوہر اس حق کو خود ساقط بھی نہیں کرسکتا) اس لئے یہ معاہدہ بے کار ہے۔

عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا:

شوہر نے جب اپنی بیوی کو بوقت نکاح طلاق کا حق تفویض کردیا، تو اب وہ اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کرسکتا، جن عمومی صورتوں کے ساتھ یا خصوصی صور ومواقع میں حق طلاق تفویض کیا گیا ہے شوہر اس سے گریز نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی اس حق کو ختم کرسکتا ہے۔

''جوہرہ نیرہ'' میں ہے:

''إن قال لها طلقی نفسک فلیس که ان یرجع عنه'' (جوھرۃ نیرۃ ۲/۱۰۶)

(اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا)۔

اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے دے تو شوہر کو اس قول سے رجوع کا حق نہ ہوگا، لیکن اس طرح کی شرطوں سے مصالح شرع کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، عورت اپنی عقل کی کمی اور سرعت غضب کے باعث جب چاہے گی اپنے اوپر طلاق دے ڈالے گی جس سے ازدواجی زندگی ایک بڑا خطرہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے اگر شوہر اپنی عورت کو طلاق کا حق تفویض کرتا ہے تو مزید احتیاط کے لئے مندرجہ ذیل قید بڑھائے، تاکہ حتی الوسع فتنوں کا سد باب

ہو، اور پریشانیوں سے محفوظ رہے، (۱) شوہر تفویض طلاق میں وقت مقرر کردے (۲) تفویض طلاق میں لفظ کنایہ استعمال کرے، مثلاً تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تجھے اختیار ہے، اور طلاق کی نیت نہ کرے (۲) یا شوہر یہ لفظ کہے کہ تو اپنے کو طلاق دیدے۔ یا تجھے اپنی طلاق کا اختیار ہے اوراس سے طلاق رجعی کی نیت کرے۔

طلاق نہ دینے کیساتھ مشروط مہر

عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اسنے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے تو یہ مہر طے کرنا جائز اور معتبر تو ہے، لیکن مہر مسمی صرف ایک صورت میں لازم ہوگا، وہ صورت ہے کہ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کو مہر مسمی دینا ہوگا۔ اور اگر اس نے طلاق دی تو مہر مثل واجب ہوگا، جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہوگا، یہ امام اعظم کا مذہب ہے۔

صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں، جبکہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں (کتب فقہ میں تفصیلات موجود ہیں)۔

عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر ہوگی تو دو ہزار، یا اس شرط پر شادی کی کہ اگر شوہر عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا، تو مہر ایک ہزار اور اگر نکالے گا تو مہر دو ہزار، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوجائے گا، اور مہر میں اعتبار پہلی شرط کا ہے، اگر شوہر نے اسے پوری کردی تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا جو نہ تو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم کی جائے گی اور نہ ہی مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز ہوگی، صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں درست ہیں، اور ''ہدایہ'' میں ہے کہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں اور عورت کو بہر صورت مہر مثل ملے گا، جو نہ تو ایک ہزار سے کم ہوگا، اور نہ ہی دو ہزار سے زائد، اگر عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اگر وہ بدصورت ہوگی تو مہر ایک ہزار، اور اگر خوبصورت ہوگی تو دو ہزار، تو اگر عورت خوبصورت ہو تو اسے دو ہزار ملے گا، اور اگر بدصورت ہو تو ایک ہزار اور اس پر سب کا اتفاق ہے، دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ عورت کو شہر

سے باہر نکالنے نہ نکالنے والے مسئلے میں مخاطرت (خطرہ میں ڈالنا) دوسرے تسمیہ میں ہے، کیونکہ عورت کو یہ علم نہیں کہ شوہر اس کو نکالے گا یا نہ نکالے گا اور خوبصورت وبدصورت والے مسئلے میں مخاطرت بالکلیہ ہے ہی نہیں، کیونکہ عورت ایک ہی صفت پر ہوگی ہاں شوہر کو اس کی معرفت حاصل نہیں، تو اس کی جہالت باعث خطر نہیں (فتاوی تاتارخانیہ ۳/۱۰۱ کتاب النکاح)۔

''فتح القدیر'' میں ہے:

''(قوله وإذا تزوجها الخ) للمسئلة صورتان: الأولى أن يسمى لها مهرا ويشترط لها معه مالها فيه نفع كان لايخرجها من البلد الخ''۔

مسئلے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت کہ عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے اور اس کے لئے عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی جائے جس میں عورت کا نفع ہو، مثلاً یہ کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا، یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہ کرے گا، یا مروت کرنے میں تکلف سے کام نہ لے گا یا اس کے سوکن کو طلاق دے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے تقدیر پر ایک مہر مقرر کیا جائے، اور دوسری تقدیر پر دوسری مہر پہلی صورت کا حکم تو کتاب ہدایہ سے ظاہر ہے، یعنی اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا، ورنہ تو مہر مثل ملے گا، تو اگر اس کا مہر مثل مسمی کے برابر ہو یا اس سے کم تو عورت دوسری چیز کی مستحق نہ ہوگی، اور دوسری صورت مثلاً اس نے عورت سے شادی کی کہ اگر اسے اس کے شہر ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار یا مروت میں تکلف نہ کرے گا یا اس کی سوکن کو طلاق دے دے گا، یا اس شرط پر کہ عورت آزاد کردہ ہو یا عجمی ہو یا ثیب ہو اور دو ہزار تک اس کے مخالف شکل میں ہے، کہ اگر شوہر نے پہلی شرط کو پورا کر دیا یا عورت عجمی ہے یا اس کے مثل، تو عورت کو ایک ہزار ملے گا، ورنہ مہر مثل جو دو ہزار سے زائد نہ ہوگا، اور ایک ہزار سے کم نہیں، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے (فتح القدیر ۳/۲۳۱)۔

صاحبین کے قول پر فتوی

جب تک قول امام کے ترک پر کوئی ضرورت داعیہ نہ ہو مفتی پر مطلقا قول امام پر فتوی

دیناواجب ہے، قاضی پر عموماً قول امام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

''يجب علينا الافتاء بقول الامام وإن أفتى المشائخ بخلافه''۔

امام اعظم کے قول پر فتوی دینا ہم پر واجب ہے، گوکہ مشائخ اس کے خلاف فتوی دیں۔

قاضی مفتی کی طرح مطلقاً قول امام کے مطابق فیصلہ کرے گا، پھر امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اور حسن ابن زیاد کے قول کے مطابق، یہی صحیح ترین قول ہے۔

پھر جب کہ مسئلہ دائرہ میں علماء محققین ومدققین نے قول امام ہی پر جزم واعتماد فرمایا، بلکہ متون میں امام اعظم ہی کا مذہب بیان فرمایا گیا، شروع میں جہاں قول صاحبین ذکر کیا گیا ہے، وہیں دلائل سے امام اعظم ہی کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، تو ثابت ہوا کہ قول امام مرجح، معتمد، محقق، ومنقح ہے، جب تک اسباب ستہ (ضرورت، دفع حرج، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، عرف، کسی فساد مظنون بظن غالب یا موجودہ کا ازالہ) میں سے کوئی سبب متحقق نہ ہوجائے، رہا طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی وعمل تو یہ بے بنیاد ہے:

اولا: حالات زمانہ سے باخبر ہر شخص جانتا ہے کہ طلاق کے واقعات کے قلت یا کثرت کے ساتھ رونما ہونے کا مدار مہر کی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے علاقہ کٹیہار و پورنیہ میں مہر کی مقدار خاصی ہوتی ہے، متوسط طبقے والوں کے یہاں بھی مہر کی مقدار لاکھ سے عموماً کم نہیں ہوتی، ایسے حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ طلاق کے واقعات ہی رونما نہ ہوں یا تو یکا دکا ہو، لیکن واقعات شاہد ہیں کہ مہر کی قلت وکثرت کا جہلاء پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ ایک مجلس میں تین طلاق، بلکہ دس بیس طلاق دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

ثانیا۔ شوہر اگر ایسی شرط کو پوری کرتا ہے جس میں عورت کا نفع ہے تو اسے مہر مسمی کا ملنا ائمہ ثلاثہ کا متفقہ مسئلہ ہے، رہی دوسری صورت کہ وہ پوری نہ کرے تو امام اعظم کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو، ایسی صورت حال میں اگر مہر

کی مالیت پر غور کیا جائے تو باعتبار مالیت دونوں مکاتب فکر کبھی تو ایک ہوں گے، مثلا مہر مسمی دو ہزار ہو اور مہر مثل ڈھائی ہزار تو امام اعظم کے نزدیک بھی دو ہی ہزار واجب ہوگا، البتہ اس صورت میں تفاوت ہوگا، جب مہر مثل مہر مسمی سے کم ہو، لیکن عام طور پر مہر مسمی اور مہر مثل میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، بہرحال دوسری صورت میں تسمیہ کی صحت طلاق کے قلیل الوقوع ہونے کا مدار نہیں، لہذا قول امام سے عدول بھی جائز نہیں۔

(۲) صورت مذکورہ میں اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر مسمی (پندرہ ہزار) واجب ہوگا، اور اگر دوسرے سے نکاح کرلیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

''درمختار'' میں ہے:

''اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے شہر سے باہر نہ لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، تو مہر ایک ہزار، یا اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو دو ہزار، پہلی صورت میں اگر شرط پوری کردی اور دوسری صورت میں عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھا تو عورت کو ایک ہزار مہر دینا ہوگا، کیونکہ عورت اس سے راضی ہے''۔

ملازمت کی شرط

عورت کی جائز ملازمت کے تعلق سے شوہر کی مذکورہ بالا شرط محض ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اچھا مگر واجب نہیں۔ اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی لازم ہے، عورت کو اپنے گھر میں رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرع بھی، جسے شوہر خود بھی ساقط نہیں کرسکتا، کما مر، لہٰذا اس شرط کو منظور کرنے کے باوجود اگر شوہر عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

نکاح میں شرائط مقرر کرنے کا حکم

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

اسلام میں معاہدہ اور ایفاء عہد کی بڑی اہمیت ہے، قرآن میں ایفاء عہد کو مومن کا وصف خصوصی قرار دیا گیا ہے، قرآن میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

(اے ایمان والو! عہد پورا کرو)۔

نکاح میں ایسی شرطیں لگانا جن سے رشتہ نکاح میں پائیداری اور استحکام پیدا ہو، مقصد نکاح کے عین مطابق ہے اور ایسی شرطوں کی تکمیل کا حکم خود جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ:

''تمہارے لئے ان شرائط کی تکمیل زیادہ ضروری ہے جن کے ذریعہ تم عورتوں کی عصمتوں کو اپنے لئے حلال کرتے ہو''۔

عقد نکاح میں میاں بیوی کی طرف سے ایسی شرطیں لگانا جن کے لگانے کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کو نفع اور فائدہ پہنچتا ہو، اور یہ شرائط عقد سے پہلے یا ایجاب وقبول سے متصل ہوں (عقد نکاح کی تکمیل کے بعد مقرر کی جانے والی شرطوں کا اعتبار نہیں ہے) تو اس سلسلہ میں ائمہ مذاہب کے یہاں حسب ذیل تفصیلات ملتی ہیں۔

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

ا۔ فقہ حنفی میں شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

فقہاء حنفیہ کے یہاں شرائط کی حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں:

ا۔ نکاح میں میاں بیوی کا ایسی شرائط پر اتفاق کرلینا جو شریعت اسلامی کی رو سے صحیح اور درست ہوں مقتضائے عقد کے مناسب اور احکام شریعت کے منافی نہ ہوں، ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں ان کو پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً نکاح کے وقت بیوی کا اپنے شوہر پر یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اپنے گھر والوں سے علیحدہ رہائشی مکان دے، جس میں وہ اپنے سامانوں کو محفوظ رکھ سکے، اور خود رہ سکے، یا یہ کہ شوہر کسی طویل سفر میں اپنی رفاقت پر مجھے میرے گھر والوں کی اجازت کے بغیر مجبور نہیں کرے گا اور یہ کہ اپنا نکاح مہر مثل پر کرے گی، ان تمام صورتوں میں شرائط کی تکمیل درست ہوگی۔

۲۔ ایسی شرائط مقرر کرنا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری اور حق عائد نہیں ہوتا ہو، بلکہ خود عقد نکاح سے جو حق اور ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، مثلاً عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا، یا مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرائط کی تکمیل شریعت اسلامی کا مقصد ومنشاء ہے، شرائط کے ذریعہ اس میں پائیداری اور استحکام پیدا کردیا گیا ہے، ایسی شرطوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ فاسد شرطیں مقرر کرنا درست نہیں ہیں، فاسد سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے میل نہ کھاتی ہوں یا شریعت اسلامی ان کی اجازت نہ دیتی ہو۔

ایسی شرائط کا حکم یہ ہے کہ اشتراط کی صورت میں صرف شرائط باطل ہوں گی، عقد نکاح اپنی جگہ پر درست اور صحیح رہے گا، جیسے عورت کا اپنی ہونے والی سوکن کے طلاق دینے کی شرط لگانا (ردالمحتار ۲/۳۴۵، المبسوط للسرخسی ۵/۹۱، ۹۰۔ بدائع الصنائع ۲/۸۶، ۲۸۴)۔

۲-شرائط کے سلسلہ میں مالکیہ کا مسلک

مالکیہ کے نزدیک شرائط مقرر کرنے کی دوصورتیں ہیں:

ا-شرائط صحیحہ مقرر کرنا، ۲-شرائط فاسدہ مقرر کرنا۔

ا-شرائط صحیحہ کی بھی دوقسمیں ہیں:

الف-مکروہ، ب-غیر مکروہ

ا-شرائط صحیحہ غیر مکروہ سے مراد وہ شرائط ہیں جو مقتضائے عقد سے مناسبت اور میل رکھتی ہوں، جیسے بیوی کو اس کا نان ونفقہ دینے کی شرط، یا یہ شرط لگانا کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ بیوی اس کے گھر سے اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی، یا شوہر کی جانب سے یہ شرط لگانا کہ عورت کا ان عیوب سے بھی پاک ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعہ فسخ نکاح جائز نہیں ہوتا ہے جیسے اندھاپن، گونگاپن، بہراپن وغیرہ۔

۲-شرائط صحیحہ مکروھہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے متعلق ہوتی ہیں، ان شرائط کا مقصد صرف شوہر پر تنگی کرنا ہوتا ہے، جیسے بیوی کو اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط، یا بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر نہ لے جانے کی شرط یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط۔

۳-شرائط فاسدہ سے مراد وہ شرطیں جو مقتضاء عقد کے مخالف اور منافی ہوں، جیسے ایک بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے اور اس کی سوکن کے درمیان قسم (باری) مقرر نہیں کرے گا یا نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہونے کے بجائے اس کے شوہر کے باپ یا ولی کے ذمہ واجب ہوگا (بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۸-مواہب الجلیل من ادلۃ الخلیل لاحمد بن احمد المختار ۳/ ۲۳)۔

۳-شرائط کے باب میں شافعیہ کی رائے

شافعیہ کے نزدیک شرائط کی دوقسمیں ہیں:

ا-شرائط صحیحہ، ۲-شرائط فاسدہ۔

ا۔شرائط صحیحہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں، جیسے عورت کی جانب سے شوہر ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا، یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے شہر سے نہیں ہٹائے گا، اس قسم کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں نکاح شرعا درست ہوجائے گا، اور شرط شرعا فاسد اور لغو قرار پائے گی، البتہ اگر عقد نکاح میں کسی فریق کی طرف سے ایسی شرط لگائی جائے جو نکاح کے مقصد اصلی کو فوت کرنے والی ہو تو پھر اس صورت میں نکاح ہی درست نہیں ہوگا، جیسے یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرے گا، یا یہ کہ شوہر سال بھر میں صرف ایک بار بیوی سے صحبت کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''زاد المحتاج بشرح المنہاج'' میں ہے:

''نکاح میں خیار کی شرط لگانے سے نکاح ہی ختم ہوجاتا ہے، اور مہر کی صورت میں خیار کی شرط لگانے سے صحیح مسلک کے مطابق یہ درست نہیں ہوگا، البتہ نکاح صحیح قرار پائے گا۔

اور اگر وہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور نکاح کے مقصود اصلی میں خلل ڈالنے والی نہ ہوں، جیسے یہ شرط لگانا کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا، یا یہ کہ عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، تو ان تمام صورتوں میں مہر کی درستگی کے ساتھ نکاح بھی درست قرار پائے گا، صرف شروط فاسد قرار پائیں گی، اور اگر وہ شروط مقصود میں بھی خلل ڈالنے والی ہوں، جیسے یہ شرط لگانا کہ عورت سے اس کا شوہر ہمبستری نہیں کرے گا یا یہ کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا تو اس صورت میں نکاح باطل قرار پائے گا'' (زاد المحتاج بشرح المنہاج ۳/۲۸۸، کتاب الام ۴/۱۸۲)۔

۴۔حنابلہ کے نزدیک شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

حنابلہ کے نزدیک شرائط کی تین قسمیں ہیں:

ا۔شرائط صحیحہ: ان سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں، یا وہ شرطیں جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں، مگر ان شرائط کے لگانے میں زوجین میں سے کسی کا فائدہ

ہو، اور شریعت اسلامی نے اس قسم کی شرطوں کے لگانے سے ممانعت نہ کی ہو، اور نہ وہ شرطیں مقصد نکاح میں خلل ڈالنے والی ہوں، جیسے بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ اور اخراجات ادا کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور حسن معاشرت سے پیش آئے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے میکہ اور شہر سے نہیں نکالے گا، اور نہ اسے اپنے ساتھ طویل سفر کرنے پر مجبور کرے گا، یا مرد کا عورت کے بارے میں یہ شرط لگانا کہ وہ صاحب حسن و جمال ہو، تعلیم یافتہ ہو، یا یہ شرط لگانا کہ ان عیوب سے پاک ہو جن کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے جیسے اندھا پن، گونگا پن، بہرا پن وغیرہ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل جناب نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

"إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج" (نیل الأوطار ۶/ ۱۴۶)۔

۲۔ شرائط فاسدہ: اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں، جیسے مرد کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ عورت مستحق مہر نہیں ہوگی یا یہ شرط لگانا کہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگائی جائے کہ شوہر اس کے ساتھ صحبت نہیں کرے گا، یا عزل کرے گا، یا اس کے لئے اس کی سوکن سے زیادہ یا کم باری مقرر کرے گا، یا یہ کہ عورت اپنا خرچ خود ہی برداشت کرے گی یا عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے گا، اس قسم کی تمام شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح رہے گا۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ شرطیں ہیں جو نکاح کے بطلان کا تقاضا کرتی ہیں، جیسے نکاح مؤقت، متعہ، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو مقررہ وقت پر طلاق دیدے گا، اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرطیں بھی باطل ہوں گی، اور ان کی وجہ سے نکاح بھی باطل قرار پائے گا۔

سوال نامہ کا جواب:

ایسی شرائط جن کے ذریعہ نکاح کے فریقین میں سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، ایسی شرائط کے معتبر ہونے کے بارے میں حضرات امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد بن ادریس، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کا اتفاق ہے، ایسی شرائط کا ایفاء فریقین پر واجب ہے (دیکھئے: الروضۃ الندیہ ۱/۳۱،۳۰)۔

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس پر واجب نہیں ہوگا، تو ایسی شرطوں کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں فاسد ہیں، البتہ فقہ حنفی کی رو سے ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں صرف شرائط فاسد ہوں گی اور نکاح اپنی جگہ صحیح اور درست رہے گا۔

۳۔ تیسری قسم کی شرط لگانا جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے میکہ ہی میں رکھے گا، یا اسے اس کے شہر سے نہیں نکالے گا وغیرہ، ایسی شرائط کے بارے میں فقہاء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ایسی شرطوں کے لگانے سے نفس نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نکاح درست رہے گا، البتہ ایسی شرائط واجب الایفاء ہوں گی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف بہت قدیم ہے، حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ صرف وہ شرطیں معتبر ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں اور مخالف شرع نہ ہوں یہ حضرات ایسی شرطوں کو مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں مانتے ہیں، اگر ایسی شرطیں مقرر کی گئیں تو شوہر پر ان

شرطوں کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔

ان حضرات نے اپنے مسلک پر درج ذیل احادیث رسول سے استدلال کیا ہے:

"وکل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل وإن کان مائة شرط"

"المسلمون علی شروطهم إلاشرطا احل حراما أوحرم حلالا"۔

ان حضرات کے استدلال کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط لگا کر ایسی چیزوں کو حرام قرار دے دیا جاتا ہے، جن کو اللہ تعالی نے حلال اور مباح قرار دیا ہے، جیسے مرد کے لئے دوسری بیوی کرنا، بیوی کے ساتھ سفر کرنا، بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا وغیرہ، شرط کے ذریعہ مباح کو حرام کرلیا جاتا ہے، اسلئے ایسی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں فقہ حنبلی میں کافی توسع پائی جاتی ہے، ایسی شرط لگانے کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک مطلقا شوہر پر اس شرط کا ایفاء واجب اور لازم ہوگا، اور شرط کے عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے:

"مایلزم الوفاء به وهو مایعود، الیها نفعه وفائدته مثل أن یشترط لها أن لا یخرجها من دارها۔فهذا یلزم الوفاء فإن لم یفعل فلها فسخ النکاح (المغنی لابن قدامہ ۷/۷۱)۔

فقہاء نے ایسی شرطوں کے واجب الایفاء ہونے پر قرآن کریم کی ان آیات اور جناب نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات سے استدلال کیا ہے جن میں اہل ایمان کو ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے، اور عہد شکنی سے منع کیا گیا ہے، راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اشتراط فی النکاح کے سلسلہ میں موجودہ دور کے مسائل کو حل کرنے کے لئے فقہ حنبلی سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا۔

واضح رہے کہ صرف وہ شرطیں معتبر ہوں گی جو بوقت نکاح عقد نکاح میں ذکر کی جائیں یا عقد نکاح سے پہلے فریقین کے باہمی مشورہ سے طے ہوجائیں، نکاح ہوجانے کے بعد لکھے گئے شرائط نامہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تفویض طلاق کا حکم:

قرآن کریم میں طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے، اور طلاق دینے والا مرد کو کہا گیا ہے اور مرد ہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "بیدہ عقدۃ النکاح" شریعت اسلامی کی رو سے طلاق کا حق شوہر کو حاصل ہے، البتہ شوہر اپنے اس حق کو کسی اجنبی شخص کی طرف بھی منتقل کرسکتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں" توکیل" کہا جاتا ہے، اور خود اپنی بیوی کو بھی یہ حق طلاق منتقل کرسکتا ہے، جس کو فقہ وشریعت کی اصطلاح میں" تفویض طلاق" کہا جاتا ہے، تفویض قبل النکاح بھی ہوسکتی ہے، اور نکاح کے بعد بھی، البتہ قبل النکاح تفویض کی صورت میں یہ ضروری ہوگا، کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی جانب ہو، مثلا یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

توکیل اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ شوہر جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کرکے اس سے حق طلاق کو واپس لے سکتا ہے۔ البتہ عورت کو حق طلاق دے دینے کے بعد شوہر کو اسے واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا، میرے نزدیک عورت کو موجودہ دور میں علی الاطلاق" حق طلاق" دینا مفاسد سے خالی نہیں ہے، عورت اس کا بے جا اور غلط استعمال کرنے لگے گی، اس لئے بہتر یہ ہیکہ اسے مشروط طور پر حق طلاق دیا جائے اور شرائط کے تحقق اور عدم تحقق کی نسبت مقامی دار القضاء یا اہل علم وفقہ کا فیصلہ معتبر مانا جائے، مثلا کابین نامہ میں شوہر کی طرف سے یہ عبارت لکھی جائے کہ:

"اگر میں نے اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کئے، یا میری طرف سے فلاں فلاں .... شرطوں کی خلاف ورزی ہوئی، اور شرائط کی خلاف ورزی کا تحقق عند القضاء یا عند العلماء ہوجائے تو میری بیوی بنت زید کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا"

دو طرح کا مہر مقرر کرنا

اس سلسلہ میں ضرورت وحاجت کی بنیاد پر صاحبین کی رائے کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اور سوالنامہ میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق مہر کی دو مقدار طے کرنا درست قرار پائے گا۔

عورت کے لئے نکاح میں ملازمت کی شرط لگانا

اسلام نے عورتوں پر مالی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے، اور اپنی اولاد کی کفالت و پرورش کے لئے اسے کمانے کا مکلّف نہیں بنایا ہے۔ اسلام نے گھر کی تمام ذمہ داریاں مرد کے ذمہ کی ہیں اور اندرون خانہ کی ذمہ داریاں بچوں کی پرورش، شوہر کے مال کی نگہداشت اور گھر کے ماحول کو سنوارنے کی ذمہ داری عورت پر ڈالی ہے، قرآن میں کہا گیا ہے: ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' (سورۂ طلاق) اسی طرح مردوں کے بارے میں کہا گیا کہ ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ'' اگر عورت بھی کسب میں مشغول ہوجائے تو شوہر کا حق احتساب جس کی بنیاد پر عورت کا نفقہ شوہر پر واجب کیا گیا ہے متأثر ہوگا، اور ہر وہ کام جس کی انجام دہی کے لئے عورت کو گھر کی چہار دیواری سے باہر جانا پڑے، اور عورت کے باہر کے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے شوہر کا حق متأثر ہوتا ہو یا اسے ضرر لاحق ہوتو شوہر کو ایسے کام سے اپنی بیوی کو روکنے کا حق حاصل ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۳/ ۶۰۳)۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگادی گئی تو شرط فاسد قرار پائے گی، اور نکاح درست قرار پائے گا، اور شوہر پر اس شرط کا ایفاء لازم نہیں ہوگا، جب چاہے وہ اس سے رجوع کرسکتا ہے، البتہ بعض حالات میں جب کہ شوہر کاہل اور نکما ہو، کما تا نہ ہو، اور عورت کو مالی پریشانی لاحق ہوتو ایسی صورت میں فقہ حنبلی کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

نکاح میں شرائط کا مدلل جائزہ

مولانا ولی اللہ قاسمی

شرط کی وجہ سے دوسرے فریق پر کچھ ایسی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں، جو اس پر واجب اور ضروری نہ تھیں، تاہم شریعت نے اس سلسلہ میں فریقین کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ معاملہ جس طرح سے چاہیں طے کرلیں، بلکہ معاملہ کی روح اور مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، نیز دونوں کی فطرت وصلاحیت کے پیش نظر ایک گونہ پابندی لگادی ہے، تاکہ کمزور فریق کا استحصال نہ ہوسکے اس کی مجبوری سے بے جا فائدہ اٹھانے پر بند لگایا جاسکے، اس اعتبار سے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں:

۱۔ وہ فرائض وذمہ داریاں جو عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہورہی تھیں انہیں کو شرط کی شکل میں ذکر کردیا جائے، مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر رکھ رکھاؤ اور برتاؤ میں اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے گا، اس قسم کی شرطیں بہ اتفاق معتبر ہیں، اگر بصورت شرط نہ بھی ذکر کیا جاتا جب بھی ضروری ہوتا، ہاں شرط لگانے کی وجہ سے مزید تاکید پیدا ہوجائے گی۔

خطابی لکھتے ہیں:

"فمنها مايجب الوفاء اتفاقا، وهو ما أمر الله به من إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان" (فتح الباری ۹/۲۷۲)۔

بعض شرائط وہ ہیں جنہیں بہ اتفاق پورا کرنا ضروری ہے، یہ وہ ہیں جن کے بجالانے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، مثلا دستور کے مطابق نباہ کرنا یا بخیر وخوبی تعلق ازدواجی ختم کرلینا۔

۲۔ وہ شرائط جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، باتفاق نا قابل عمل ہیں، مثلا یہ شرط لگانا کہ شوہر نفقہ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

فتح الملک میں ہے:

"أويشترط أن لامهر لها أولا نفقة لها فهذه الشروط كلها باطلة اتفاقا" (فتح الملک المعبود ۳؍۳۲)۔

یا شرط لگادے کہ عورت کے لئے مہر یا نفقہ نہیں ہے تو یہ تمام شرطیں بہ اتفاق باطل ہیں۔

مگر کیا اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف ہے، حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا گو شرط کو عقد کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، مالکیہ کہتے ہیں کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح فاسد ہوجاتا ہے، لیکن اگر اس کے باوجود یکجائی ہوجائے تو عقد نکاح صحیح اور شرط باطل ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے، کچھ فاسد شرطوں کی وجہ سے وہ نکاح کو بھی فاسد قرار دیتے ہیں اور بعض فاسد شرطوں کے باوجود نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں (الفقہ الاسلامی ۷؍۵۳)

۳۔ وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں قسموں میں شامل نہیں ہیں بلکہ مباح اور جائز ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ایک فریق پر ایسی پابندی عائد ہوجاتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، مثلا عورت یہ شرط لگادے کہ شوہر اس کو لے کر سفر میں نہیں جائے گا، اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس کو اپنے والدین ہی کے گھر میں رہنے دے گا، سسرال جانے پر مجبور نہیں کرے گا، وغیرہ۔ اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ کشمیری رقم طراز ہیں:

"والشرط التی لاتنافی النكاح جائزة وتوفی ديانة لاتلزم قضاء"

(العرف الشذی مع الترمذی ۱/ ۲۱۶)

جو شرطیں نکاح کے منافی نہ ہوں جائز ہیں، دیانتاً اس کو پورا کیا جائے گا، لیکن بطور قضاء لازم نہیں، شافعیہ میں ابوعبید کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں:

"**والذی نأخذ به إنا نأمره بالوفاء بشرطه من غیر أن یحکم علیه**" (فتح الباری ۹/ ۲۷۳)۔

(ہمارا عمل اس پر ہے کہ شرط کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں، لیکن (بصورت دیگر) ہم اس کے خلاف فیصلہ نہیں کریں گے)۔

علامہ عینی نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"**والثانی أن یؤمر الزوج بتقوی الله والوفاء بالشرط ولایحکم بذلک حکما ..... وهو قول مالک وأبی حنیفة والشافعی**" (عمدۃ القاری ۲۰/ ۱۲۰)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ شوہر کو اللہ سے ڈرنے اور شرط کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا جائے، لیکن اس پر فیصلہ کو مسلط نہ کیا جائے، یہی امام مالک، ابوحنیفہ اور شافعی کا مسلک ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قول کی نسبت امام مالک وشافعی کی طرف درست نہیں، نووی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شرط لغو ہے اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہے (شرح نووی علی مسلم ۱/ ۲۵۵) امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ شرط کراہت سے خالی نہیں، اس کی تکمیل صرف مستحب ہے (الفقہ الاسلامی ۷/ ۶۰)۔

بہر کیف یہ تینوں حضرات اس پر متفق ہیں کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابوالزناد، لیث، اور سفیان ثوری کی یہ رائے اور مسلک ہے، اس کے بالمقابل حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ یہ فرماتے ہیں کہ شرط کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، عدم تکمیل کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف یہ رائے

منسوب ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی، امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہ خیال اور مذہب ہے (دیکھئے مصنف عبد الرزاق ۶/ ۱۳، عمدۃ القاری ۲۰/ ۱۴۰، المغنی ۷/ ۲۷-۱۷، فقہ السنۃ ۲/ ۸۲، ۱۸۱ و بعض المالکیۃ سار وا مسارھم۔ امام احمد بن حنبل/ ۳۴۶ لابی زہرۃ) حال کے محققین علماء اور فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں میں استاذ ابو زہرہ، شیخ مصطفیٰ زرقا، وہبہ زحیلی اسی خیال کے حامی و مؤید ہیں (دیکھئے امام احمد بن حنبل/ ۳۵۱، المدخل ۱/ ۴۸۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۶۰)۔

فریق اول کے دلائل

جو حضرات شرط کو لازم اور ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی وجہ سے فسخ کا حق نہیں دیتے، وہ درج ذیل احادیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مسلمان شرائط کے مطابق عمل کریں گے مگر وہ شرط جو کسی حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کردے (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ، والترمذی وقال حسن صحیح)۔

طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ شرط لگانے کی وجہ سے ایک حلال چیز، یعنی دوسری شادی، یا ساتھ میں سفر وغیرہ، حرام ہوجاتی ہے، اس لئے ایسی شرط حدیث کی رو سے ناقابل وفاء ہے۔

۲۔ ایک ایسے ہی شرط کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں ج اللہ کی کتاب میں نہیں، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو، وہ باطل ہے گو وہ سو شرطیں ہوں، اللہ کے فیصلے کا حق زیادہ ہے اور اللہ کی شرط ازیادہ قابل اعتماد ہے'' (رواہ البخاری، کتاب العتق)۔

معلوم ہوا کہ جو شرطیں اللہ کی کتاب اور اس کے مقتضی کے مطابق نہیں، وہ باطل ہیں، مذکورہ شرائط بھی اسی قبیل کی ہیں، کیونکہ قرآن نے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، جب کہ شرط سے شوہر کو پابند ہونا پڑتا ہے۔

۳۔حضرت علی اسے اس عورت کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے عقد کے وقت اپنے میکے میں رہنے کی شرط لگادی تھی، تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو وہاں سے لے جانے کا حق حاصل ہے، کیونکہ اللہ کی شرط عورت کی شرط پر مقدم ہے، "**شرط الله قبل شرطها**" (دیکھئے مصنف عبد الرزاق ۲۳۱/۶، مصنف ابن شیبہ ۲۰۱/۲، المحلی ۱۲۵/۹، ترمذی ۲۱۲/۱)

۴۔چونکہ شرط عقد کی مصلحت اور تقاضا کے موافق ومطابق نہیں، اس لئے لازم وفاء نہیں۔

۵۔ابن وہب "بہ سند جید" روایت کرتے ہیں کہ عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی تھی کہ وہ میکے میں ہی رہے گی، بعد میں شوہر نے وہاں سے لے جانا چاہا، مقدمہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا، آپ نے شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور فیصلہ کیا کہ عورت شوہر کے ساتھ رہے گی، وہ جہاں جانا چاہتا ہے، لے جاسکتا ہے (فتح الباری ۲۷۲/۹)۔

۶۔حدیث "**إن أحق الشروط أن يوفى بها ما استحللتم بها الفروج**" میں شرط سے مراد مہر ہے، یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے خود لازم اور ضروری ہوجاتی ہیں۔

چنانچہ قاضی خاں لکھتے ہیں:

"شرط" سے مراد یہاں مہر ہے، اس "بضع" کے مقابلہ میں وہی مشروط ہے، اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جس کی بیوی ہونے کی بنیاد پر عورت حقدار ہے، یعنی مہر، نفقہ اور حسن معاشرت، کیونکہ شوہر نے عقد کی وجہ سے اسے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے گویا عورت نے عقد میں اس کی شرط لگادی ہے۔

دوسرے فریق کے دلائل

جو حضرات شرط کی تکمیل کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور عدم تعمیل کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں:

"**يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**" (سورہ مائدہ/۱)

آیت میں "عقود" سے مراد عہد اور وعدے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن

جریج، ابوعبیدہ اور دیگر لوگوں سے آیت کی یہی تفسیر منقول ہے، اور ظاہر ہے کہ شرط بھی ایک عہد اور وعدہ ہی ہے۔

چنانچہ جصاص رازی لکھتے ہیں:

"وكذالك كل شرط شرطه إنسان على نفسه في شئى في المستقبل فهو عقد" (احکام القرآن ۳/ ۲۸۳)۔

اور ایسے ہی ہر وہ شرط جو انسان کسی چیز میں اپنے اوپر لگا لے وہ "عقد" ہے، آگے اس آیت کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ انسان جو شرط قبول کرلے، اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، انہیں کے الفاظ ہیں:

"وهو في إيجاب الوفاء بجميع مايشترط الإنسان على نفسه مالم تقم دلالة تخصصه" (حوالہ سابق ۳/ ۲۸۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام شرطوں کو جو انسان اپنے اوپر لگائے، پورا کرنا واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔

"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" (الاسراء/ ۳۴)۔

(اور عہد کو پورا کرو اس کے متعلق پوچھا جائے گا)۔

یہ عہد عام ہے کہ اللہ سے کیا گیا ہو یا بندے سے، گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبہ/ ۷)۔

(سوائے ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہے، اور انہوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی دوسرے کی مدد نہیں کی تو معین مدت تک اس معاہدہ کی پابندی کرو، واقعی اللہ تعالی ڈرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں جس میں وفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے، اور بدعہدی پر

وعید سنائی گئی ہے، شرط بھی ایک طرح سے عہد ہی ہے، لہذا اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

۲۔ حدیث میں بدعہدی نفاق کی علامت بتلائی گئی ہے، بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے خلاف عہد کرنے کی مذمت بیان فرمائی، سخت وعیدوں سے خبر دار کیا ہے۔

۳۔ نکاح کے معاملہ میں تو اللہ کے رسول ﷺ نے بصراحت فرمایا کہ:

"أحق الشروط ان توفوا مااستحللتم به الفروج" (بخاری ومسلم وغیرہ)۔

پابندی کے لائق سب سے زیادہ وہی شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ دیگر شرطوں کی بہ نسبت عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرط زیادہ لائق وفاء ہے۔

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"الناس على شروطهم ماوافقت الحق"۔

(لوگ اپنی شرطوں پر ہیں جب تک کہ وہ حق کے مطابق ہوں)۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، جن میں بعض راوی ضعیف بھی ہیں، مگر مختلف سندوں کی وجہ سے تقویت پیدا ہوجاتی ہے، نیز اسی معنی میں دیگر صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرائط شریعت کے منشاء ومقصد کے خلاف نہ ہوں، وہ جائز ہیں، لوگوں کو اس کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

۵۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فیصلہ فرمایا کہ شوہر کے لئے شرط کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، شوہر نے اعتراض کیا کہ پھر مردوں کے حق طلاق کا کیا حاصل؟ "**اذا تطليقنا**" حضرت عمر نے جواب میں یہ قانونی جملہ ارشاد فرمایا "**مقاطع الحقوق عند الشروط**"

۶۔ قرآن پاک سے یہ ثابت کہ معاملات میں اصل بنیاد "رضا" ہے، لہذا جس شرط پر

فریقین راضی ہوں، اور عقد کے مقصد و مقتضی کے منافی نہ ہوں، نیز اس کی وجہ سے شریعت کے متعین کردہ حدود نہ ٹوٹتے ہوں، تو وہ جائز اور لازم الایفاء ہے۔

۷۔ معاملات میں اصل ''اباحت'' ہے، اس پر تقریباً فقہاء کا اتفاق ہے، صرف ظاہریہ ''حظر'' کے قائل ہیں (دیکھئے مبداء الرضائی المقود۔۱۱۸۶) اس اعتبار سے بھی وہ شرطیں جن سے شارع نے منع نہ کیا ہو، جائز ہوں گی۔

۸۔ عبادات میں اصل ''حظر'' ہے کہ صرف وہی چیزیں لازم وضروری ہوں گی جسے شریعت نے فرض وواجب قرار دیا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو فرض وواجب قرار دینا درست اور صحیح نہیں، لیکن اس کے باوجود عبادات میں ''نذر'' کی شکل میں شرط لگانے کی اجازت دی گئی ہے کہ جو چیز ذمہ میں واجب نہ ہو اسے واجب کرے، جب عبادات جس میں اصل حظر ہے، میں شرط کی اجازت ہے اور اس کو پورا کرنا لازم وضروری ہے تو معاملات جس میں اصل اباحت ہے، میں بدرجہ اولی اس کی تکمیل لازم وضروری ہوگی۔

۹۔ یہ شرطیں ایسی ہیں جس میں عورت کا فائدہ ہے اور مقصد نکاح کے منافی بھی نہیں، لہذا جس طرح سے زیادتی مہر کی شرط لازم ہے، اسی طرح سے یہ شرائط بھی ضروری اور لازم ہیں (یہ تمام تر تفصیلات فتاوی کبری ۳/۲۹ ۳ومابعدہ لابن تیمیہ، اعلام الموقعین ۳/ ۲،۱۰۴۔ المغنی ۷/ ۲۷،۱۷، سے ماخوذ ہیں)۔

فریقین کے دلائل کا خلاصہ:

اس سلسلہ میں حنفیہ کے نقطہ نظر کی جو ترجمانی علامہ عینی وکشمیری نے کی ہے، وہی قرآن وحدیث سے زیادہ قریب ہے، تاہم موجودہ دور میں جو اخلاقی بگاڑ اور فساد سے عبارت ہے، لوگوں کی نگاہوں میں وفاء عہد کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں، جائز وناجائز کی کوئی پرواہ نہیں، ضرورت ہے کہ امام احمد حنبل کی رائے کو جو بہت سے صحابہ کرام کا مذہب ومسلک ہے اختیار کرلیا جائے یا عورتوں کو ''تفویض'' کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے کہ وہ عقد کے وقت یہ کہہ دیں کہ اگر شوہر اس شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو انہیں اس رشتہ کو ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

تفویض طلاق

اللہ نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، تاہم اگر وہ چاہے تو اس حق کو بیوی کے سپرد کرسکتا ہے جسے اصطلاح میں تفویض کہتے ہیں ،(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۴۱۴) ''تفویض'' کی مختلف صورتیں ہیں کبھی وقت شرط وغیرہ کی کوئی تحدید نہیں ہوتی ، مطلقا کہ دیا جاتا ہے کہ (أمرک بیدک) معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اس صورت میں عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار صرف مجلس تک باقی رہے گا، مجلس کے بدل جانے سے یہ اختیار ختم ہوجائے گا، لیکن اگر یہ کہہ دے کہ ''معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے'' (أمرک بیدک متی شئت أو إذا شئت)اس صورت میں پوری زندگی عورت کو یہ اختیار حاصل رہے گا، تا آنکہ وہ خود ہی اس اختیار کو ختم کردے، اگر اختیار کے لئے کوئی مدت متعین کردیتا ہے، مثلاً '' آج کے دن تجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہے'' تو مکمل ایک دن تک یہ اختیار برقرار رہے گا، اگر مشروط تفویض ہو، مثلاً '' فلاں آ گیا تو تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے'' تو اس کی بھی وہی صورتیں اور احکام ہیں جو مذکور ہوئیں (یہ تفصیل بدائع ۲/ ۱۱۶۔ ۱۱۳ سے ماخوذ ہے)۔

تفویض کب درست ہے؟

''تفویض'' عقد کے وقت بھی درست ہے اور عقد کے بعد بھی ،لیکن عقد کے وقت تفویض کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر اسے قبول کرلے، مثلا مرد ایجاب کرتا ہے عورت جواب میں کہتی ہے کہ میں اس شرط پر قبول کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں رہے گا، اور مرد اس کو مان لیتا ہے، اگر مرد ایجاب، بایں طور کرتا ہے کہ میں تم سے شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تمھارے ہاتھ میں رہے گا، اور عورت قبول کرلیتی ہے، تو یہ درست نہیں، علامہ ابن عابدین شامی دونوں کے فرق کی وضاحت فقیہ ابواللیث کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اگر شوہر ابتدا کرتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں ہوگا، فقیہ ابو اللیث ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہیں کہ ابتداء جب شوہر کی طرف سے ہوتو یہ طلاق اور تفویض نکاح سے پہلے ہے، لہذا درست نہیں، اور جب ابتداء عورت کی طرف سے ہوتو یہ تفویض نکاح کے بعد ہے، اس لئے کہ جب مرد نے عورت کے کلام کے بعد کہا قبلت (میں نے قبول کیا) اور جواب میں سوال ملحوظ ہوا کرتا ہے تو گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھ پر طلاق ہو، یا اس پر کہ معاملہ تیرے اختیار میں ہو، تو یہ معاملہ نکاح کے بعد عورت کے اختیار میں ہوگا (ردالمحتار ۳/ ۲۴۲، مطبوعہ ایم سعید کمپنی۔ پاکستان)۔

اگر عقد سے پہلے ہی تفویض کی شرط طے ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ شوہر ابھی اس کا مالک ہی نہیں ہوا ہے تو جس چیز کا خود مالک نہیں دوسرے کو کیسے مالک بنا سکتا ہے؟ البتہ اگر تفویض اس طرح ہو کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اپنے طلاق کی مختار ہوگی تو یہ درست ہے، کیونکہ یہ تفویض طلاق ہی کی طرح ہے، جس طرح نکاح سے پہلے طلاق اضافی درست ہے، ایسے ہی تفویض اضافی بھی درست ہے۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

''اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جائے، چاہے عین وقت عقد زبان سے کہلوالیا جائے، چاہے بعد میں لکھوالیا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ایک شرط ہے، پہلی صورت یہ کہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے اس کے معتبر اور مفید ہونے کیلئے یہ شرط ہے، اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو۔

مثلاً یہ لکھا جائیکہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا، کہ اسی وقت یا پھر اور کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بیکار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا

اختیار حاصل نہ ہوگا، دوسری صورت یہ کہ عین ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو (الحیلۃ الناجزۃ ۲۱)۔

مشروط تفویض

عورتوں کی فہم وذہانت، عقلمندی وہوشمندی نیز فطری جلد بازی کے پیش نظر مناسب ہے کہ مطلق تفویض نہ کی جائے، بلکہ احتیاطا کچھ قیود وشرائط کا لگا دینا بہتر ہے، اسی فطری کمزوری کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے ''تخییر'' کے موقع پر حضرت عائشہ سے فرمایا، عائشہ! فیصلہ میں جلدی بازی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کے بغیر کوئی اقدام نہ کرنا، ایک موقع پر ازواج مطہرات نے آپ ﷺ سے معاشی تنگی کی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ ہمارے نان نفقہ میں کچھ توسیع سے کام لیا جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً'' (سورۂ احزاب: ۲۸)۔اس آیت میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ موجودہ حالت، یعنی معاشی عسرت وتنگی کے ساتھ آپ کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر طلاق کے ساتھ آزاد ہوجائیں، اس کو تخییر کہا جاتا ہے (دیکھئے معارف القرآن۔ج ۷ ص ۱۲۷) لہٰذا تفویض کے ساتھ احتیاط کے لئے مزید کچھ شرطیں بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلا یہ کہ طلاق کا اختیار اسی وقت ہوگا، جب کہ عورت کے والدین بھی اسی پر راضی ہوں وغیرہ، حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں خطر نہ رہے مثلا نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود، یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی، جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں، تو اس کے بعد ہر معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے

کر اس نکاح سے علاحدہ گی اختیار کر لی جائے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدید ہے (الحیلۃ الناجزۃ / ۲۴)۔

مشروط مہر

طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ عقد کے وقت شرط لگادی جائے کہ اگر شوہر طلاق دے گا تو مہر مثلاً بیس ہزار ہے اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہے، ایسی صورت میں طلاق دینے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نقطۂ نظر کے مطابق مہر مثل ہے، اور امام ابو یوسف ومحمد کی رائے کے مطابق معین کردہ مہر یعنی بیس ہزار لازم ہے۔

چنانچہ سرخسی رقم طراز ہیں:

اگر کوئی نکاح اس طور پر کرے کہ اس کی کوئی بیوی نہ ہو تو ایک ہزار درہم ہے، اور اگر دو ہزار، یا اگر کوفہ سے نہ لے جائے تو ایک ہزار اور بصورت دیگر دو ہزار، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پہلے طلاق دے تو جس مہر کا تذکرہ کیا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرا فاسد ہے، یہاں تک اگر یکجائی سے پہلے طلاق دیدے تو جس مہر کا تذکرہ پہلے ہوا ہے اس کا آدھا مہر ادا کرے، اور اگر یکجائی ہو جائے اور شرط کو بھی پورا کر دے، تو ایک ہزار سے زیادہ نہ ہو، اور ابو یوسف ومحمد کے نزدیک دونوں شرطیں معاہدہ کے مطابق جائز ہیں۔

گرچہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے امام ابو یوسف ومحمد سے مختلف ہے، لیکن دلیل کے اعتبار سے صاحبین کی رائے قوی ہے، نیز حالات کا تقاضا بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ نے امام ابو یوسف ومحمد ہی کے مذہب کو اختیار کیا ہے (المبسوط ۵/ ۹، نیز دیکھئے: الاحوال الشخصیہ / ۱۵۵)۔

طلاق ہی کی طرح دوسری شادی کا مسئلہ ہے کہ اگر عقد میں یہ شرط لگادی جائے کہ اگر مرد نے اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی تو مہر بیس ہزار ہوگا، بصورت دیگر دس ہزار، تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف ومحمد کے مسلک کے مطابق دونوں شرطیں معتبر ہوں گی، اور

دونوں صورتوں میں متعین کردہ مہر لازم آئے گا۔

خلاصہ:

واضح رہے کہ ان دونوں مسئلوں میں امام ابو یوسف ومحمد کی رائے پر فتوی دیتے وقت کچھ شرائط کا اضافہ بھی ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جس مقصد کے تحت اسلام نے طلاق یا تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے، وہ مقصد ہی فوت ہوجائے، شرط کی وجہ سے مرد بالکل بند ہوکر رہ جائے گا، اور ناگزیر ضرورت کے وقت بھی رقم ادا نہ کرنے کی پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے طلاق نہ دے سکے، زندگی بالکل تلخ اور اجیرن بن کر رہ جائے، طرح طرح کی خرابیاں اور بگاڑ پیدا ہوں جس کو ختم کرنے کے لئے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے۔

ملازمت پیشہ عورت

''مشروط نکاح'' کے ذیل میں یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ مباح شرطوں کے بارے میں امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شرط لازم نہیں، حنفیہ کے نزدیک یہ ایک وعدہ ہے، دیانتاً اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو نباہے، اس کے مطابق عمل کرے، اگر شوہر ایسا نہیں کرتا تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

کاسانی رقم طراز ہیں:

شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے گا، یا اس عورت کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو یہ قضاءً لازم نہیں، اس لئے کہ یہ ایک وعدہ ہے جو شوہر نے اس سے کیا ہے، لہذا اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا (بدائع ۲/ ۲۸۵)۔

آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اس سے منع نہیں کریگا، اور اس شرط کو شوہر قبول کرلیتا ہے اس کے باوجود اسے روکنے کا حق ہے، اور عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اگر عورت شوہر کی رضامندی کے بغیر ملازمت پر لگی رہی تو ''ناشزہ'' سمجھی جائے گی اور نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۷۹۲ کتاب النفقہ)۔

چنانچہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

''اگر عورت صرف دن میں شوہر کے ساتھ رہے اور رات میں رفاقت نہ ہو، یا اس کے برعکس، تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اس لئے کہ سپردگی ناقص ہے، اس سے ہمارے دور کے اس مسئلہ کا حل بھی نکل آیا، جبکہ شادی کسی پیشہ سے متعلق عورت کے ساتھ ہو جو دن اکثر کارخانہ میں گزارتی ہے اور رات شوہر کے ساتھ بسر کرتی ہے اس کے لئے نفقہ نہیں ہے'' (البحر الرائق ۲؍۱۸۰)۔

امام احمد کے مسلک کے مطابق شوہر کے لئے شرط کی تعمیل ضروری ہے، اسے روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں، اگر سلسلہ ملازمت کو ختم کرنے پر مجبور کرتا ہے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور بلا اجازت ملازمت کرتے ہوئے بھی ''ناشزہ'' نہیں سمجھی جائے گی، اور نان ونفقہ کی مستحق ہوگی، وہبہ زحیلی ان کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حنابلہ نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا اور اس شرط پر وفاء کو لازم گردانا، لہذا شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو کام کرنے سے روک دے اور اگر روک لگادے تو وہ ''نافرمان'' نہیں سمجھی جائے گی (الفقہ الاسلامی ۷؍۹۲)۔

نکاح میں شرائط کتاب وسنت کی روشنی میں

مولانا اختر امام عادل☆

نکاح انسانی زندگی کا اہم ترین رشتہ ہے، اس کے تقدس وعظمت پر قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص موجود ہیں، نکاح کے ذریعہ دو اجنبی شخص ایک دوسرے سے حد درجہ قریب اور دو نامانوس دل باہم انتہائی مانوس ہوجاتے ہیں، اس طرح نکاح زندگی کی وہ منزل ہے جہاں سے مرد وعورت کی رفاقت کا دور شروع ہوتا ہے، یہیں سے انسان باہمی محبت واعتماد کا سلیقہ سیکھتا ہے، اس بقائے باہم کے تحفظ دوام کے لئے اسلام نے بہت سے ایسے حدود وقیود مقرر کردیئے ہیں جن سے ایک مکمل اور خوشگوار زندگی بسر کی جاسکتی ہے، بسا اوقات ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ نکاح جیسا محبوب ومرغوب رشتہ بھی محفوظ نہیں رہ پاتا، یہی وجہ ہے کہ مرد وعورت کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے نکاح میں رائج ومتداول حدود وشرائط کے علاوہ اپنے طور پر الگ سے کچھ شرطیں لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کو اصطلاحی طور پر ''اشتراط فی النکاح'' کہا جاتا ہے۔

موضوع سے متعلق قرآن وحدیث کے نصوص

اس موضوع پر فقہی گفتگو کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہی کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک عمومی نظر اس مسئلہ پر ڈال لیں۔

☆بانی ومہتمم جامعہ ربانی منوراشریف، سمستی پور، بہار

قرآن وحدیث میں ایفاء عہد پر بہت زور دیا گیا ہے، خواہ وہ معاہدہ نکاح کے سلسلہ میں ہو، یا کسی اور معاملہ میں، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا أُوفُوا بِالْعُقُوْدِ (سورہ مائدۃ:۱)۔

(اے ایمان والو! معاہدات پورے کرو)۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

"وَلاَ تَجْعَلُوا اللّٰهَ عرْضَةً لِّأَیْمَانِکُمْ أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ" (سورہ بقرہ:۲۲۴)۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم بھلائی نہ کرو اور پرہیزگاری نہ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کرو، اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

احادیث میں یہ مسئلہ کچھ اور وضاحت سے آیا ہے، جس میں حق وناحق اور جائز وناجائز کی تفصیل موجود ہے۔ ایک روایت ہے کہ:

منافق کی پہچان تین چیزیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (مشکوۃ ر ۱۷)،

ایک دوسرے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس شخص کا ایمان مکمل نہیں جس کو امانت کا خیال نہیں، اور اس شخص کا دین مکمل نہیں جس کو عہد کا پاس ولحاظ نہیں (مشکوۃ شریف ر ۱۵)۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المسلمون علی شروطهم إلاشرطا أحل حراما أو حرم حلالا" رواه الترمذی (مشکوۃ ر ۲۵۲)۔

مسلمانوں کو اپنی شرطوں پر قائم رہنا ضروری ہے الا یہ کہ شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے، بخاری ومسلم میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

"کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل وان کان مائة شرط" (مشکوۃ ر ۲۲۹)۔

ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے اگر چہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ تمام احادیث تو عمومی نوعیت کی ہیں، بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو مسئلہ زیر بحث سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ''کتاب النکاح'' یا ''کتاب الشروط'' میں ان احادیث کو مستقل باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے کتاب النکاح میں دو باب قائم کئے ہیں:

(۱) ''باب الشروط فی النکاح'' اور اسکے تحت یہ روایت ذکر کی ہے:

''أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفو أما استحللتم به الفروج'' (بخاری شریف ۲/ ۷۷۲)۔

سب سے زیادہ مستحق ایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو۔ (یعنی جو شرطیں بوقت نکاح طے کرتے ہو)

(۲) دوسرا باب ہے ''**باب الشروط التی لاتحل فی النکاح**'' (یعنی وہ شرطیں جو نکاح کے وقت لگانا جائز نہیں) اس کے تحت ترجمۃ الباب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے: **لاتشترط المراة طلاق اختها**، یعنی عورت بوقت نکاح اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے۔

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے یہ مسند روایت نقل کی ہے۔

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لایحل لامرأة أن تسأل طلاق اختها لتستفرغ صحفتها فانمالها ماقدر لها (بخاری شریف ۲/ ۷۷۴)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کا پیالہ اپنے لئے فارغ کر لے، حالاں کہ اس کو اتنا ہی ملے گا جو اس کے لئے خدا کی جانب سے طے ہو چکا ہے۔

امام بخاری نے ''کتاب الشروط'' میں بھی ان دونوں روایتوں کو اسی مفہوم ومطلب

کے دو جداگانہ بابوں کے تحت ذکر کیا ہے، ایک باب ہے ''باب الشروط فی المہر عند عقدۃ النکاح'' اور اس کے تحت پہلی روایت ذکر کی ہے (بخاری شریف ۱/۷۶۳)۔

ان روایات سے واضح ہے کہ بوقت نکاح جو شرائط مقرر کی جاتی ہیں وہ سب کی سب قابل اعتبار نہیں ہوتیں، بلکہ صرف ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا، جو شریعت کے موافق اور مقتضائے عقد کے مطابق ہوں، بخاری کے مشہور شارح علامہ قسطلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہوں، بلکہ نکاح میں شامل ہوں، مثلاً حسن سلوک کی شرط یا کسی قسم کی حق تلفی نہ کرنے کی شرط وغیرہ، اور جو شرطیں متضائے عقد کے خلاف ہوں مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی باندی سے صحبت نہیں کریگا، یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا وغیرہ، تو ایسی شرطیں پوری کرنا واجب نہیں، بلکہ ایسی شرط لغو قرار پائے گی اور نکاح صحیح ہوگا اور شوہر کو مہر مسمی کے بجائے مہر مثل دینا ہوگا (ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی ۶/ ۱۲۳، ۶/ ۱۴۴)۔

نکاح سے متعلق شرطیں

حنفیہ کے یہاں جو شرطیں نکاح سے متعلق ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا جائے (۲) دوسرے یہ کہ نکاح تو کسی شرط پر معلق نہ ہو، البتہ بوقت نکاح فریقین میں سے کوئی فریق کچھ شرطیں لگائے اور باہمی رضامندی سے ان پر اتفاق ہو جائے۔

ان میں پہلی قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے ہے، جس میں خود وجود نکاح متاثر ہوتا ہے، جبکہ دوسری قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے نہیں، بلکہ نکاح کے بعد والی زندگی سے ہے، یعنی نکاح ہونے کے بعد فلاں فلاں شرطوں پر کاربند ہونا ہوگا۔

قسم اول تو یہاں زیر بحث نہیں۔

رہی دوسری قسم کہ نکاح کسی شرط پر معلق نہ ہو، البتہ بوقت نکاح کچھ شرطیں لگائی جائیں،

اس کی تین شکلیں ممکن ہیں اور تینوں کے الگ الگ احکام ہیں۔

شکل اول:

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یا اس کو مہر ملنا چاہئے، یا یہ کہ شوہر اس کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت صرف میری ہی بیوی رہے گی، یا یہ کہ عورت کو خیار حاصل نہ ہوگا وغیرہ۔

ان تمام مثالوں میں حکم بالکل ظاہر ہے کہ نکاح بھی درست ہے اور جو ذمہ داریاں میاں بیوی پر عقد نکاح کی بناء پر ہوتی ہیں ان کی ادائیگی بھی لازم ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۸، البحر الرائق ۲/ ۱۶۱، شامی ۲/ ۵۷۳، القسطلانی ۶/ ۱۴۳، ۱۴۴)۔

شکل ثانی:

دوسری شکل یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، یا ایسی شرط لگانا جو مقصد نکاح کے منافی ہو، جس سے شریعت کا نظام نکاح متاثر ہو سکتا ہو یا جس سے کسی فریق کا بے جا استحصال مقصود ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، یا یہ کہ عورت کو میرے مرنے کے بعد وراثت نہیں ملے گی، اسی طرح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو میری وراثت سے حصہ نہیں ملے گا یا شوہر کو ہر ماہ سو دینار یا بیس ہزار روپے (مثلا) کا نفقہ دینا ہوگا، جبکہ دونوں کی حیثیت اتنی نہیں، اس قسم کی شرطیں لغو ہیں اور فریقین پر صرف وہی واجب ہے جو شریعت مطہرہ واجب کرتی ہے، عورت نفقہ کی مستحق ہوگی جس کی وہ لائق ہوگی، قانونی طور پر دونوں ایک دوسرے کے مرنے کے وارث بھی ہوں گے (القسطلانی شرح البخاری ۶/ ۱۴۳)۔

عورت کے لئے خیار طلاق

اسی قسم میں نکاح کے بعد عورت کے لئے خیار طلاق کا مسئلہ بھی آتا ہے، اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) بوقت عقد طلاق کی پیش کش خود مرد کرے تو یہ صورت درست نہیں (۲) البتہ اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور مرد اس کو قبول کرے تو درست ہے، اور عورت کو خیار طلاق حاصل ہوجائے گا، اور اگر معاہدہ تابید کے ساتھ ہوا ہو تو مرد کو یہ حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا (البنایہ ۴/ ۵۰۵، ۵۲۳)۔

ان دونوں شکلوں میں فرق کی وجہ دو ہیں:

(۱) ایک وجہ جس کو علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں اب اگر یہ اختیار عورت کے حوالہ کردیا جائے تو قلب موضوع لازم آئے گا، ہاں بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کو اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے اس طرح کی شرطیں لگانی پڑتی ہیں، ان حالات میں عورت اس کی پیش کش کرسکتی ہے، کیونکہ اس کو اس کی ضرورت ہے، اس وقت مرد اگر چاہے تو اس کو قبول کرسکتا ہے، لیکن مرد خود ہی خیار طلاق کے اصول کو الٹنا چاہے، جس کی اس کو خود ضرورت نہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۸۵)۔

۲- اس کی دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ اصول کے مطابق مرد عورت کو نکاح کے بعد ہی طلاق تفویض کرسکتا ہے، نکاح سے قبل نہیں، تو جس شکل میں مرد از کود بوقت نکاح تفویض طلاق کی پیش کش کرے گا، تو یہ تفویض نکاح سے قبل قرار پائے گی، اس لئے کہ عقد اس وقت تمام ہوگا جب ایجاب وقبول دونوں ہوجائیں اور اس صورت میں بوقت تفویض صرف مرد کی جانب سے ایجاب ہوا، عورت کی طرف سے قبول کا مرحلہ باقی ہے، اس لئے یہ تفویض قبل الطلاق ہوگی جو باطل ہے، البتہ اگر عورت ایجاب نکاح کرتے ہوئے خیار طلاق کا مطالبہ کرے، اور مرد

ایجاب کو قبول کرتے ہوئے اس کی فرمائش منظور کرلے تو یہ تفویض طلاق کے تمام ہونے کے بعد قرار پائے گی، جو قاعدہ کی رو سے درست ہے (فتاوی قاضی خاں ۱/ ۳۲۹، فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۷۳)۔

نکاح میں ملازمت کی شرط:

اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائیں کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملی تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کرلے۔

تو اس صورت مین مسئلہ کی دو شکلیں بن سکتی ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ جس ملازمت کی شرط لگا رہی ہے، اگر وہ ملازمت شرعی طور پر درست ہو، اور عورت حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے اس کو انجام دے سکتی ہو، اور دینے کا عہد کرے، تو مرد پر ضروری ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کا پاس رکھے اور عورت کے شرط کی تکمیل کرے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد نہیں، بلکہ شرط صحیح ہے، لیکن اگر ملازمت غیر شرعی ہو یا عورت کے لئے حدود شرعیہ کی رعایت مشکل ہو، یا وہ آزاد رہنا چاہتی ہو تو اس شرط کو اگر مرد قبول بھی کرلے تو اس کی تکمیل واجب کیا جائز بھی نہیں۔

(اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جس منفعت کی شرط لگائی ہو وہ جائز ہونی چاہئے، اگر ناجائز ہو، مثلاً خمر یا خنزیر کو مشروط کرے، تو مہر کی مشروع مقدار ہونے کی صورت میں صرف مہر مسمی ملے گا، اور حرام کا اسے حق نہ ہوگا، مہر مثل نہ ملے گا، اس لئے کہ مسلمان کے لئے حرام سے انتفاع جائز نہیں، پس اس کے فوت نہ ہونے کی صورت میں الگ سے معاوضہ دینا لازم نہیں) (البحر الرائق ۳/ ۱۶۰)۔

قسم ثالث- نکاح کے وقت خارجی شرائط:

تیسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم کے دائرے میں نہ آتی ہو، اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں

دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا اس کو اپنے آبائی وطن سے باہر نکال کر نہیں لے جائے گا، یا اس طرح کی کوئی اور شرط لگانا جس کا تعلق عقد نکاح سے نہ ہو۔

صاحب البحر الرائق نے اس قسم کے تحت نوع بنوع شرائط کے لحاظ سے جو مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں، ان کا بہترین اور جامع احاطہ کیا ہے انہوں نے ۲۸۸ صورتیں فرض کی ہیں۔

لیکن ظاہر ہے یہ ساری صورتیں جائز نہیں ہوسکتی ہیں، ان کے لئے کچھ ایسے قیود اور شرائط لگانے ہوں گے، جن کی روشنی میں کسی بھی صورت کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکے، غور کرنے سے یہاں دو مرحلے سمجھ میں آتے ہیں، (۱) ایک مرحلہ بوقت عقد شرط لگانے کا ہے (۲) دوسرا مرحلہ ان کی تکمیل وعدم تکمیل اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجے کا ہے۔

پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے میں کسی بھی صورت کے جواز کے لئے بنیادی طور پر یہ شرطیں لگائی جاسکتی ہیں۔

(۱) ایسی شرطیں نہ لگائی گئی ہوں جن سے کسی کا نقصان یا حق تلفی لازم آئے، یا کسی کو مشقت سے دوچار ہونا پڑے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ ہونے والا شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے، اس طرح کی شرط لگانا بالکل گناہ ہے (بخاری ۲/ ۷۷۴)۔

اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر عورت کو اس کے آبائی مکان یا وطن سے منتقل کر کے کہیں نہیں لے جائے گا، اس لئے کہ اس میں شوہر پر غیر شرعی جبر ہے، اسی لئے فقہاء نے اس کو شرط فاسدہ میں شمار کیا ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

سوکن کو طلاق دینے کی شرط، یا آبائی مکان یا وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، شروط فاسدہ میں سے ہے، اس لئے اگر اس طرح کی شرطیں لگا بھی دی گئیں تو یہ محض وعدہ ہوگا، عقد نکاح کی بناء پر ان کی تکمیل کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا (بدائع الصنائع ۲/ ۲۷۸، ۲۸۵)۔

(۲) دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ امر مشروط شرعی اعتبار سے ناجائز نہ ہو، مثلاً عورت کا

یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا، تو یہ شرعاً ناجائز ہے، اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے جب مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے، تو عورت کا شرط لگا کر اس سے روکنا درست نہیں (فتح القدیر ۳/ ۲۳۲، والکفایۃ ۳/ ۲۳۲)۔

اگرچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اس خیال پر معقول نقد کیا ہے، لیکن بہرحال حنفیہ کا نقطۂ نظر یہی ہے (المغنی ۷/ ۴۴۹)۔

دوسرا مرحلہ:

دوسرا مرحلہ شرائط کی تکمیل کا ہے، اگر مذکورہ مشروط صورتوں میں سے کوئی صورت وجود میں آجائے تو کیا شوہر کو ان شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور اگر شوہر ان کی تکمیل نہ کرے تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ان کی تعیین وتحدید کے لئے درج ذیل شرائط مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو۔

(۲) اس شرط سے عورت کا یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار کا نفع متعلق ہو، غیر متعلق شخص کا نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو۔

(۴) عورت کا مہر مثل، مہر مقررہ سے زیادہ ہو۔

(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بنا پر لازم نہ ہوتا ہو، بلکہ شوہر کا جداگانہ عزم وعمل اس میں لزوم پیدا کرتا ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شئی کی واپسی مشروط نہ ہو (شامی ۲/ ۳۷۵، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳/ ۱۶۱)۔

اگر کسی مشروط صورت میں مذکورہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں، تو معاہدہ ہوجانے کے بعد شوہر کو مقررہ شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے، اگر وہ بوقت نکاح طے شدہ شرائط کی تکمیل کرے گا، تو عورت کو صرف مہر مسمی ملے گا، بصورت دیگر عورت کو مہر مسمی لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ پورا

مہر مثل شوہر کو دینا ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنے مہر مثل سے کم مقدار پر اس صورت میں راضی ہوئی تھی، جب اس کی شرطوں کی تکمیل کی جائے، تکمیل نہ ہونے کی صورت میں مہر مقررہ پر وہ راضی نہیں ہوگی، اس لئے مہر مثل دینا ہوگا، جو نکاح میں اولی طور پر لازم ہوتا ہے۔

مثلاً عورت نے نکاح کے وقت شرط لگائی کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا، یا شوہر اس کو کچھ ہدیہ وتحفہ دے گا، یا مشکل کاموں کا پابند نہ کرے گا، وغیرہ اور عورت کا مہر اس کے مہر مثل کے مقابلے میں کم ہے، تو شرط پوری ہونے کی شکل میں تو عورت کو مہر مقررہ ہی ملے گا۔

لیکن شرط پوری ہونے کی صورت میں شوہر کو مہر مثل دینا ہوگا، البتہ اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی کسی صورت مشروطہ سے مفقود ہو جائے تو، یا شوہر پر مقررہ شرائط کی تکمیل ہی ضروری نہ ہوگی یا یہ کہ تکمیل نہ ہونے کی صورت میں بھی عورت کو مہر مقرر ہی ملے گا، مہر مثل نہیں (ردالمحتار ۲/ ۳۵۷، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳/ ۱۶۱)۔

مہر سے متعلق شرطیں

فقہائے حنفیہ کے نزدیک اشتراط فی النکاح کا دوسرا بنیادی حصہ مہر سے متعلق ہے جس کو فتح القدیر اور کئی کتب فقہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ بوقت نکاح تعیین مہر کے ساتھ کچھ مفید شرطیں بھی لگائی جائیں، دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے مہر معلق مقرر کیا جائے، یعنی اگر شرط پوری ہوگی تو مہر کی مقدار یہ ہوگی، اور پوری نہ ہوگی تو مقدار یہ ہوگی (فتح القدیر ۳/ ۲۳۲)۔

مثلاً عورت اس شرط پر شادی کرے کہ اگر ہونے والا شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا، تو مہر ایک ہزار ہوگا، ورنہ دو ہزار، یا یہ شرط کہ اگر شوہر اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہ کرے گا تو ایک ہزار مہر ہوگا، ورنہ دو ہزار وغیرہ، ان مثالوں میں مہر کی مقدار معین نہیں ہے، بلکہ وہ موقوف ہے شرط کی تکمیل پر، اس طرح مہر کے تسمیہ میں جہالت پائی جاتی ہے، ظاہر

ہے کہ اس جہالت کا اثر نکاح کی صحت پر نہیں پڑے گا، البتہ مہر کا مسئلہ اس سے ضرور متاثر ہوگا، اوہ اس طرح کہ اس مسئلہ کی بھی دوصورتیں ہیں:

(۱) امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم ہوسکتا ہے، (۲) یا محتمل ہے۔

(۱) اگر امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم ہوسکتا ہے، مثلاً بوقت نکاح مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا، اور بدصورت ہوگی تو ایک ہزار، تو یہ مہر بھی معلق ہے، مگر خوبصورتی و بدصورتی پہلی ملاقات ہی سے یا دوسرے ذرائع سے معلوم ہوسکتی ہے ، اوراس میں کوئی مشکل نہیں، اس لئے کہ اس صوررت میں شرط کے دونوں رخ بالا جماع درست ہیں، یعنی اگر عورت بدصورت نکلی تو مہر ایک ہزار پائے گی اور اگر خوبصورت نکلی تو دو ہزار پائے گی (فتاوی تاتارخانیہ ۳/۱۰۱، ۱۰۲)۔

اگر چہ کفایہ قاضی خاں اور کئی کتب فقہ میں نوادر ابن سماعۃ کے حوالہ سے امام محمد کی روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ اس صورت میں صاحبین اور امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے، یعنی صاحبین کے یہاں دونوں شرطیں جائز ہیں، مگر امام صاحب کے نزدیک بدصورتی کی حالت میں ایک ہزار مہر تو درست ہے، لیکن اگر عورت خوبصورت ثابت ہوئی تو دوسری شرط یعنی دو ہزار والی فاسد ہے، اور عورت کو اسکے بجائے مہر مثل ملے گا، اوراس کو قیاس کیا ہے، ایک دوسرے جزئیہ پر وہ یہ کہ شرط لگائی کہ اگر عورت باندی ہو تو مہر ایک ہزار ملے گا ورنہ دو ہزار، تو اس شکل میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ثابت ہے، جب کہ یہاں بھی حسن وقبح کی طرح عورت بالیقین ایک ہی حالت پر ہے (الکفایہ ۳/ ۲۳۲، نیز قاضی خاں ۱/ ۲۳۰)۔

لیکن علامہ ابن نجیم مصری نے سماعہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ حسن وقبح کے مسئلہ کو آزادی وغلامی کے مسئلہ پر قیاس کرنا غلط ہے، اس لئے کہ آزادی وغلامی کے جزئیہ میں اگر چہ عورت بالیقین ایک ہی حالت پر ہوتی ہے، مگر اس کا پتہ لگنا اتنا آسان نہیں ہوتا، اس کے برخلاف عورت کے حسن وقبح کا پتہ چلنا بہت آسان ہے، اس بناء پر اس میں جہالت اتنی

فحش نہیں ہے کہ تسمیہ مہر کو باطل قرار دیا جائے، اور اسی لئے امام صاحب بھی راجح قول کے مطابق صاحبین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں (شامی ۲/ ۳۷۶، البحر الرائق ۳/ ۱۶۲)۔

(۲) اور اگر امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم نہ ہوسکتا ہو، بلکہ محتمل ہو، مثلاً عورت کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، یا شوہر کے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط، اس کی فی الحال کیا ضمانت ہے اور نہ کوئی یقینی علم ہے، اس لئے مہر کی دو مقدار میں سے اقل ترین مقدار (مثلاً ایک ہزار روپیہ) پر تو بہر حال فریقین متفق ہیں، اور اس حد تک خاص جہالت نہیں ہے، البتہ زائد مقدار موقوف ہے شرط کی تکمیل پر، جس کا نہ علم ہے نہ ضمانت، اس لئے جہالت کی بناء پر فاضل مقدار کا جو تسمیہ کیا گیا ہے وہ باطل قرار پائے گا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر شرط کی تکمیل شوہر نہ کرسکے تو مہر مسمی کے بجائے اس کو مہر مثل دینا ہوگا، البتہ صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں مقداریں درست ہیں اور تکمیل شرط کی صورت میں ایک مقدار اور عدم تکمیل کی صورت میں دوسری مقدار واجب ہوگی (البنایہ ۲/ ۲۲۶، بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۰)۔

استدلالی اعتبار سے تو امام صاحب ہی کا قول مضبوط معلوم ہوتا ہے، مگر موجودہ حالات میں سہولت یا مصلحت کی خاطر یا بالعموم اس جہالت کے مفضی الی النزاع نہ ہونے کی بناء پر صاحبین کے قول پر بھی عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

خلاصہ جوابات

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ان کو پورا کرنا واجب ہوگا (البحر الرائق ۳/ ۱۶۱، شامی ۲/ ۳۷۵)۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، باطل ہے، البتہ نکاح درست رہے گا (عالمگیری ۱/ ۳۰۹، قاضی خاں ۱/ ۳۳۱)۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا کہ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق

پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو اس طرح کی شرطیں لگانی تو نہیں چاہئے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۵)، لیکن اگر لگادی جائیں تو درج ذیل شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کی تکمیل کرنی ہوگی اور عدم تکمیل کی صورت میں عورت مہر مسمی کے بجائے مہر مثل پانے کی حقدار ہوگی:

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو۔

(۲) اس شرط سے عورت یا اس کے قریبی رشتی دار کا نفع متعلق ہو، غیر متعلق شخص کا نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو۔

(۴) عورت کا مہر مثل اس کے مہر مقررہ سے زیادہ ہو۔

(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بناء پر لازم نہ آتا ہو، بلکہ شوہر کے جداگانہ عزم وعمل پر موقوف ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شئ کی واپسی مشروط نہ ہو (شامی ۲/ ۳۷۵ البحر الرائق ۳/ ۱۶۱)۔

(الف) اس کا جواب نمبر (۲) میں گزرا۔

(ب) اس کا جواب نمبر (۳) میں گزرا۔

(ج) شرط شرعاً معتبر ہے (عالمگیری ۱/ ۲۷۳) اور اگر شرط مؤبد طور پر لگائی گئی ہو تو شوہر کو عورت کا حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا (البنایہ ۴/ ۵۰۵، ۵۲۳)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں:

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہو جائے۔

(۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط۔

(۳) عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

شرائط کے سلسلہ میں اس قسم کی تفصیل مجھے حنفیہ کے یہاں نہیں ملی، البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں بعض اشارات ملتے ہیں، مثلاً حنابلہ کے مسلک کے ذیل میں ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ملتا ہے کہ:

ان شرائط کا بہرصورت اعتبار کیا جائے گا، خواہ صلب عقد میں ان پر اتفاق ہو یا عقد سے پہلے (۴/۸۸)، اسی طرح شافعیہ کے یہاں بعض شکلوں میں اس تعلق سے کچھ ذکر ملتا ہے، شافعیہ کے نزدیک شرائط کا اعتبار اس وقت ہے جبکہ بوقت عقد ان پر اتفاق ہوا ہو، عقد سے خارج خواہ پہلے ہو یا بعد میں طے ہونے والی شرائط کا ان کے نزدیک اعتبار نہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۸۹)۔

حنفیہ کے اصول کے مطابق اگر غور کیا جائے تو شرائط کا اثر نکاح پر تو بہر حال نہیں پڑتا اب محض اس کی تکمیل کی بات رہ جاتی ہے تو حدیث پاک: ''أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا ما استحللتم به الفروج'' (بخاری شریف ۲/۷۷۴)۔

(پورا کرنے کے سب سے زیادہ لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو)۔

کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے تو ہر معاہدہ اگر جائز ہو اور قلب موضوع لازم نہ آتا ہو، تو واجب التکمیل ہے، لیکن وہ شرطیں جو بوقت نکاح طے کی جائیں، دوسرے معاہدات وشرائط کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور ان کو پورا کرنا بدرجہ اولی ضروری ہے، ورنہ انسان گنہگار ہوگا۔

نکاح کے وقت تفویض طلاق کی صورت میں قلب موضوع لازم آنے اور مصالح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ بالیقین ہے، اسی لئے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا آغاز مرد کی جانب سے ہونا جائز نہیں، اس کے علاوہ دوسری مزید احتیاطی قیدیں بھی بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلاً عورت کو خیار طلاق مؤبد طور پر نہ دیا جائے، بلکہ وقت مقرر کے لئے دیا جائے یا یہ کہ بعض محدود شکلوں میں دیا جائے اور اگر شوہر چاہے تو اس خیار کو اپنی مشیت کے ساتھ مشروط بھی کرسکتا ہے،

تا کہ عورت اس اختیار کا بیجا استعمال نہ کر سکے وغیرہ۔

دلائل کے لحاظ سے تو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کا موقف ہی زیادہ مضبوط ہے، مگر حالات کی بناء پر اگر صاحبین کے مسلک پر فتوی دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ملازمت شرعی ہو، اور عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام دے سکتی ہو، تو شوہر کو اپنے معاہدے پر عمل کرنا ہوگا، لیکن اگر ملازمت شرعی نہ ہو، یا عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام نہ دے سکتی ہو، تو یہ معاہدہ لغو ہے اس پر عمل کرنا واجب تو درکنار جائز بھی نہیں (البحر الرائق ۳/۱۶۰)۔

مشروط نکاح اوراس کے احکام

مفتی اقبال احمد کانپوری

مشروط نکاح کا مصداق

شرائط نکاح کے ضمن میں یہ بات ذہن نشیں رہنی ضروری ہے کہ مشروط نکاح کا مصداق وہی نکاح ہوگا جس میں شرائط کا ذکر نفس عقد نکاح ہی میں شامل ہو، اگر قبل النکاح یا بعد النکاح شرائط طے کئے گئے تو وہ نکاح کے شرائط نہ ہوں گے، ان پر شرائط نکاح کا اطلاق مجازا ہوگا، حقیقتاً وہ نکاح مشروط نہ ہوگا، بلکہ ان کے لئے وعدہ اور عہد کا لفظ زیادہ موزوں ہوگا، اس لئے نکاح میں اگر کوئی ایسی شرط عائد کی جائے جس کی خلاف ورزی سے عورت فسخ چاہتی ہو تو اس کی صراحت نکاح کے وقت ہی عورت کی طرف سے ہونی ضروری ہے، پھر مرد کا اس کو قبول کے وقت منظور کرنا بھی ضروری ہے اور اگر نکاح کے وقت شرائط نہ ذکر ہوں، بلکہ قبل النکاح شرائط طے کئے جائیں تو ان شرائط میں نکاح کی طرف نسبت ہونی ضروری ہے، یعنی اس طرح طے کر لینا کہ اگر ہمارا نکاح اس سے ہو تو بعد نکاح مرد پر یہ لازم یا بعد نکاح عورت کو یہ اختیار ہوگا وغیرہ وغیرہ، اگر قبل النکاح شرائط میں نسبت الی النکاح نہ ہوئی تو وہ شرائط لغو ہوں گی، عورت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا، البتہ بعد النکاح شرائط معتبر ہوں گے۔

عورت کی ملازمت کی شرط

نکاح میں ذکر کردہ شرط کی اقسام اور ان کی نوعیت واضح ہونے کے بعد عورت کی

ملازمت کی شرط کا حکم بھی خود بخود واضح ہوجاتا ہے، شریعت نے عورت پر من حیث المسلم جو شرعی پابندیاں، پردہ وغیرہ کے قبیل کی عائد کی ہیں وہ باہر کی ملازمت کی صورت میں عموماً نہیں ہوسکتیں، نیز عورت پر من حیث الزوجۃ جو حقوق ہیں وہ بھی ملازمت کی صورت میں عموماً بری طرح پامال ہوجاتے ہیں، مثلاً علامہ کاسانی وغیرہ نے جو نکاح کا حکم بیان کیا اس کی روشنی میں یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ ملازمت کی شرط اصل نکاح کے تقاضہ کے خلاف ہے، لہذا یہ شرط فاسد کی طرح ہے، اگر عورت یہ شرط لگائے تو مرد اس کا پابند نہ ہوگا اور یہ شرط لغو قرار پائے گی اور نکاح بدستور باقی رہے گا، البتہ ملازمت اگر ایسی ہو کہ مقاصد نکاح میں واقعی خلل نہ ہو تو ملازمت کی یہ شرط جواز کے دائرہ میں آئے گی اور شوہر کے لئے واجب العمل ہوگی (بدائع الصنائع ۲؍۳۳۱)۔

نکاح میں تفویض طلاق کی شرط

اصولی طور پر طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کے حوالہ کیا ہے، اس لئے کہ عورت کی نرم طبیعت، جلد متأثر ہوجانے والا مزاج اور زود رنجی و عاجلانہ اقدام والے ذہن کی بنا پر عورت کو اگر اختیا ہوتا تو طلاق آئے دن کا کھلونا اور نکاح بازیچۂ اطفال بن جاتا، نیز نکاح کے مقاصد میں خلل واقع ہوتا اور معاشرتی زندگی جس میں ذمہ داری کی حیثیت مرد کو حاصل تھی وہ غلام بن کر رہ جاتا، ان سب امور کے پیش نظر طلاق کا اختیار اصلا مرد کے ہاتھ دیدیا گیا ہے، اور عورت کو صرف خلع اور ظلم کے مواقع میں قانونی چارہ جوئی کا حق دیا گیا ہے۔

لیکن اگر مرد مصالح کی بنیاد پر اس حق طلاق کا اختیار عورت کے حوالہ کردے تو اس کی بھی اجازت ہے، اسی طرح اگر عورت نکاح اس شرط پر کرے کہ مرد طلاق کا حق اس کے سپرد کردے تو مرد کی اجازت کے بعد عورت بھی طلاق کی مالک بن سکتی ہے، جب مرد طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کردے تو اب مرد طلاق کا مالک نہیں رہ جاتا ہے، مرد طلاق کا اختیار زبانی طور پر بھی عورت کو دے سکتا ہے اور تحریری شکل میں ہونا بہتر ہے جیسا کہ شادی کے موقعہ پر قبول نامہ مرتب کرکے شوہر سے اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں، طلاق کا اختیار اگر شوہر متعین مدت تک کے لئے دے تو عورت

اس متعینہ مدت کی پابند ہوگی،متعینہ مدت گزرجانے کے بعد اختیار ساقط ہوجائے گا،اسی طرح اگر کسی خاص حالت وموقع کے لئے اختیار سپرد کیا ہے تو اس موقعہ ہی تک اختیار محدود رہے گا۔

''درمختار''میں ہے کہ:

عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ عورت کے حوالہ ہے تو صحیح ہے۔

اسی طرح''فتاوی ہندیہ''میں ہے:

اور شوہر کو اس دئے ہوئے اختیار سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ اس اختیار کے استعمال سے وہ عورت کو روک سکتا ہے۔

البتہ خیار موقت مثلا ایک مہینہ تک کا اختیار،تو مہینہ اور موقت مدت تک باطل نہ ہوگا(شامی ۲/۶۵۴)۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا بعد تفویض رجوع کا حق مرد کو نہیں ہے،لیکن اگر مرد طلاق کا حق پھر اپنے ہاتھ لینا چاہے تو اسکی شکل فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ عورت کو منائے اگر وہ اپنے اختیار سے دستبردار ہوکر پھر اس کو مالک بنادے تو مرد دوبارہ مالک بن جائے گا،اسی طرح اگر مرد عورت کو کچھ مال وغیرہ دے کر یہ حق دوبارہ حاصل کرلے تو بھی حق طلاق واپس آجائے گا،لیکن اس کے لئے عورت کو مال دینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا گناہ بھی ہوگا، اسی لئے مال دینا واجب نہیں ہے تاکہ رشوت نہ لازم آئے(البحر الرائق ۳/۳۱۱)۔

اگر کسی ضرورت کی بنا پر مرد سے تفویض طلاق یا توکیل طلاق ناگزیر ہو اور بعد نکاح زبردستی تفویض طلاق یا توکیل طلاق کا اختیار لیا گیا تو بھی عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا،اگرچہ شوہر کی رضا نہیں ہے کیونکہ طلاق بغیر رضامندی کے بھی واقع ہوجاتی ہے(البحر الرائق ۸/۷۵)۔

تفویض طلاق سے متعلق مسائل کا احاطہ نہ مقصود ہے نہ یہاں اس کی گنجائش ہے،البتہ زیر بحث مسئلہ میں تفویض کی ان صورتوں پر شرائط کی تفصیل ضروری ہے جو تفویض قبل النکاح یا بوقت نکاح یا بعد نکاح مرد کی طرف سے عورت کے لئے ہوں۔

تفویض قبل النکاح

عقد نکاح سے پہلے ہی اگر مرد طلاق کا اختیار زبانی یا تحریری عورت کے سپرد کردے، یا نکاح سے قبل اس طرح کے شرائط طے ہوجائیں کہ جس میں عورت کو طلاق کا مالک بنادیا گیا ہو اوراس میں فریقین زبانی طور پر متفق ہوں یا تحریری دستخط ہوجائیں تو یہ شکل اسی وقت درست ہوگی کہ ان شرائط میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت ہو، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوئی تو یہ اقرارنامہ یا معاہدہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا، اضافت الی النکاح کی یہ صورت ہوگی کہ ''اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو بعد نکاح طلاق کا اختیار تمہیں کو ہوگا'' یا ''جب میرا تم سے نکاح ہوجائے تو بعد نکاح اگر میں ان شرائط کی خلاف ورزی کروں تو تم کو طلاق اپنے اوپر واقع کرنے کا اختیار ہوگا'' اس طرح کی قید معاہدہ یا شرائط نامہ میں ہونا ضروری ہے (درمختار)۔

تفویض بوقت نکاح

اگر عین ایجاب وقبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے جس کے نتیجہ میں عورت کو تفویض طلاق حاصل ہو تو اس صورت میں خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو، یہ تفویض واختیار کی شکل جب ہی درست ہوگی، جبکہ ان شرائط وتفویض کے مطالبہ کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو جس میں وہ شرائط تفویض کا ذکر کرے اور قبول مرد کی جانب سے ہو، اگر اس کے برعکس ہوا تو درست نہیں کیونکہ مرد کی جانب سے تفویض ہوئی تو وہ قبل نکاح ہوجائے گی جو صحیح نہیں (درمختار مع ردالمحتار ۲/۵۲۶، نیز فتاوی ہندیہ ۱/۳۲۹)۔

البتہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب اس طرح ہو کہ ''میں نے تجھ سے نکاح اس شرط کے ساتھ کیا کہ تجھ سے نکاح کے بعد تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا، تو درست ہے (فتاوی ہندیہ ۲/۳۹۶، فتاوی خانیہ ۱/۳۳۰)۔

احتیاطی تدبیر

تفویض طلاق کے مسئلہ میں ایک احتیاطی تدبیر یہ کرنی چاہئے کہ چونکہ عورت کے

اندر قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے اور زودرنجی جیسی صفات غالب، اس لئے قوی اندیشہ ہے کہ تفویض طلاق کا اختیار حاصل ہونے سے شوہر کو تابع بنا کر رکھ دے یا اس کا بے موقعہ اور بلا وجہ استعمال کر بیٹھے، اس لئے اس کا انسداد اس طور پر کر دینا چاہئے کہ شرائط تفویض میں، تفویض طلاق کا اختیار خاص حالات پیش آنے پر موقوف کر دیا جائے اور خاص حالات پیش آ گئے ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ چند معتبر اشخاص کے سپرد کر دیا جائے کہ جب یہ معزز اشخاص گواہی دیدیں کہ شوہر کی طرف سے ایسی صورت حال پیش آ گئی ہے جس کے لئے عورت نے طلاق کا اختیار طلب کیا تھا تو اب عورت کو ایسے حالات میں طلاق کے اختیار کے استعمال کا حق ہوگا کہ وہ فوراً فیصلہ کرے ورنہ حق طلاق ختم ہو جاتا ہے، اس طرح کی قیدوں سے ازدواجی زندگی قائم ودائم رہ سکتی ہے۔

تعلیق وتردید کے ساتھ مہر کی تعیین

اگر نکاح کے وقت مہر کی دو مقداریں ذکر کی جائیں ایک کم اور ایک زیادہ اور کوئی شرط بیان کی جائے کہ اگر یہ شرط پائی جائے گی تو زیادہ مقدار دی جائے گی، ورنہ کم مقدار، تو ایسی حالت میں نکاح تو بہرحال درست ہو جائیگا، البتہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک مطلقاً پہلی شرط کے پورے ہونے پر پہلی مقدار لازم ہوگی اور دوسری شرط پائے جانے پر دوسرا مہر مسمی لازم ہوگا۔

لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ مہر کی کمی بیشی کے لئے جو شرط لگائی گئی ہے وہ اگر بدیہی ہے، یعنی اس میں جہالت واختلاف نہ ہو کہ شرط کا وقوع ہو رہا ہے یا نہیں، بلکہ ہر شخص دیکھتے ہی معلوم کر لے کہ شرط پائی جائے گی تو طے شدہ مہر کی زائد مقدار واجب ہوگی ورنہ کم مقدار واجب ہوگی، اس کی مشہور مثال یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر اس طور پر طے کرے کہ اگر تو حسین ہے تو دو ہزار روپیہ مہر دوں گا ورنہ ایک ہزار، یا یہ کہ اگر تو جوان ہے تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار، تو اس صورت میں اگر وہ حسین ہوگی یا جوان ہوگی تو دو ہزار اس کو ملے گا ورنہ ایک ہزار، کیوں کہ حسین ہونا یا نہ ہونا یا جوان ہونا ہر شخص دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر مہر کی مقدار میں تحدید کسی ایسی شرط کے ساتھ کی ہے جو شرط بدیہی

نہیں تھی اور اس میں امکان ہے کہ واقع بھی ہوسکتی ہے نہیں بھی، تو ایسی صورت میں پہلی شرط کے بموجب مہر مسمی واجب ہوگا ورنہ مہر مثل، بشرطیکہ مہر مثل اس مقدار سے کم نہ ہو اور اس مہر مسمی سے زائد نہ ہو، مثلاً کسی مرد نے کسی عورت سے اس طرح نکاح کیا کہ اگر تو اپنے میکہ میں رہے گی تو ایک ہزار روپیہ مہر دوں گا اور میرے ساتھ رہے گی تو دو ہزار روپیہ، یا یہ شرط کہ اگر تو باکرہ ہے تو دو ہزار مہر اور باکرہ نہ ہو تو ایک ہزار، تو اس صورت میں اگر شرط پائی جائے، یعنی وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا باکرہ ہو، تو دو ہزار مہر اس کو ملے گا، ورنہ مہر مثل ملے گا، دو ہزار سے زائد نہیں ملے گا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس تفریق کی ایک مصلحت یہ ہے کہ شرط جب بدیہی ہوگی تو اس میں کسی طرح کا جھگڑا نہیں ہوسکتا، بخلاف اس کے اگر شرط بدیہی نہ ہو تو ہمہ دم شرط میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

مذکورہ تفصیل سے خود واضح ہے کہ طلاق نہ دینے پر ایک مہر اور طلاق دینے پر دوسرے مہر کی مقدار کا تعلق غیر بدیہی شرطوں کی طرح ہے، لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق کی صورت میں مہر مثل ہی لازم ہوگا جو مہر مسمی سے زائد نہ ہوگا، اور (پہلے) مہر مسمی سے کم نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک دونوں مقداریں درست ہیں، مہر مثل کسی صورت میں نہیں ہوگا۔

سوالنامہ میں کثرت طلاق پر بند باندھنے کے لئے صاحبین کے قول کے اختیار کرنے کا جو مشورہ دیا گیا ظاہر ہے کہ مفتیان کرام کے لئے اس میں گنجائش بہرحال ہے، خروج عن المذہب کسی میں نہیں ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ مہر کی زیادتی کا مانع طلاق ہونا غیر یقینی امر ہے، عام لوگ مہر کی کمی وبیشی کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے یا پہلے ہی معاف کرا لیتے ہیں پھر طلاق دیتے ہیں، اس کے علاوہ بعض صورتوں میں مرد کے لئے طلاق دینا ہی ناگزیر ہوتا ہے اور اس موقع پر مرد کو حق طلاق سے روکنا لازم آئے گا، کہ وہ مہر کی زیادتی سے تلخ زندگی برداشت کرے گا اور طلاق نہ دے سکے گا، مہر میں تقلیل مطلوب ہے مہر کی زیادتی کا رواج دینا تغییر مشروع ہے لہذا طلاق کے رواج کو کم کرنے کی مذکورہ تدبیر قباحت اور مفاسد سے خالی نہیں۔

عقد نکاح میں شرائط عائد کرنے کا حکم

مولانا اخلاق الرحمٰن

نکاح نام ہے مرد وعورت کے باہم ازدواجی زندگی گزارنے پر راضی ہوجانے کا، اس لئے کچھ ایسی شرطوں کے ذکر کردینے کی ضرورت پڑی جس سے باہمی نزاع کو بآسانی سلجھایا جاسکے، اور وہ شدت کی صورت اختیار نہ کرے۔

پھر واضح رہے کہ ان دونوں کی ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا، جو نصوص کے مخالف اور معارض نہ ہوں، لہذا وہ شرطیں جو نصوص کے معارض ہوں ان کو مسترد کردیا جائے گا، یا نصوص میں تو نہیں پایا جاتا ہے، لیکن عرف میں ایسی شرطوں کا اعتبار کیا جاتا ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائیگا، لیکن یہ عرف بھی کسی نص کے معارض نہ ہو، اب ہم ذیل میں میاں بیوی کے درمیان شرائط کے صحیح ہونے نہ ہونے کا ذکر کرتے ہیں:

ج: (۱) فریقین میں سے کسی نے اگر ایسی شرائط کا ذکر کیا جس کا تحقق عقد نکاح ہی سے ہوجاتا ہے تو اس قسم کے شرائط غیر معتبر سمجھے جائیں گے اور اس شرط سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، فضول اور غیر معتبر ہے، کیونکہ یہ تو عقد نکاح کے بعد از خود ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے: "الشئی إذا ثبت ثبت بلوازمہ" لہذا جتنی بھی ضروریات ہیں، یعنی نان ونفقہ، کسوی، سکنی وغیرہ یہ سب شوہر کے ذمہ ثابت ہوں گے۔

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے

والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، کسی بھی حال میں درست نہ ہوگا، بلکہ بہرصورت نفقہ لازم اور ضروری ہو، جیسا کہ تفصیلی بات مع دلائل شرعیہ گزر چکی ہے۔

۳۔ نکاح نہ عبادت ہے اور نہ بالکل معاملات سے ہے بلکہ من وجہ عبادت ہے کہ نکاح کو نصف ایمان کہا گیا ہے، نکاح سے عفت وعصمت اور پاکدامنی کا جوہر پیدا ہوتا ہے، وغیر ذلک، اور من وجہ معاملات ہے کہ جس طرح بائع اور مشتری یعنی خریدنے والوں میں اور فروخت کرنے والوں میں بائع کے لئے بیع کی تعیین اور مشتری کے لئے ثمن کی تعیین ضروری ہے ورنہ نزاع باہمی کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے اور جس طرح بائع نفس ثمن پر قابض ہوسکتا ہے اور مشتری نفس بیع پر کیونکہ عوض اسی کے بقدر جانبین سے پیش کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح مرد وزن میں جو عقد نکاح عمل میں آتا ہے تو عورت صرف اپنا مال یعنی ملک بضعہ کا شوہر کو مالک بنادیتی ہے اور قاعدہ مشہور ہے کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کا حق اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکا دے، اب یہ مہر خالص اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکا دے لہذا اس کے لئے شوہر کے ذمہ اللہ نے مہر مقرر فرمادیا، اب یہ مہر خالص عورت کا حق ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: **"قدعلمنا مافرضنا علیھم فی ازواجھم "** اور انسان کو اپنے حق کے بارے میں شرعی حدود میں رہ کر شرائط وغیرہ لگانے کا شریعت نے اختیار دیا جس سے ضرر ونقصان وغیرہ سے اپنے کو بچا سکے، جیسا کہ عقد بیع میں ''خیار رویت''، ''خیار شرط''، ''خیار فسخ'' وغیرہ کی شرط لگانا ہر دو فریق کے لئے جائز ہے، تاکہ نقصان نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے **"لاضرر ولاضرار فی الاسلام "** اور نکاح بھی چونکہ من وجہ معاملات میں سے ہے، لہذا اس میں زوجین کو مہر کی مقدار کا تعین کرکے اور کم وبیش کی صورت کی شرط لگا کر اپنے حساب سے اور اپنے فائدہ کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں فریق شرط لگا سکتے ہیں، اور ان شرطوں کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں، اور ایفاء شرط ممکن حد تک ضروری ہے، گویا مہر وغیرہ کے تعیین میں شرط لگائی جاسکتی ہے، حدیث شریف میں ہے:

”عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احق الشروط انتوفوا به مااستحللتم به الفروج“ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۷۱ باب اعلان النکاح)
قابل ایفاء شرطوں میں سب سے زیادہ ایفاء کی مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے بضع کو حلال کیا ہے (یعنی نکاح کی شرط)

صاحب لمعات شارح مشکوٰۃ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”احق الشروط“ سے مراد ہے مہر اور ایک قول یہ بھی ہے احق الشروط سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جس کو شوہر عورت کو خوش کرنے کے لئے بطور شرط کے ذکر کرتا ہے، اس طور پر کہ حدود شرعی سے باہر نہ ہو، اسی طرح اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جس کی عورت زوجیت اور بیوی بننے کے نتیجے میں مستحق ہوسکتی ہے، گویا یہ شرط کے درجہ میں ہے۔

علامہ موصوف کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عورت اپنی ذاتی حق مہر میں اپنے منفعت کو بحال رکھنے کے لئے مہر کی تعیین میں جائز شرطیں حدود شرعیہ میں رہ کر لگا سکتی ہے۔

لیکن عدم ایفاء شروط کی صورت میں نکاح اثر انداز نہ ہوگا، لیکن مہر شروط فوت ہوجائے اور مہر مثل لازم ہوگا اور نکاح پر اثر انداز اس لئے نہیں ہوگا کہ اگر نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ بھی ہوا ہو یا نکاح سے قبل ہی عورت نے کہا ”مہر کی کیا ضرورت ہے“؟ ہر صورت میں نکاح ہوجائے گا گو عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل کا صرفہ برداشت کرنا پڑے گا، دیکھئے (ہدایہ ۲/۳۲۹، باب المہر)۔

لہٰذا عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، مثلاً شوہر کسی دور کی ریاست کا ملازم ہے اور سال میں چند دفعہ آنا دشوار ہو، عورت کی جانب سے یہ شرط ہے کہ ہر سہ ماہ یا چار ماہ کے بعد آنا پڑے گا، ورنہ میں تیرے ہاتھ سے چلی جاؤں گی، یعنی اس صورت میں مجھے طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا، اور شوہر اس قید وشرط کو قبول اور تسلیم کر لیتا ہے تو عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو طلاق واقع کر لینے کا پورا پورا حق ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے حق کو بحال رکھنے کے لئے یہ شرط لگائی

ہے، جوشرعی حدود میں رہ کرفطری تقاضے کے مطابق ہے جس کے لئے نکاح مشروع ہوا۔

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہ کر اگر عورت شرط وقید لگاتی ہے تو شوہر کی جانب سے اس کے تسلیم اور قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، جب حرج نہیں تو عورت کو اختیار ہے کہ طلاق واقع کر لے، لہذا اگر غیر شرعی طور پر شرط لگاتی ہے، مثلا ان دنوں وہ عورتیں جو امریکہ اور یورپ کے ماحول سے متأثر ہیں ان کے لئے ٹیلی ویژن، بلوفلم، کھلے عام بے پردگی کے ساتھ شہروں کا طواف کرنا عزت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں، تو ایسی عورتیں بوقت نکاح شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ ان چیزوں کی فراہمی بھی تمہارے ذمہ لازم ہے، ورنہ میں تم سے دور ہو جاؤں گی اور شوہر بھی اپنے کو باعزت لوگوں میں شمار کرنے کے لئے ہاں میں ہاں بھر دیتا ہے تو ایسی صورتوں میں یہ تسلیم ہی شرعا درست نہیں ہے، لہٰذا اختیار طلاق عورت کو نہیں ہوسکتا ہے، لہذا عدم ایفاء کی صورت میں اگر خود عورت طلاق واقع کر لیتی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس لئے کہ یہ شرط ناجائز چیزوں کی ہے۔غرض کہ عورت نے اگر خلاف شرع شرط لگائی ہے تو اس کو مسترد کر دیا جائے گا۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں اور حکم

۱۔عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہوجائیں۔

۲۔عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔

۳۔عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

مذکورہ تین صورتوں کا حکم ذیل میں بالترتیب ملاحظہ ہو:

واضح رہے کہ شق اول اور پہلی صورت میں فریقین کی جانب سے جو شرائط وغیرہ طے ہوجانے کا بیان ہے اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجانے کا ذکر کیا گیا ہے سو یہ ''تعلیق'' ہے

’’تفویض‘‘ نہیں، لہذا نکاح کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور تعلیق تب ہوگا جب تعلیق کے طریقہ کو اختیار کرے۔

’’فتاوی دار العلوم‘‘ میں ہے:

نکاح سے پہلے تفویض طلاق نہیں ہوسکتی، لیکن اگر متعلقین اضافت کریں اس طرح کہ جب تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو اختیار طلاق لینے کا ہے یا یوں کہے کہ عقد نکاح کے بعد اختیار طلاق لینے کا ہے، تو اس طرح تفویض صحیح ہے (۱/ ۳۷)۔

شق ثانی اور شق ثالث کا حکم یہ ہے کہ اگر شرائط بمطابق شرع طے ہوئے ہیں تو اس کے مطابق عورت کے حق تفویض کا اعتبار کیا جائے گا دو باتوں کے ساتھ کہ شوہر نے عدم ایفاء شروط کا ارتکاب کیا ہو اور ساتھ ہی قبول مشروط ہو ورنہ نہیں (ہدایہ ۲/ ۳۷۸)۔

کم وبیش مہر کی شرط

موجودہ حالات میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول راجح معلوم ہوتا کہ ’’اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا، اور بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا‘‘ (حاشیہ ہدایہ باب المہر ۲/ ۳۲۹)۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بالفرض حضرات فقہاء مسائل مذکورہ کو نہ بھی بیان کرتے تو موجودہ زمانہ میں طلاق کے نتیجے میں جو خرافات پائے جارہے ہیں، ان کے سد باب کے لئے ذیل کے اصول سے کام لیا جا سکتا تھا اور اس اصول سے بھی انہیں مذکورہ مسائل میں خوب رہنمائی ملتی ہے، وہ اصول یہ ہے: ’’**الأمر إذا ضاق اتسع**‘‘۔

ج۔ ۲۔ سوال نمبر دو کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم ہوں گی، یعنی اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو پھر اس عورت (منکوحہ) کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور

اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں لازم ہوں گی۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے:

''کیونکہ ہر دو شرطوں کی ایک غرض ہے اور پھر یہ کہ شرط کے عوض میں بدل ہے، اس اعتبار سے ہر شرط پر عمل واجب ہے تاکہ مقصود و مطلوب ثابت ہو جائے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق عمل کرے'' (۳۲۹/۲)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے اپنا وطن چھوڑنا اور سفر میں جانا اتنا گراں نہیں گزرتا جتنا کہ عورت کے لئے شوہر کا دوسرا نکاح کرنا اور سوتن سے گھر بسانا گراں گزرتا ہے، تو جب عورتوں کا سفر وغیرہ میں جانے نہ جانے، وطن چھوڑنے کے بارے میں مہر میں کم وبیش کی شرط لگانا جائز ہوا تو مذکورہ صورت اس سے کہیں زیادہ عورت کے خیال میں اہم ہے، اور ایک حکم جب ادنی کے لئے ثابت ہوتا ہے تو اعلی کے لئے بدرجہ اولی ثابت ہوگا۔

۳- وہ تمام شرطیں جو شرعی قانون سے روگردانی کی دعوت دیتی ہوں، ایسی شرطوں کی عند الشرع کوئی قبولیت نہیں ہوتی، لہذا لغو شمار کی جائیں گی۔

البتہ اگر عورتیں اور لڑکیاں ایسی یونیورسٹی سے متعلق ملازمت سے وابستہ ہیں جہاں خالص عورتیں ہی کام کرتی ہیں یا مرد بھی کام کرتے ہوں لیکن عورتوں کا اختلاط ان سے نہ ہوتا ہو، اور یونیورسٹی یا کلبوں کا قانون بھی اس اختلاط سے پرہیز کرنے کی ہدایت دیتا ہو، اسی طرح عورت کے ناشزہ بننے کا خطرہ نہ ہو، جس سے نسب وشرافت پر داغ پڑے اور عورت بھی بڑی محتاط انداز سے ملازمت کی ذمہ داری ادا کرتی ہے تو ایسی صورتوں میں شرط قبول کر لینے کے بعد شوہر کو روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا، لیکن تعمیل حکم زوج بہتر ہے۔

نکاح میں مباح شرائط فقہ کی روشنی میں

مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری

عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جس کے عقد نکاح سے واجب ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار مقصود ہو،تو اس سلسلہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ شروط فاسدہ سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود فاسد ہوجاتی ہے،یعنی اگر عقد نکاح کیا شروط فاسدہ کے ساتھ تو نکاح نہیں باطل ہوگا، بلکہ شرط باطل ہوجائے گی (ردالمحتار ۲/ ۲۹۵)۔

جس شرط سے عقد نکاح کے ذریعے پائی جانے والی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس سلسلہ میں امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے کہا کہ میں شادی کرتا ہوں اس شرط پر کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہوگا، تو نکاح درست ہوجائے گا اور شرط فاسد ہوجائے گی اور مہر مثل واجب ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۲۹۵، ۳۵۰)۔

الف: دوسری قسم کی شرائط سے نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور شرائط خواہ ہزار ہوں، سب باطل ہوجاتی ہیں، متعلقہ فریقین میں سے کسی کے لئے ضروری نہیں کہ ان کی پابندی کرے، بلکہ اجتناب ضروری ہے۔

ب: تیسری قسم کی شرائط لازم الایفاء نہیں، ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے، یعنی اگر شرط عدم مسافرت یا عدم تزوج کی ہو تو فاسد ہے، اس لئے کہ اس میں امر شرعی سے تعارض ہے۔

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے (ردالمحتار ۲/ ۲۵۳، بدائع الصنائع ۲/ ۲۷۷، فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۷۳)۔

تیسری قسم کی شرائط کا شرعا حکم یہ ہے کہ شرطیں بالکل لازم الایفاء نہیں، ان سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں امر شرعی سے صریح تصادم ہوتا ہے اور اس کے اندر شرائط کے ساتھ ایک قسم کا وعدہ ہے اور ہر ایسے وعدہ کا پورا کرنا یا کرانا جس میں امر شرعی سے تعارض ہو، بالکل جائز نہیں ہے۔

تفویض طلاق

اگر عورت بذات خود طلاق کے واقع کرنے میں مختار ہونے کی شرط لگائے اور شوہر اس کو تسلیم بھی کرلے تو اس کو تفویض کہتے ہیں اور تفویض طلاق کے بعد شوہر کو عورت کے اختیار کو ختم کرنے کا حق بالکل حاصل نہیں رہتا، بلکہ عورت خود مختار ہو چکی ہوتی ہے، اس کے اختیار کو کسی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا (مجمع الانہر ۲/ ۴۰۷)۔

تفویض کے سلسلہ میں پوری وضاحت مندرجہ ذیل ہے، یعنی شرائط سے خیار طلاق کی تین شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) اقرار نامہ عقد نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں عقد نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۴۹۴، عالمگیری ۶/ ۲۶۱)۔

(۲) اس میں شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، ورنہ شرط لغو قرار پائے گی (الحیلۃ الناجزۃ/ ۳۱)۔

۳-۴- نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا لکھوایا جائے، یہ شکل بھی صحیح اور درست ہے (الحیلۃ الناجزۃ/ ۳۳)۔

اس تیسری شکل کے بارے میں چند باتیں عرض ہیں:

۱۔ یہ شکل ایسی عورت کے لئے مفید ہے جس کے عقد نکاح میں اقرار نامہ نہیں لکھوایا گیا

تھا (الحیلۃ الناجزۃ ۳۳)۔

۲۔ جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے لئے بھی وہی کمی ہے جو ماقبل میں بیان کی (ایضا)۔

۳۔ جب عقد نکاح مکمل ہو چکا تو عورت یا اس کے ولی وغیرہ کے اختیار میں یہ بات نہ رہی کہ شوہر کو اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

تفویض کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے

عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے، اس لئے طلاق جیسے اہم مسئلہ کو اس کے سپرد کر دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، لہٰذا تفویض کے وقت کچھ ایسی شرطیں جو مناسب ہوں لگانا درست ہے جس میں کوئی خطرہ نہ رہے، جیسے یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ یا اس کا ولی یا وکیل اس طرح کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے عقد میں بمعاوضہ مہر........روپئے........سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جب کبھی بھی اس کو تمہاری جانب سے کوئی سخت تکلیف پہنچے جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے جدا کر لے اس شکل میں عورت کو طلاق کا اختیار اسی وقت ملے گا جبکہ کم از کم دو آدمی یہ فیصلہ سنائیں کہ عورت سخت تکلیف کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے، مبادا کہیں کوئی غیر شرعی اقدام نہ کر بیٹھے لہٰذا فریقین کی رضامندی سے مجلس عقد نکاح میں دس آدمیوں کے نام کی ایک کمیٹی تشکیل دیجائے جس میں کم سے کم دو افراد ہمہ وقت مل جائیں مگر عورت کو اس کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے کیونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعا ناپسندیدہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: حق تعالی کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے نیز ارشاد فرمایا: جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، لہٰذا اطمینان کے ساتھ غور وفکر کر کے قدم اٹھاتے وقت تین باتوں کو ملحوظ رکھے:

۱۔غصہ کی حالت میں فوراً اپنے اس اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ٹھنڈے دل سے اور مستقبل کو پیش نظر رکھ کر ایک عرصہ تک خوب غور کرے جس کی مدت کم از کم ایک ہفتہ ہو۔

۲۔اپنے بہی خواہوں خصوصا والدین سے مشورہ کرے۔

۳۔سنت کے مطابق استخارہ کرے اور دعاء بھی کرے کہ پروردگار میرا دل اس کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو، ان کوششوں کے بعد جو دل میں آئے اس پر خدا کی ذات پر کامل بھروسہ کر کے قدم اٹھائے (الحیلۃ الناجزۃ ۳۴، ۳۵)۔

مذکورہ گزارشات کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ اس جیسی شرطیں عقد نکاح میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟ علامہ ابن جوزی اپنی سند سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہوں گے، ایسی شرطیں جو حق کے موافق ہوں، اور صحیحین کی روایت ہے کہ جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہیں اگر چہ وہ سو شرطیں ہوں، تو اللہ کا فیصلہ حق ہے اور اللہ کی شرط مضبوط ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو آیتیں اور احادیث پیش کی ہیں، انہیں کے پیش نظر حضرات ائمہ نے اختلاف کیا ہے، امام زفرؒ کا فتوی تو یہ ہے کہ دونوں شرطیں باطل ہوجائیں گی اور حضرت امام زفر کی تائید (اور قیاس کے مطابق فتوی بھی یہی ہے) امام شافعی، امام مالک، سفیان ثوری اور اسحاق ابن راہویہ رحمھم اللہ تمام کا یہی فتوی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرط اول جائز ہے اور شرط ثانی فاسد، لہذا شرط پائے جانے کی صورت میں ان کے نزدیک متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ صرف مہر مثل لازم ہوتا ہے، صاحب ہدایہ کے مطابق ترجیح امام کے فتوی سے معلوم ہوتی ہے اور صاحبین کے فتوی پر بھی عمل ہوسکتا ہے، اور صاحبین کا فتوی یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، لہذا اس فتوی پر عمل کرنے سے پہلے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا فتوی اگر ترک کرنے پر قومی فائدہ بھی ہو اور عوام الناس کا رجوع اہل علم و اصلاح اور دار القضاء اور دار الافتاء کی طرف ہوجائے تو بہتر ہے،

ورنہ امام کے قول کو خواہ مخواہ ترک کیا جائے اور بات جہاں سے چلی تھی وہیں رہ جائے اور کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ ایک مرض کے علاج کے لئے تیز سے تیز دوا کی گئی، لیکن بجائے اس مرض سے فرصت پانے کے اور امراض نے گھیر لیا تو پھر سب بے فائدہ ہوگا۔

چونکہ یہ حضرات ائمہ ''باب الإجارة على أحد الشرطين'' پر قیاس کرتے ہیں، لہذا ذیل میں اب ہم ان کے مستدلات پیش کرتے ہیں (دیکھئے: ہدایہ مع البنایہ ۴؍۲۲۶ عینی ۴؍۲۲۷)۔

۱۔ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل راجح ہے اس لئے کہ شرط اول کے اندر جہالت نہیں ہے تو یہ شرط عقد سے متعلق ہوجائے گی اور درست ہوگی اور شرط ثانی درست نہیں ہے، کیونکہ جہالت اس کے اندر ہے، لہٰذا شرط ثانی عقد سے متعلق نہیں ہوگی اور نکاح درست ہوجائے گا، کیونکہ عقد نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ کتب فقہ اور فتاوی حنفیہ کے اندر بھی امام ابوحنیفہؒ کے فتوی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ جس فائدہ وداعیہ کی بنا پر صاحبین کے فتوی پر عمل کرنے کی رائے طلب کی گئی ہے، اس میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا ہے، جیسا کہ تفصیل سے ماقبل میں بیان کیا جاچکا ہے۔

۴۔ راجح امام ابوحنیفہؒ ہی کا قول ہے۔

۵۔ اگر ایسے ضابطے بنانے کا فائدہ ارباب حل وعقد کے نزدیک تسلیم ہوجائے تو پھر صاحبین کے فتوی پر انشراح قلب کے ساتھ عمل کیا جائے گا، کیونکہ اجرت مثل کی روایت مختلف سندوں سے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، لہٰذا صاحبین کی روایت بھی امام سے ہی منقول مانی جائے گی۔

الجواب الثانی

مجلس عقد نکاح میں اس طرح شرط لگائی گئی کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

اس شکل کا جواب حنفیہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں یہ دیا گیا ہے:

عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو اس عورت کا مہر، مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ اس میں عورت کا کوئی نفع نہیں ہے اور اگر شوہر نے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کے لئے وہی مہر ہوگا، جس پر عورت راضی ہے یعنی مہر مثل۔

ج۔مجلس عقد نکاح میں یہ شرط لگانا کہ ملازمت سے شوہر نہیں روکے گا، یہ شرط فاسد ہی نہیں بلکہ باطل ہے، کیونکہ عورت کا ملازمت اختیار کرنا ان دوصورت سے خالی نہیں، اول یہ کہ یہ ملازمت کسب معاش کے لئے ہوگی تو کسب معاش ہی نہیں بلکہ عورت کا نان ونفقہ، سکنی وغیرہ سب اس ہونے والے شوہر پر شریعت کی طرف سے واجب ہورہا ہے، لہذا عورت صرف گھر کی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے، دوسری صورت یہ ہے کہ ملازمت اس لئے اختیار کئے ہوئے ہے کہ اپنی تعلیم سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے تو یہ بھی عورت پر لازم نہیں، بلکہ اس سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ آج کی ملازمت یہ ہے کہ عورت غیر محرم مردوں کے درمیان بیٹھ کر ان کے لئے تفریح طبع کا سامان پیدا کرے جو شرعا حرام ہے۔

ملازمت چونکہ عام طور پر بے پردہ ہوتی ہے، لہذا اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا ایک قول پیش ہے:

''عن ام سلمة قالت كنت قاعدة عند النبى صلى الله عليه وسلم أنا وحفصة فاستأذن ابن أم مكتوم فقال النبى صلى الله عليه وسلم احتجبن منه''
(رواہ ابوداؤد)۔

۲- اس کا جواب بھی مذکورہ بالا تحریروں میں آچکا ہے۔

۳- اس کا جواب بھی گزر چکا ہے، مزید یہ عرض ہے کہ اس شرط کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے جمہور علماء کے نزدیک مہر مسمی فاسد ہوجائے گا اور عقد درست رہے گا، اور شوہر پر اس عورت کے لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

۴- احادیث اور جمہور ائمہ کے فتاوی کی روشنی میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جب یہ شرط لغو ہے تو شوہر پر اس کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ کوئی شوہر ایسی شرط کو پورا کرے تو اس کو روک دیا جائے گا۔

۵- شوہر مذکورہ بالا شرط فاسد قبول کر لینے کے بعد اپنی بیوی کو سلسلہ ملازمت جو کہ ایک ناجائز فعل ہے یا نئی ملازمت کے طلب کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل صرف ضروری ہی نہیں، بلکہ فرض ہے۔

نکاح میں مختلف شرطوں کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عزیر اختر قاسمی

نکاح کے متعلق یہ بات ذہن میں ہونی چاہئے کہ یہ مرد وعورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ اجنبی مرد وعورت الفت ومحبت کی راہ سے تادم عمر ہم رشتہ رہنے کا عزم مصمم کرتے ہیں، شریعت نے اس کی کچھ حدوں اور قیدوں کو ذکر کر کے ازدواجی تعلقات کو مضبوط تر بنانا چاہا ہے، اور حضور ﷺ نے ان شرطوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

"**أحق الشروط بالايفاء ما استحللتم به الفروج**" (بخاری شریف)۔

پہلی شرط: فقہاء کرام نے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطوں کی بھی حدوں اور قیدوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے موافق اور نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو جیسے بھلے طریقہ سے زندگی گزارنے کی شرط لگانا، یا عورت کا نفقہ، کسوہ اور سکنی کا اچھی طرح نظم کرنے کی شرط لگانا، اس قسم کی شرط لگانا بالکل جائز ہے، اور شوہروں کو اس قسم کی شرط کا پورا کرنا لازم وضروری ہوگا، نیز اس قسم کی شرط لگانے کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی اثر بھی مرتب نہ ہوگا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**المسلمون عندشروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرام حلالاً** (فتح القدیر مع ہدایہ ۳/ ۲۳۲)۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک دفعہ یہ

مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے باہر دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا، اب وہ شخص اس عورت کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی ہے، تو اس مقدمہ کا فیصلہ فاروقؓ نے فرمایا:

"**إن مقاطع الحقوق عندالشروط ولک ما شرطت**" (عمدۃ القاری ۶/ ۴۳۷)۔

فتاویٰ ہندیہ میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو اور عورت کو اس شرط کی وجہ سے یک گونہ فائدہ ہو تو اس شرط کا ایفاء لازم وضروری ہوگا، اور عدم ایفاء مہر کی صورت میں مہر مسمی واجب نہ ہوگا، بلکہ مہر مثل واجب ہوگا، اور اگر اس شرط کی وجہ سے عورت کا فائدہ نہ ہو، بلکہ کسی اجنبی کا فائدہ ہو تو ایفاء شرط لازم وضروری نہیں اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل واجب نہ ہوگا، بلکہ مہر مسمی ہی شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا (ہندیہ ۱/ ۳۰۷) مسند ابوداؤد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام شرطوں میں لازم الایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورت کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا ہے (بذل المجہود ۳/ ۴۳)۔

دوسری شرط: اگر ایسی شرط لگائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ اس کی بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، یا یہ شرط لگانا کہ اس کا کوئی مہر میرے ذمہ واجب الادا یا مؤجل نہ ہوگا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ بذات خود ساقط ہوجائے گی اور عقد نکاح منعقد ہوجائے گا، کیونکہ عقد نکاح ایک عقد ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود ساقط ہوجاتی ہے، چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے: "**قوله لأنه يبطل بالشروط الفاسدة بخلاف النكاح فإنه لايبطل بها**" (۲/ ۲۹۳، نیز دیکھئے: بذل المجہود ۳/ ۲۳)۔

چنانچہ ان سب صورتوں میں شرط لازم الایفاء نہ ہوگی، بلکہ لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ ہوجائے گا (عمدۃ القاری ۶/ ۲۳۸، فتح القدیر مع ہدایہ ۳/ ۲۱۰)۔

تیسری شرط: اگر ایسی شرط لگائی جائے جو نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور نہ نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو، بلکہ اس شرط کے نتیجہ میں فریقین میں سے کسی کو ایسے حقوق حاصل ہوتے ہوں

جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہو سکتے ہوں، جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا یا اس عورت کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، تو اس کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لازم الایفاء ہوگی چنانچہ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق ابن راہویہ علیہم الرحمۃ کی یہی رائے ہے بطور استدلال ان کی طرف سے یہ واقعہ پیش کی جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ شوہر نے بوقت نکاح یہ شرط قبول کی تھی کہ بیوی کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا اور اب لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ شرط لازم الایفاء ہوگی۔

یہ فیصلہ حضرت عمرؓ کا ایک طریقہ سے منقول ہے، لیکن انہیں کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعید ابن مسیّب، سفیان ثوری، امام مالک، فقیہ ابو اللیث اور ائمہ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی، اور ''بذل'' میں اسی قول کو امام طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور حضرت عمر فاروقؓ کا ایک دوسرا قول سند جید کے ساتھ یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کی شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ باطل ہوگی اور عقد نکاح کے انعقاد میں اور اس کے بعد اس کا کوئی مرئی اثر نہ ہوگا (بذل المجہود ۳/ ۴۳)۔

اس قسم کی شرطیں لازم الایفاء اس لئے نہیں ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل**'' (بذل المجہود کتاب النکاح ۳/ ۲۳)۔

علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حضرت عمر فاروق کی مذکورہ دوسری رائے کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فارورق نے شرط کو ختم فرما دیا اور فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہوگی اور انہوں نے اس شرط کو لازم نہ فرمایا، اور حضرت علیؓ کا بھی یہی قول ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی شرط اس کی ذاتی شرط سے مقدم ہے، اور تابعین میں حضرت سعید ابن مسیّب، سفیان ثوری، مالک اور لیث وغیرہ ائمہ کی یہی رائے ہے (عمدۃ القاری ۹/ ۴۳۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیسری قسم کی شرط حضرت امام ابوحنیفہ اور بہت سے صحابہ وتابعین

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق یہ ہے کہ وہ جائز ضرور ہوگی لیکن یہ شرط لازم الایفاء نہ ہوگی، البتہ شوہر کو اختیار تقوی اور شرط کو پورا کرنے پر آمادہ کیا جائے کہ جب تم نے شرط منظور کرلی ہے تو شرط کو پورا کرنا چاہئے، اور اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، خواہ وعدہ وفاء کرے، نہ کرے، اور شرط لگانے کی وجہ سے انعقاد نکاح اور صحت پر بھی کوئی منفی اثر نہ ہوگا۔

تفویض طلاق بوقت نکاح

شریعت نے رشتہ ازدواج کو منقطع کرنے کا حق عورت کو نہیں دیا، اور یہ ہدایت دی ہے کہ اگر کبھی آپسی ناچاقی ہوجائے تو اولاً ہر ممکن طور پر اصلاح کی جائے، اگر بایں ہمہ اصلاح ذات البین کسی طرح ممکن نہ ہو تو مرد کو حکم ہے کہ ایک طلاق دے کر عورت کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کردے اور حکم قرآنی: "أو تسریح بإحسان" (سورۂ بقرہ:۲۲۹) پر پورا عمل کرلے۔

مختصر یہ کہ مرد کو حکم ہے کہ اپنی بیوی کو ناگزیر حالات میں طلاق دے کر علیحدہ کردے، اس کے بعد فریقین کے لئے اللہ تعالی ضرور کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے گا۔

عورتوں کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا صحیح ہے اور شرعاً اس کا ثبوت بھی ملتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے یہ مطالبہ کیا کہ نفقہ میں تنگی ہوتی ہے، اس لئے اضافہ کیا جائے، سرکار دوجہاں کو یہ ناگوار گزرا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

"**یا أیها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا**" (سورۂ احزاب:۲۸) اور امام بخاری نے باضابطہ اس عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں اس آیت مذکورہ کو نقل فرمایا اور اسی کے متعلق چند حدیثیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تفویض طلاق صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے (عمدۃ القاری شرح بخاری ۵۴۲/۹)۔

تفویض طلاق کے جواز پر اجماع امت بھی منعقد ہوچکا ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ۴۱۰/۳، بحر

الرائق ۳؍۳۱۰) حاصل یہ کہ جب عورت کو عام حالات میں اختیار دینے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوجاتا ہے تو بعض حالات میں ان کا جائز ہونا اور اس کی وجہ سے عورت کو اختیار کا حاصل ہوجانا بدرجہ اولی ہوگا۔

تفویض کے بعد شوہر اس کو ختم نہیں کرسکتا ہے

جب شوہر نے اپنی بیوی کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے، تو اب شوہر کو قطعاً یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس تفویض کو ختم کردے، اگر شوہر یہ اعلان کردے اور بیوی سے کہہ دے کہ ہمارا تمہارا عہد نامہ جو تھا اور اس کی وجہ سے تمہیں طلاق واقع کرنے کا اختیار تھا آج اس کو میں ختم کررہا ہوں، تو اس شخص کے اس اعلان و تفصیل کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور عورت کو حسب سابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ فقہ کے عام متون وشروح اور فتاوی کی کتابوں میں یہ عبارت درج ہے، "**ولایملک الرجوع عن التفویض**" اس شخص کو قطعاً یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس حق سے رجوع کرلے (بحرالرائق ۴؍۲۷۷، فتح القدیر ۳؍۴۲۸)۔

عقد نکاح میں تفویض کی شرط کی تین صورتیں

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور جانبین سے دستخط بھی ہوجائیں۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط زبانی کہلوا دیئے جائیں، خواہ ایجاب مشروط ہو یا قبول مشروط ہو۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ اور کابین نامہ لکھوایا جائے اور جانبین کے دستخط کرائے جائیں۔

ان تینوں قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ صورتیں جائز ہیں مگر ان کے معتبر ہونے نہ ہونے میں فرق ہے۔

(ا) پہلی صورت عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کے بعد نکاح کا انعقاد

ہو، تو اس کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت واضافت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اسی وقت یا اس کے بعد کلی اختیا رہوگا، ایسی صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا، لیکن اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی جائے تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا، چنانچہ ''کنز الدقائق باب التعلیق'' میں لکھا ہے کہ **"إنما يصح في الملك كقوله لمنكوحته إن زرت أنت طالق أومضافا إليه كان نكحتك فأنت طالق"** (دیکھئے: البحر الرائق ۴/۳، ہدایہ ۲/۳۶۵، رد المحتار ۲/۸۱-۶۸)۔

دوسری صورت: عقد نکاح کے وقت ہی ایجاب وقبول میں ایسی شرطیں ذکر کردی جائیں کہ اگر شوہر اس کی خلاف ورزی کرے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، یہ صورت بھی صحیح ودرست ہے اور عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا، اسی طرح شرطوں کو ایجاب وقبول کے ساتھ زبانی کہلوانے کے بجائے لکھ لیا جائے تو بھی صحیح ودرست ہے، لیکن ایجاب وقبول کو صرف لکھ لیا جائے اور جانبین سے اس پر دستخط کرالئے جائیں تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا، بلکہ زبانی طور پر ایجاب وقبول کہنا ضروری ہوگا ہاں اگر اس طرح کا اقرار نامہ تیار کرلیا جائے اور زبانی طور پر ایجاب یا قبول کے ساتھ کہہ دے کہ ان شرائط محررہ میں سے کسی کی خلاف ورزی ہو تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، تو اس طرح تفویض کی تعلیق صحیح ہے، شرائط محررہ کو زبانی ذکر کرنا ضروری نہ ہوگا (الحیلۃ الناجزۃ)۔

شرائط: اس صورت میں تفویض کے مفید ہونے اور عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ ایجاب عورت کی جانب سے اس طرح ہو کہ خود عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد کے وقت یوں کہے کہ اگر تم نے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی کی تو مسماۃ فلانہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور شوہر یوں کہے کہ میں نے اس

شرط کے ساتھ قبول کیا، یا مطلقا یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور عورت نے اس کو قبول کرلیا، یا عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور شوہر از خود چند شرطوں کا اضافہ کر کے یوں کہے کہ میں نے اس شرط کیساتھ قبول کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، تو ان سب صورتوں میں نکاح منعقد ہوجائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اور عورت کی جانب سے ایجاب نہ ہو، بلکہ شوہر کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول اس طرح ہو کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے فلاں فلاں صورتوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہوگا، یا مطلقا یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہوگا، تو ان دونوں صورتوں میں نکاح تو منعقد ہوجائے گا مگر عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

یہ مذکورہ تفصیلات تفویض مقید کے متعلق تھیں، اگر مطلق تفویض طلاق کی شرط لگائے کہ عورت کی جانب سے بوقت نکاح ایجاب میں یہ کہا جائے کہ تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہوگا، اور اس میں کسی شرط کی تعیین نہ کی جائے تو یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، لہٰذا وہ عورت جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر شوہر سے علیحدہ ہوسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی نے شروع ''کتاب الطلاق'' میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ شوہر نے اگر کسی سے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تو طلاق والی ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور طلاق باطل ہوجائے گی اور اگر عورت نے ابتداء کلام کیا ہو بایں طور کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں طلاق والی ہوں تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائیگا فقیہ ابو اللیث نے دونوں کلاموں میں یوں فرق فرمایا ہے کہ جب آغاز کلام شوہر کی جانب سے ہوا تو طلاق وتفویض طلاق قبل النکاح ہوئی (اور اس کی صحت کے لئے اضافت الی النکاح جو شرط تھی وہ

نہ پائی گئی) لہذا یہ طلاق وتفویض طلاق صحیح نہ ہوئی، اور جب آغاز کلام عورت کی جانب سے ہوا تو ایسی صورت میں شوہر نے ایجاب مشروط کو قبول کیا ہے اور ایجاب مشروط کی وجہ سے عورت کو تفویض طلاق حاصل ہوجاتی ہے، اس لئے اس صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا پورا حق حاصل ہوجائے گا (ردالمحتار ۲/ ۵۸۵)۔

تیسری صورت: عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ زوجین کے درمیان لکھ لیا جائے اور شوہر کی طرف سے عورت کو یہ اختیار مل جائے، تو عورت عام اوقات میں یا مشروط اوقات میں جب شرط پائی جائے اپنے اوپر طلاق واقع کرنا چاہے تو کرسکتی ہے، یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اور شوہر عورت کے حاصل شدہ اختیار کو ختم کرنا چاہے تو اس کو اس کا اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر عورت ہی از خود اس حاصل شدہ اختیار کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتی ہے، چنانچہ ''بحر الرائق'' میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہمیشہ کے لئے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس عورت کے اس کو ایک مرتبہ رد کر دینے سے اختیار ختم ہوجائے گا (۳/ ۳۲۲)۔

تفویض طلاق میں کچھ ضروری قیدوں کا اضافہ

عورتیں چونکہ فطرتاً مشتعل مزاج، زود رنج، ذکی الحس، ناعاقبت اندیش اور سریع الانفعال ہوتی ہیں، بات بات پر ناراض اور چراغ پا ہوجاتی ہیں، اس لئے تفویض طلاق کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا بے جا استعمال کرلیں اور زوجین میں سے ایک یا دونوں مشقت شدیدہ میں گرفتار ہوجائیں، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ شرطوں اور قیدوں کا مزید اضافہ کردیا جائے کہ جس کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا وہ عورت غلط اور بے جا استعمال نہ کرے۔

مثلاً تفویض مطلق کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگائے کہ اگر ہم دونوں آدمی طلاق کے وقوع کو مناسب سمجھیں یا فلاں فلاں شخص طلاق ہی کو بہتر سمجھیں، یا یہ شرط لگادے

کہ تمہارے والدین اور دیگر قریبی رشتہ داروں میں سے پانچ افراد طلاق کو ضروری یا مناسب سمجھیں، یا اس طرح کا اور کوئی لفظ یا جملہ بطور شرط وقید ذکر کر دیا جائے۔

اسی طرح تفویض مشروط کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگادے کہ شرط مذکورہ کی خلاف ورزی کو فلاں فلاں آدمی تسلیم کرلیں کہ واقعی مذکورہ شرطوں میں سے بعض کی، یا کل کی خلاف ورزی ہوئی ہے یا یہ شرط لگائے کہ واقعی جب مجھ سے خلاف ورزی ہوجائے تو مجھے بھی اس خلاف ورزی کا علم کرادیا جائے کہ تم سے فلاں شرط کی خلاف ورزی ہوگئی ہے اور میں اسے تسلیم کرلوں کہ واقعی مجھ سے خلاف ورزی ہوگئی ہے، تب تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

مالی سزا کے تقرر کی ایک صورت

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر مقرر کر دیا جائے کہ عام حالات میں اس عورت کا مہر دس ہزار اور وقوع طلاق کی صورت میں اس عورت کا مہر بیس ہزار یا تیس ہزار وغیرہ ادا کرنا لازم ہوگا، تو سطحی نقطہ نظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی اچھا ہے، کیونکہ اس طرح طلاق کی وارداتیں کم سے کم ہوں گی اور طلاق کا بے جا استعمال نہ ہوسکے گا، لیکن کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرات صاحبین کی رائے کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہوں گی، کیوں کہ اکثر متون وشروح فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے اس طرح شادی کی کہ اگر شوہر اس عورت کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، تو اس میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شرط پوری کردی جائے تو مہر مسمی اور اگر شرط پوری نہ کی جائے تو مہر مثل واجب ہوگا، لیکن صاحبین کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں درست ہیں، اور دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں مہر مسمی ہی واجب ہوگا، اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں فاسد ہوں گی اور ایفاء شرط اور عدم ایفاء شرط کی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا۔

فقہاء حنفیہ کے متون وشروح کے دیکھتے وقت ہر چند یہ سعی کی کہ صراحتا ان اقوال ثلاثہ

میں سے راجح اور مفتی بہ رائے معلوم ہوجائے، لیکن میں وہاں تک نہ پہنچ سکا، البتہ صاحب بحر، علامہ شامی اور ابن ہمام وغیرہ فقہاء کرام نے امام ابوحنیفہ پر وارد ہونے والے چند اعتراضات کا جواب دیا ہے، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ انہی کا قول راجح ہے (ملاحظہ ہو رد المحتار ۲/۴۷۶)۔

لیکن میری رائے میں جیسے یہ صاحبین کی رائے کے عین مطابق ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ کے دیگر متعدد اصولوں کے عین مطابق ہے کیونکہ اس طرح مہر مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلاق کی وارداتیں کم سے کم وقوع پذیر ہوں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب صاحبین کی رائے پر عمل کیا جائے اور دونوں شرطوں کو درست قرار دیا جائے۔

نیز اس لئے بھی صورت مذکورہ کو جائز ہونا چاہئے کہ وقوع طلاق کے نتیجے میں بیحد نقصانات ہیں، مثلاً یہ کہ اس کی وجہ سے زوجین اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان عداوت، دشمنی، کینہ اور بغض وحسد پیدا ہوجاتا ہیں، انسان کا بسا بسایا گھر اجڑ جاتا ہے، بچے کی پرورش و پرداخت اچھی اور نشو ونما عمدہ نہیں ہو پاتی ہے، طرفین کا سکون ختم ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے مقصد تخلیق انسان میں خلل واقع ہوجاتا ہے اور عرش رحمان میں تزلزل پیدا ہوجاتا ہے، حدیث وقرآن کی خلاف ورزی لازم آجاتی ہے، حتی کہ بسا اوقات یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ ایک دوسرے کے رشتہ دار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک خرابی لازم آتی ہے، اور دوسری صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں، جس میں سے ایک صورت اولی لازم آنے والی خرابی کے ہم پلہ ہے اور دوسری اس سے زائد، لہذا قاعدہ پر اگر عمل کیا جائے گا یعنی بڑے نقصان سے بچنے کے لئے ہلکے نقصان کو انگیز کرلیا جائے تو کوئی حرج نہ ہونا چاہئے بلکہ جائز ودرست ہونا چاہئے۔

عورت کا اپنی ملازمت کی شرط لگانا

بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو موجودہ ملازمت یا آئندہ ملنے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، صحیح نہیں ہے، یعنی اگر اس قسم کی شرط لگا کر کسی کا نکاح ہوا تو یہ شرط

فاسد ہوگی، اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اسلام نے جہاں اور تمام احکام دیئے ہیں وہیں خاص مرد وعورت کے حقوق وفرائض کی تعیین بھی کی ہے، مردوں کو حکم ہوا: "**سیرو ا فی الأرض وابتغوا من فضل الله**" اور دوسری جگہ حکم ہوا کہ جب نماز پوری کر چکو تو تلاش معاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ، لیکن عورتوں کو اس قسم کا کہیں حکم نہیں دیا کہ تم بھی تلاش معاش میں سرگرداں پھرتی رہو، بلکہ ایسے موقعہ پر ارشاد ہوا کہ عورت کا اپنے مرد کے ساتھ تجارت میں شریک ہونا یعنی کارتجارت مل کر انجام دینا علامات قیامت میں سے ہے، اسی طرح عورت ومرد کے فرق مراتب کو بیان کیا گیا "**الرجال قوامون علی النساء**" (سورۂ نساء: ۳۴) کہ مردوں کو عورتوں کا نگراں بنایا گیا ہے، قرآن کریم میں اس کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مردوں کو عورتوں کا نگراں بنانے میں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے اختیار کی بات ہے کہ بعض کو افضل اور بعض کو مفضول کردیں۔ "**وبما فضل الله بعضهم علی بعض**" (سورۂ نساء: ۳۴) دوسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے مردوں کو علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورت کے بہت زیادہ عنایت کی ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو ناقصات عقل اور ناقصات دین کہا گیا ہے۔

پس اگر عورت بذات خود یا اس کا ولی یا وکیل بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ شوہر اس عورت کو اس کی موجودہ ملازمت سے یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور ہونے والا شوہر اس شرط کو قبول ومنظور کر لیتا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن شوہر پر اس شرط کی پابندی ضروری نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر اپنی اسی بیوی کو اس کی موجودہ یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ شوہر کا حکم مان کر ملازمت سے باز آ جائے۔

مشروط نکاح اور مصداق

مولانا محمد اقبال قاسمی

عقد نکاح کے ساتھ فریقین جو شرائط طے کرتے ہیں ان کو تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، مختصر لفظوں میں اس کو یوں تعبیر کر سکتے ہیں، وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہوں جیسے نفقہ، سکنی اور کسوہ کی شرط لگانا۔

۲۔نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو۔

۳۔نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی ہے اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، اس کی فقہی تعبیر ''مالیس من القسمین'' ہوسکتی ہے۔

پہلی قسم کا شرعی حکم

اس قسم کے شرائط کا حکم یہ ہے کہ ان کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے، کیونکہ وجوب فریقین کی آپسی اور باہمی رضامندی پر موقوف نہیں، بلکہ شریعت نے ازخود محض عقد کی بنیاد پر واجب کردیئے ہیں، خواہ بوقت عقد اس کی تصریح یا شرط نہ لگائی گئی ہو، ''مسلم شریف'' میں حدیث ہے: ''**إن أحق الشروط أن يوفى به ما استحللتم به الفروج** ''(مسلم شریف ۱/ ۴۵۵) (پوری کرنے کے اعتبار سے لائق ترین وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا) علامہ خطابی شرائط نکاح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض شرائط وہ ہیں جن کو پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے اور وہ یہ ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی یا تو معروف طریقے پر روکنا یا اچھے طرز پر چھوڑ دینا حاشیہ بخاری ۲/ ۴)۔

حضرت عمر کا قول ہے: ''**المؤ منون على شروطهم عند مقاطع حقوقهم**'' (بخاری شریف ۲/ ۴)۔

دوسری قسم کا شرعی حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہیں اور نکاح منعقد ہوجاتا ہے، اور ان شرائط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ ان شرائط کی وجہ سے ان چیزوں کا ابطال لازم آتا ہے جو شریعت نے عقد کی بناء پر واجب کی ہیں اسی وجہ سے جب حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث پیش کی کہ '' میرے شوہر ابوعمرو بن حفص نے مجھے طلاق بائنہ دے دی، جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے عدت میں نہ نفقہ ہے نہ سکنی''، تو حضرت عائشہؓ نے ان کی روایت کو شریعت کے خلاف دیکھ کر فرمایا: '' فاطمہ کو کیا ہوگیا وہ اللہ سے (اس روایت کو بیان کرنے میں) نہیں ڈرتی''، اور حضرت عمرؓ نے تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''**لاندع كتاب ربنا وسنة نبينا بقول امراة نسيت أوشبه لها** '' (مشکوۃ شریف ۲/ ۲۸۸)۔

حدیث میں ہے:

"ماکان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل وإن کان مأة شرط، قضاء الله أحق وشرط الله أوثق" (بخاری شریف ۱/ ۳۷۷)۔

"جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے خواہ ایک سو شرائط کیوں نہ ہوں اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے لائق ہے اور اللہ اور اللہ کی شرط زیادہ معتمد علیہ ہے" حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وہ شرط جو مقتضاء نکاح کے خلاف اور منافی ہو مثلاً یہ شرط کہ عورت کیلئے کوئی باری رات گزاری کی نہیں، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے کسی باندی سے جماع نہیں کرے گا یا نفقہ نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ، تو اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں، بلکہ اگر صلب عقد میں یہ شرط واقع ہو تو شرط لغو اور باطل قرار پائے گی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہو جائے گا (فتح الباری ۹/ ۲۱۸ باب الشروط فی النکاح، شرح مسلم للنووی ۱/ ۴۵۵)۔

علامہ خطابی نے اس قسم کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: **"ومنها مالایوفی به اتفاقاً"** (حاشیہ بخاری ۲/ ۷۷۴)۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی شرط فاسد سے نکاح کے عدم فساد کو ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں:

"النکاح لایفسد بالشرط الفاسد" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۶) نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

تیسری قسم کا شرعی حکم:

اس نوع کا حکم مختلف فیہ ہے، امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۵۴۹) جب کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کا

مسلک یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیں قضاءً لازم الایفاء نہیں، اوران سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ دیانۃً ضروری ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے" وأوفو ابالعهد إن العهد كان مسئو لا " (سورہ:۳۴) تم اپنے عہد کو پورا کرو بلاشبہ تم سے عہد کے بارے میں بروز قیامت سوال ہوگا، اسی طرح "يا أيها الذين آمنوا أوفو ابالعقود" (سورۂ مائدہ:۱) امام ترمذی دونوں مسلکوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

جب کسی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو نکالے یہی امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے، اور علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ عورت کی شرط سے پہلے اللہ کی شرط ہے گویا انہوں نے شوہر کو نکالنے کی اجازت دی، اگر چہ عورت نے نہ نکالنے کی شرط لگادی ہو......یہی سفیان ثوری اور بعض کوفیین کا قول ہے (ترمذی ۱/ ۲۱۴)۔

امام ترمذی نے امام شافعی کا مسلک اگر چہ امام احمد کے مطابق ذکر کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ساتھ ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر امام ترمذی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں: "والنقل فى هذا عن الشافعي غريب " (فتح الباری ۹/ ۲۱۸) امام نووی نے بھی یہی لکھا ہے (شرح مسلم للنووی ۱/ ۴۵۵)۔

"بدائع الصنائع" میں علامہ کاسانی حنفیہ کا مسلک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بلاشبہ بیوی کو طلاق دینے یا شہر سے نہ نکالنے کی شرط شوہر کے لئے قضاء لازم نہیں ہے اس لئے کہ یہ وعدہ ہے جس کا شوہر کو مکلّف نہیں بنایا جاسکتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۵)۔

۲-شرائط تفویض اور اس کے احکام

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے تو اس کی تین صورتیں نکل سکتی ہیں:

۱۔عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اوراس تحریر پرطرفین کی دستخط ہوجائے۔

۲۔بوقت عقد نکاح ان شرائط کا زبانی ذکر کیا جائے،ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

۳۔عقد نکاح کے بعد طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

عقد نکاح سے قبل شرائط تفویض

اجمالا یہ سمجھنا چاہئے کہ تفویض طلاق کی مذکورہ تینوں صورتیں معتبر اور درست ہیں،مگر پہلی اور دوسری صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے ایک شرط ہے جس کو ابھی ہم بیان کریں گے،رہا تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنا تو یہ شوہر کے قبضہ سے خارج ہے،اس کی زبان سے تفویض کے الفاظ نکلنے کے بعد اس کو ختم کرنے کا کوئی حق نہیں۔''بدائع الصنائع'' میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ زوج کی جانب سے لازم ہوجاتا ہے،یہاں تک کہ اس سے رجوع یا عورت کو حق تفویض سے روکنے،اوراس کو فسخ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا''

تفصیل یہ ہے کہ اگر تفویض نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے تو اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو،مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں،اور تفویض نامہ میں ذکر کردہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر جس وقت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے نکاح سے الگ ہوجائے.........اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ تفویض نامہ غیر معتبر ہوگا اوراس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

صاحب''قدوری تعلیق بالشرط'' کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طلاق کی نسبت شرط کی جانب درست نہیں مگر یہ کہ طلاق کو معلق کرنے والا مالک ہو یا ملکیت کی طرف طلاق کو منسوب کرے،اسی وجہ سے اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے کہا اگر تو گھر میں

داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق، پھر اس سے شادی کرلی اور پھر وہ گھر میں دخل ہوئی تو طلاق نہیں ہوگی'' (قدوری/۱۷۴)۔

''عالمگیری'' میں تفویض بالشرط کو معلق کرنے کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دوسری قسم فلاں وقت تک مہر معجّل کو ادا نہ کرنے کی صورت میں تعلیق تفویض: اس قسم کو لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے امر کو مطلقا اس کے اختیار میں دے دے ایک طلاق بائن واقع کرنے کے بارے میں اس شرط کے ساتھ کہ جب مہینہ کے شروع یا آخر کے ایام گزرجائیں اور شوہر پورے مہر معجّل کو ادا نہ کرے، جس کی مقدار اتنی ہے تو عورت اپنے آپ کو ایک طلاق بائن اس مدت کے بعد جب چاہے دیدے گی اور اس طلاق کو اس نے اس کے حوالہ کردیا، اور عورت نے مجلس تفویض میں اس کو قبول کرلیا، تیسری قسم تفویض کو شوہر کے جوا کھیلنے یا شراب پینے یا سخت پٹائی کرنے کی شرط کے ساتھ معلق کرنا، اس تفویض نامہ کو بھی تحریری شکل میں لانے کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے (دوسری قسم میں) بیان کیا (عالمگیری کتاب الشروط ۶/۲۶۱)۔

اور اس پہلی صورت کو لکھوانے اور زبانی کہنے کا حکم برابر ہے، لیکن چونکہ عموما لکھوانے کا معمول ہے اور اس کے بغیر شوہر کے لئے انکار اور ٹال مٹول کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے اس کو قید تحریر میں لے آنا احوط ہے اور اگر اضافت الی النکاح نہ ہو تو اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر تحریر عقد نکاح سے قبل لکھوالی گئی اور دولہا اور گواہان کے دستخط بعد عقد کرائے گئے تو اس صورت میں تفویض نامہ کی تکمیل کے بعد عقد نکاح ہونے کی وجہ سے اضافت کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ تیسری شکل میں داخل ہے۔

بوقت عقد نکاح شرائط تفویض

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، یہ صورت بھی معتبر اور درست ہے، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولا خود عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ ''میں نے اپنے آپ کو

یا مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر آپ نے فلاں، فلاں کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ، یا مسماۃ موصوفہ کے ہاتھ میں ہوگا اور شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جب چاہے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر لوں، اس کے جواب میں مرد ناکح کہے کہ میں نے قبول کر لیا یا شرائط سمیت قبول کر لیا، اس کے بعد جب عورت شوہر کی جانب سے شرط کی خلاف ورزی دیکھے تو ایک طلاق بائن کے ذریعہ جدائی اور فرقت اختیار کر لے۔

اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض کی شرائط بھی ذکر کریں تو شرط باطل اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہو جائیگا اور عورت کے لئے کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا۔

علامہ شامی ''درمختار'' کی عبارت: ''**نكحها على أن أمرها بيدها صح** '' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

مصنف کا قول ''صح ''مقید ہے اس کے ساتھ کہ ابتداء (ایجاب) عورت کی جانب سے ہو، لہذا عورت کہے کہ میں نے اپنی شادی تجھ سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب بھی چاہوں گی میں اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی اور شوہر اس کو قبول کر لے، اور اگر ابتداء (ایجاب) زوج کی جانب سے ہو تو طلاق واقع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا، اور امر اس کے اختیار میں نہ ہوگا (الدر المختار مع رد المحتار ۵۲۶/۲ طبع ماجدیہ پاکستان، نیز دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۳۹۶/۶)۔

عورت اور مرد کے ایجاب میں فرق بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث سمرقندی لکھتے ہیں:

''اس لئے کہ ابتداء جب زوج کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تفویض نکاح سے قبل ہو جائے گی اور یہ درست نہیں اور جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہو رہی ہے، اس لئے کہ جب مرد ناکح نے عورت کے بعد قبلت کہا اور جواب سوال کو

متضمن ہوتا ہی ہے تو یہ ایسا ہوگیا، جیسا کہ شوہر کہہ رہا ہو کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھ کو طلاق کا اختیار ہوگا، یا تیرا امر تیرے اختیار میں ہوگا، چنانچہ یہ تفویض نکاح کے بعد ہو رہی ہے (شامی ۲/ ۴۲۶)۔

شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ وجہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک میں تفویض نکاح سے قبل ہے جو درست نہیں اور ایک میں بعد نکاح ہے جو درست ہے، لہذا اگر شوہر ایجاب کرے اور تفویض کی نسبت مابعد النکاح کی طرف کرے اور عورت قبول کرلے تو بھی تفویض درست ہوگی (ہندیہ ۶/ ۳۹۶)۔

اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو، مگر شرط تفویض کا ذکر نہیں ہوا اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کے اضافہ کے ساتھ قبول کیا تب بھی تفویض درست ہے، لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ بالشرط قبول کرے یا بلاشرط، عورت جبر نہیں کرسکتی، کیونکہ جب عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہوا اور مرد نے اس کو قبول کرلیا تو اب شرائط کا ذکر عورت کے قبضے سے خارج ہوگیا، اب تو مرد کے لئے اختیار ہے کہ مطلق قبول کرے یا مشروط، اس لئے جو عورت احتیاط کی طالب ہو اسے ایجاب کو شرط کے ساتھ مقید کردینا چاہئے تاکہ مرد کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کا موقع نہ رہے، البتہ اگر مرد کے قبول سے پہلے پہلے عورت یا ولی کو شرط کا خیال آ گیا اور ذکر کردیا تو بھی بلاشرط قبول کرنے کا حق نہ رہے گا ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''ہمارے نزدیک فی الفور قبول کرنا شرط نہیں ...... شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو'' (ایضا ۱/ ۲۶۹)۔

عقد نکاح کے بعد شرائط تفویض

اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد تفویض نامہ تحریر کیا جائے، یا زبانی شوہر کے طلاق کو عورت کے سپرد کردیا جائے یہ درست ہے اور عورت کو اختیار ہوگا طلاق واقع کرنے کا۔

پھر تفویض اگر مطلق ہو اور وقت کو ذکر نہ کیا گیا تو یہ تفویض مجلس علم تک محدود رہے گی، اگر

وہ اپنے کو اس مجلس میں طلاق دے تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ورنہ حق تفویض ختم ہوجائے گا۔ ''بدائع الصنائع''میں ہے:

''فإن كان مطلقا بأن قال: أمرک بيدک فشرط بقاء حكمه بقاء المجلس وهو مجلس علمها بالتفويض فمادامت فی مجلسها فالأمر بيدها''

(بدائع الصنائع ۳/ ۱۱۳)۔

اور اگر تفویض مؤقت ہولیکن وہ وقت عام ہو، ایام، اشہر اور سنن کے ساتھ تحدید نہ ہوتو عورت کا خیار مجلس تک مقید نہ ہوگا بلکہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے۔ علامہ کاسانی نے بہت ہی عمدہ انداز میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: حوالہ سابق ۳/ ۱۱۵)۔

یہ تیسری صورت شوہر کی رضامندی پر موقوف ہے اس پر شوہر کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ عقد نکاح کے بعد شرط کو منوانا بیوی کے اختیار سے باہر کی بات ہوجاتی ہے، اس لئے جو عورت مستقبل میں شوہر کے مصائب وآلام اور ضرب موجع سے خلاصی چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ تفویض نامہ، اقرارنامہ، شرائط نامہ نکاح سے پہلے یا عقد کے وقت لکھوالے۔

تفویض نامہ میں مزید احتیاطی قیود

چونکہ عورتیں ناقص العقل ناقص الدین ہوتی ہیں۔ اس لئے طلاق کو مطلقاً ان کے ہاتھوں میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تفویض نامہ میں مناسب قیود احتیاطاً لگادی جائیں جو مفید ہوں اور بیجا تصرف کا سدباب کریں، مثلاً عورت یا متولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ جس وقت اس کو تم سے تکلیف پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو تین افراد تسلیم کرلیں اور وہ دونوں یا تینوں طلاق کو مناسب بھی کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جدائیگی اختیار کرلوں، یا مرد مہر معاف کرنے کی شرط لگالے اور عورت یوں کہے کہ مہر معاف کرکے اپنے آپ کو اختیار کرلوں گی، ''بحر الرائق'' میں

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: اگر کسی نے بیوی سے کہا تینوں طلاقوں کا مسئلہ تیرے ہاتھ میں ہے اگر تو اپنے مہر سے بری کردے...... اگر پہلے عورت بری کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر مہر سے بری نہیں کیا تو نہیں پڑے گی اس لئے کہ توکیل ابراء کی شرط کے ساتھ مشروط ہے (البحر الرائق ۳/۳۱۹)۔

۳-خواتین کی ملازمت کی شرعی حیثیت اور عقد نکاح میں اس کی شرط

خواتین کا کوئی ایسا کام کرنا جس کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑے یا اس میں بے پردگی ہوتی ہو، اسلام کی پاکیزہ روح اور مقدس مزاج کے بالکل متصادم ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دے سکتی ہے اور ملازمت میں بغیر ضرورت شرعیہ کے گھر سے باہر ہونا پڑتا ہے، اور بے پردگی کا یقین نہیں تو ظن غالب ضرور ہے اور دونوں کا حکم یکساں ہے، اور قرآن کریم نے بغیر شرعی مجبوری کے نکلنے کو زمانہ جاہلیت کا شیوہ قرار دیا ہے۔

''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ....وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (سورہ احزاب: ۳۴-۳۴)۔

(اور تم عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ قدیم کی جاہلیت کی طرح نہ پھرو......اور اپنے گھروں میں آیات اور حکمت سے نصیحت حاصل کرو)'' حدیث شریف میں ہے:

ولیس لنساء نصیب فی الخروج الا مضطر ہ'' (الطبرانی کذا فی الکنز ۸/ ۲۶۳)۔

(عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ اضطراری صورت خروج کی پیش آجائے)۔

لہذا ان نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے خواتین کا بوقت عقد اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب عہدہ یا ملازمت ملے تو شوہر پابندی یا رکاوٹ نہیں ڈالے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کرلیتا ہے تو بھی یہ شرطیں لازم العمل نہیں اور رہی نہیں، بلکہ اس جیسی سو شرطیں بھی لگالیں تو بھی پابندی

ضروری نہیں، ''بخاری شریف'' میں ایک حدیث ہے:

''ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وإن کان مائة شرط''

(جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہیں اگرچہ سو شرطیں کیوں نہ لگالی جائیں)۔

نیز ملازمت کی شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی اگر شوہر سلسلہ ملازمت سے عورت کو روکے اور ملازمت ختم کرنے کا حکم دے تو عورت کو شوہر کے حکم کی تعمیل ظاہر نصوص کی بناء پر واجب ہوگی، اس لئے کہ جب شریعت نے نفقہ کسوہ اور سکنی کی ذمہ داری سے عورتوں کے کندھے کو ہلکا کر دیا اور گھر سے باہر کے کام کی ذمہ داری، نیز عورتوں کے حوائج اور ضروریات کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ عورت تعمیل حکم میں پس وپیش کرے اور چوں وچرا کے ذریعہ گریز کی راہ اختیار کرے، حدیث شریف میں اسی لطیف امر کی طرف اشارہ ہے:

''ان المراۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان'' (مشکوۃ عن مسلم ۲/ ۲۶۸)۔

(واقعتاً عورت شیطان کی صورت میں آتی جاتی رہتی ہے)۔

دوسری جگہ ہے:

''المراۃ عورۃ فإذا خرجت استشرفھا الشیطان'' (مشکوۃ عن الترمذی ۲/ ۲۶۹)۔

(عورت پوشیدہ رہنے کی چیز ہے جب نکلتی ہے تو شیطان تاک لیتا ہے)۔

نکاح میں صحیح وفاسد شرائط کی نوعیت

مولانا شاہد قاسمی

عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں:

۱- وہ شرائط جو بذات خود صحیح اور مقتضائے عقد کے مطابق ہیں۔

۲- وہ شرائط جو خود صحیح ہیں، لیکن مقتضائے عقد کے خلاف ہیں، البتہ ذکر سے لازم ہوجاتی ہیں۔

۳- وہ شرائط جو فاسد ہیں، لیکن ان کے ذکر سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شرط فاسد ہوجاتی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں صاحب "**قانون الأحوال الشخصية**" ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب وہ ایسی شرط سے مقترن ہو جو اصل عقد کے منافی نہیں لیکن مقتضاء عقد کے منافی ہو، یا شرعا حرام ہو، تو شرط باطل ہے اور عقد صحیح ہے، وہ ایسی شرط سے مقترن ہو جو نہ تو اصل عقد کے منافی ہو اور نہ مقتضائے عقد کے، اور نہ ہی شرعا شرط صحیح اور لازم الایفاء ہے، لہذا عدم وفاء کی صورت میں مشروط لہ کو فسخ کا حق ہوگا (قانون الأحوال الشخصیہ ر ۱۴)۔

علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد نکاح کے ساتھ عائد ہونے والی شرطیں دو نوعیت کی ہیں: (۱) شرط صحیح (۲) شرط غیر صحیح، البتہ ان شرطوں کے مؤثر ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے

نیز شرط صحیح کی توضیح میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک شرط صحیح کی دوقسمیں ہیں: (۱) صحیح غیر مکروہ (۲) صحیح مکروہ، شرط صحیح غیر مکروہ، یعنی عقد نکاح کے سبب وہ چیز لازم ہو اور اس کا اثر ہو، مثلاً مرد بیوی پر اطاعت وفرمانبرداری کی شرط لگائے، یا گھر سے باہر بلا اجازت نہ جانے کی، یا شوہر پر نان ونفقہ وغیرہ یہ ایسی شرائط ہیں جو عقد کے سبب واجب ہیں، گرچہ شرط نہ لگائی جائے۔

شرط صحیح مکروہ: ایسی شرط جو مشروط کے خلاف ہو اور محض شوہر پر تنگی کرنا مقصد ہو، مثلاً بیوی کی یہ شرط کہ شوہر میری موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے، یا مجھے سفر میں نہ لے جائے، یا مجھے دوسری جگہ منتقل نہ کرے وغیرہ، تو ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں، بلکہ مستحب ہیں اور عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے (احکام الشرعیۃ لاحوال الشخصیہ ۱۰۹/۲)۔

امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تقاضہ کرے، یا جس کا عقد متقاضی تو نہ ہو، لیکن زوجین میں سے کسی کا فائدہ ہو اور شارع علیہ السلام کی طرف سے نہی نہ ہوتا کہ مقاصد عقد میں خلل ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان ونفقہ شوہر پر لازم ہوگا، یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا وغیرہ، یہ شرائط صحیح اور لازم الایفاء ہیں، خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد پر رضا موقوف ہے شرط کے تحقق پر، یہاں شرط کا تحقق ہوا نہیں، لہذا رضا نہیں پائی گئی اور جب رضا نہیں پائی گئی تو نکاح منعقد نہیں ہوا، اور حنفیہ کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تقاضا کرے، یعنی عقد نکاح کے ذریعہ ثابت ہونے والے احکام میں سے کسی حکم کو واجب کرے (بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری کی شرط) یا عقد کے تقاضہ کو مؤکد کرے (بیوی کا ولی یہ شرط لگائے کہ مہر اور نفقہ کا کفیل شوہر کا والد ہوگا) یا شریعت نے جس کا اختیار دیا ہو (تفویض طلاق)، یا جو عرف کی رو سے ثابت ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرطیں لازم الایفاء ہیں، لیکن فریقین میں سے جس نے اس شرط کا التزام کیا ہو، اگر اسے پوری نہ کرے تو مشروط لہ کو فسخ کا حق نہ ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک صحت عقد کے لئے

محض ایجاب وقبول کا پایا جانا کافی ہے، اس کے بعد عقد نکاح مؤکد ہوجائے گا، فریقین کی رضامندی ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ مکروہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے، حالانکہ رضامندی نہیں ہے لقولہ علیہ السلام: "ثلاث هزلهن هزل وجدهن جد"۔

اس ضمن میں عبدالرحمان جزیری اسی کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں لکھتے ہیں:

قاعدہ اس میں یہ ہے کہ شرط علی الاطلاق مؤثر نہ ہوگی، پھر اگر وہ مقتضائے عقد میں سے ہے تو طبعاً نافذ ہوگی، ورنہ شرط باطل اور عقد صحیح ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۳/۷۵)۔

مذکورہ تصریحات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہور فقہاء عظام ایسی شرطوں کی صحت پر متفق ہیں جو مقتضاء عقد کے مطابق ہیں، جس طرح کہ اس شرط فاسد پر اتفاق ہے جو رشتہ ازدواج کے مقصود کے خلاف یا احکام شرعیہ کے مخالف ہے۔

۲-شرط فاسد: اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

جمہور فقہاء کے نزدیک شرط فاسد وہ ہے جو مذکورہ صورتوں میں سے نہ ہو (جن کا شرط صحیح کے تحت بیان ہوا لیکن فریقین میں سے کسی ایک کی مصلحت ومنفعت ہو تو ایسی شرط لغو اور باطل ہے، صحت عقد میں مؤثر نہیں (الدر المختار علی رد المحتار ۲/۴۰۵، الانصار ۸/۱۵۹)، البتہ اگر عقد کو کسی شرط پر معلق کرے، مثلاً یہ کہ اگر تیرا باپ راضی ہو تو میں نے تجھ سے نکاح کر دیا تو نکاح صحیح نہیں ہوا، اس لئے کہ نکاح تعلیق کو قبول نہیں کرتا۔

امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک شرط فاسد ایسی شرط ہے جس کے بارے میں شارع کی ممانعت ہو، یا مقتضاء عقد کو توڑنے والی ہو، جس کے لئے شارع کی نص موجود ہے، مثلاً بیوی عقد کے وقت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے وغیرہ، ایسی شرط صحیح نہیں ہے۔

لقوله عليه السلام: "فيما رواه أبو هريرة إذا قال: لاتسئل المراة طلاق اختها لتكفى ما فى إنائها" (بخاری ۲/۷۷۴)۔

حاصل کلام

ایسی شرط مختلف فیہ ہے، جس کے لئے کوئی دلیل خاص نہ ہو، لہذا اگر دلیل خاص ہو تو شرط صحیح ہوگی یا باطل؟ امام احمدؒ ایسی شرط کی صحت کے قائل ہیں اور جمہور فقہاء لغو قرار دے کر ایسی شرط کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں (الاحوال الشخصیہ / ۱۵۹، الجامع الاختیارات الفقہیہ ۲/ ۶۲۸)۔

ضروری تفصیلات کے بعد اب مقالہ میں ذکر کردہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

(الف) سابقہ تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

(شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا) بیوی کا نان ونفقہ جو کہ واجب مستقل ہے ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا وجوب شیئاً فشیئاً ہے، لہذا کسی عورت نے نفقہ معاف کردیا، یا معافی کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو اسے شرعاً مطالبہ کا حق ہے (فتح القدیر ۲/ ۶۹۴)۔

نیز اسی طرح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ شرط خود نکاح کے نتیجہ میں واجب ولازم ہے۔

(۳) ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔

تفویض طلاق

اس کی تین صورتیں ہیں:

۱- عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں۔

۲- عین وقت عقد زبان سے کہلوایا جائے۔

۳- بعد میں لکھوایا جائے۔

(۱) تفویض طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو تو اس میں نکاح کی طرف نسبت واضافت کرنا شرط ہے، مثلاً یوں کہے: میرا نکاح فلاں بنت فلاں سے ہونے کے بعد اگر میں فلاں فلاں شرط کی مخالفت کروں تو اس کو طلاق بائن کا حق ہوگا، ایسی صورت میں بیوی کا خیار طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس تک خاص رہے گا، اس مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کر لی تو ہوجائے گی، بعد مجلس کے خیار باطل ہوجائے گا اور اگر شوہر نے یہ کہا کہ خلاف ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کرلے تو مجلس علم کے بعد بھی خیار حاصل رہے گا، اگر تفویض کی مذکورہ صورت میں نکاح کی طرف اضافت نہ کی تو یہ اقرار نامہ لغو ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا خیار حاصل نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے پیشتر لکھی گئی ہو، مگر شوہر اور گواہان نے اس پر نکاح کے بعد دستخط کیا ہو تو یہ تفویض درست ہے، اضافت الی النکاح ضروری نہیں (الفتاوی الہندیہ ۲/۷ ۵۳، وکذا فی الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۴۱۹)۔

(۲) عین ایجاب وقبول ہی میں تفویض طلاق کی شرط لگائی جاوے، اس کے معتبر ہونے کی دوسری شرطیں ہیں:

(الف) ایجاب مع الشرط من جانب عورت ہو، یعنی عورت یا اس کا ولی جتنی شرطیں لگائیں، سب کا تذکرہ کریں، پس اگر ایجاب من جانب مرد ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط بھی لگائے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط بالکل بیکار ہوجائے گی (درمختار ۲/ ۶۹۶)۔

فقیہ ابواللیثؒ دونوں صورتوں میں فرق کی وضاحت یوں بیان کرتے ہیں:

''جب ابتداء من جانب شوہر ہو تو طلاق اور تفویض نکاح سے قبل ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، اور اگر عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد سمجھا جائے گا، اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا ہے، گویا اس نے یہ کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھے طلاق ہے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوئی'' (ردالمحتار ۲/ ۶۹۹)۔

(ب) ایجاب مع الشرط زبانی ہو، صرف تحریری کافی نہیں، بلکہ تمام شرائط لکھنے کے بعد تفصیلاً بوقت ایجاب زبان سے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں۔

تفویض طلاق سے رجوع

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

"ولیس للزوج أن یرجع فی ذالک ولاینهی عن عمل جعل إلیها ولایفسخ کذا فی الجوهرة" (۳/ ۲۶۳، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۷، البدائع الصنائع ۲/ ۱۸)۔

(تفویض طلاق کے بعد شوہر نے جس چیز کا مالک بنادیا ہے اس سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ ہی فسخ کا حق ہے)۔

گویا یہ ایسا ہی ہوگیا کہ ایک شخص نے کسی کے لئے ایک چیز کا اقرار کیا اور مقرلہ نے اسے قبول کرلیا، تو مقر پر وہ چیز واجب ہوگئی، اب اسے رد کا اختیار نہ ہوگا، اس لئے مرد کے حق میں مفید یہ ہے کہ معافی مہر کی شرط لگادے۔

طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے، ہمارے نزدیک بے جا طلاق کے واقعات کے سدباب کے لئے ایک تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ مہر اس طرح طے ہو کہ اگر بلاوجہ طلاق نہ دیا تو چھ ہزار اور اگر ایک طلاق دیا تو ہزار اور اگر تین طلاق دیا تو اٹھارہ ہزار ہوں گے۔

۲- مذکورہ صورت میں چونکہ شرط پوری کرنے میں دوسرے کا ضرر ہے اور قاعدہ ہے کہ "**الضرر یزال**" لہذا دونوں شرطیں غیر معتبر اور ناجائز ہوں گی اور اگر عورت کا مہر مثل مہر مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل کی حقدار ہے، البتہ اگر اس کی وجہ سے بیوی کے مہر میں کچھ وضع کرلیا ہے، پھر دوسری شادی کرلی تو وہ اپنا پورا مہر لینے کی شرعا مجاز ہے۔ **لقوله علیه السلام: "المؤمنون عند شروطهم"**۔

اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگادی جائے کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کا کچھ مہر کم کردیا جائے گا، پھر دوسری سے نکاح کرلے تو شوہر پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، ابن قاسم کی روایت کے مطابق، اس لئے کہ یہ شرط مالا یجوز کے قبیل سے ہے، جس طرح اہل بریرہ نے یہ شرط لگائی کہ حضرت عائشہؓ اسے آزاد کردیں گی، اور ولاء بائع کو ہوگا، تو نبی ﷺ نے تصویب فرمائی اور شرط کو باطل فرمایا، اسی طرح یہاں بھی اس سے کچھ مہر کا کم کرلینا صحیح ہے اور زیجہ (وہ ہیئت جس پر عقد ہوتی ہے) باطل ہے، علامہ مرغینانیؒ وغیرہ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے (ہدایہ ۳۲۹/۶)۔

۳-عورت کی ملازمت

"**الرجال قوامون على النساء**" (النساء/۳۴)۔

قوام اور قیم، عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کام یا نظام کا ذمہ داریاں چلانے والا ہو، آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی کہ اگر چہ عورت کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم وواجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق مماثل ہیں، لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہے، پس شوہر کی حکم برداری واجب ہے، الا یہ کہ وہ معصیت کا حکم کرے، نیز بیوی کے مقاصد میں سے ہے کہ وہ گھر میں رہے تاکہ فارغ البال ہوکر اولاد کی پرورش و پرداخت، ان کے ساتھ مہربانی اور خاندان والوں کے لئے سامان تیار کرسکے اور شوہر جب بلائے فوراً حاضر ہوسکے، چنانچہ انکار کی صورت میں فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

"**أيما امرأة دعاها زوجها إلى فراشه فأبت عليه لعنتها الملائكة حتى تصبح**" (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۲۵/۲)۔

باہر نکلنے کی صورت میں یقیناً دیر حاضری اور غیر حاضری ہوگی، جس سے شکوک وشبہات کے دروازے وسیع ہوتے چلے جائیں گے اور میاں بیوی کے تعلقات خراب اور زندگی اجیرن ہوسکتی ہے، اسی طرح زیب وزینت کا اسے شوق ہوگا جو صرف شوہر کے واسطے اختیار کرنے کی

اجازت ہے، نیز جن ستروں کا چھپانا شرعاً واجب ہے ان کا کشف ہوگا، مثلاً بال، گردن، پنڈلی وغیرہ جو کہ باعث فتنہ ہے۔

''إن المراة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان وأقرب ما تكون من رحمة ربها وهى فى قعر بيتها ''۔

قرآن میں عورتوں کی صفت '' **حور مقصورات فی الخیام** '' بیان کی گئی ہے، اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ گھروں ہی میں رہیں (ملازمت نہ کریں) یہی وجہ ہے کہ کچھ عورتوں نے حضور ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تا کہ مرد کی طرح وہ بھی ثواب وفضیلت حاصل کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' **من قعدت من كن فى بيتها تدرك عمل المجاهدين فى سبيل الله** '' (تم میں کی جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی وہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پائے گی) (جب کہ اس وقت افواج اسلام کی قلت تھی) پتہ چلا کہ عورت اپنی خلقت وفطرت کے اعتبار سے نہ اس کی متحمل ہے کہ اپنے مصارف خود کما کر پیدا کرے اور نہ اس کے لئے حالات ساز گار ہیں کہ وہ محنت مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں میں اور بازاروں میں پھرا کرے، اس لئے حق تعالی نے اس کی پوری ذمہ داری مردوں پر ڈالی۔

لہٰذا اگر چہ شوہر نے بیوی کی ملازمت کی شرط منظور کر لی ہے پھر بھی اسے ملازمت ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے، اور نئی ملازمت سے بھی روک سکتا ہے اور عورت پر اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو جائز نہیں ہے اور خصوصاً اس وقت، جبکہ چہار جانب اور بے حیائی عام ہے اور عورت کی ملازمت اور بے جا حقوق کی بات کی جا رہی ہے تو بدرجہ اولی ملازمت کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

نکاح کو پائیدار بنانے والے شرائط

مولانا بدر احمد مجیبی ☆

نکاح کے وقت کوئی ایک فریق اپنی سہولت وآسانی کے خیال سے کچھ شرطیں پیش کرے اور دوسرا فریق اسے قبول کرلے یا یہ شرطیں فریقین کی طرف سے متفقہ طور سے پیش کی جائیں، تو جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے یہ شرطیں تین طرح کی ہوسکتی ہیں:

پہلی قسم: ان شرطوں کی ہے جن میں عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور فرائض میں سے کسی کا ذکر ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

دوسری قسم: ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تیسری قسم: ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو رہا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسری فریق پر ایسی ذمہ داری عائد ہو رہی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا یہ شرط کہ بیوی کو اس شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ ان شرطوں کی کیا حیثیت ہوگی،

☆ استاذ المعہد العالی، پھلواری شریف، پٹنہ

اور یہ لازم العمل ہوں گی یا نہیں؟

جہاں تک پہلی شرط قسم کا تعلق ہے کہ عقد نکاح سے عائد کسی ذمہ داری کو ہی شرط کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہو تو اس کا حکم واضح ہے کہ جس ذمہ داری کو مشروط کیا گیا ہے، وہ بغیر شرط لگائے بھی لازم رہتی ہے اور شرط لگانے کے بعد بھی لازم رہے گی، اس سلسلہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج" (متفق علیہ)۔

(شرطوں میں پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے فرج کو حلال کیا ہے)۔

اگر ایسی صورت ہو کہ نکاح سے عائد ہونے والا کوئی فریضہ ہی مشروط ہو، لیکن اس میں معمول سے بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ پورا اضافہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ عام طور سے جو ذمہ داری لازم ہوتی ہے وہی لازم ہوگی، مثلاً کسی شخص کی شادی اس شرط پر ہوئی کہ وہ ہر مہینے نفقہ میں ایک سو دینار (سونے کے سکے) دے گا تو نکاح درست ہے اور یہ زیادتی اس پر لازم نہیں ہوگی، معروف نفقہ ہی اس پر لازم ہوگا (قاضی خاں ۱/ ۳۳۱)۔

اور اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ بیوی کو مہر نہیں ملے گا، یہ شرط بھی باطل ہو جائے گی، نکاح درست ہے اور مہر مثل لازم ہوگا (رد المحتار ۲/ ۳۲)۔

شرائط کی تیسری قسم کہ نہ تو اس میں عقد نکاح سے عائد ذمہ داری مشروط ہے اور نہ کسی لازم ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہے، بلکہ اس شرط کی وجہ سے فریقین میں سے کسی ایک پر کوئی دوسری ذمہ داری عائد ہو رہی ہے جو اس شرط کے بغیر عائد نہیں ہوتی، تو ایسا نکاح بھی درست ہے اور یہ شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں، شوہر اگر پورا کر دیتا ہے تو بہت بہتر ورنہ قانونی اعتبار سے ان کی پابندی شوہر پر لازم نہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۵)۔

البتہ ایفاء عہد کے حکم کے پیش نظر ایسے وعدوں کی تکمیل دیانتاً شوہر کے ذمہ ہے۔

چونکہ یہ شرطیں دین مہر کے ساتھ لگائی جاتی ہیں، اس لئے ان کا اثر دین مہر پر بھی پڑتا ہے، اور مختلف شکلوں میں مختلف حکم لگتا ہے، متعدد صورتوں میں متعین مہر لازم ہوتا ہے، اور بعض شکلوں میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔

(۱) اگر شوہر نے اس شرط کو پورا کردیا تو متعین مہر لازم ہوگا، مثلاً اس شرط پر نکاح ہوا کہ بیوی کو شوہر اسی شہر میں رکھے گا، باہر نہیں لے جائے گا تو شرط پوری ہونے پر متعین مہر لازم ہوگا (البحر الرائق ۳/ ۱۶۰)۔

(۲) اگر شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو دیکھا جائے گا کہ اس کا دین مہر اس کے مہر مثل کے برابر ہے یا زیادہ یا کم ہے اگر برابر یا زیادہ ہے مثلاً عورت کا دین مہ ایک ہزار ہے اور مہر مثل بھی ایک ہزار ہے یا پانچ سو ہے ایسی صورت میں شرط پوری نہ ہونے پر دین مہر لازم ہوگا (ہندیہ ۳/ ۱۶۰)۔

(۳) اگر دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہے مثلاً مہر ڈیڑھ ہزار ہے اور دین مہر ایک ہزار ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط پوری ہونے سے خود بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کو نفع ہوتا ہے یا اس کا فائدہ کسی اجنبی کو مل رہا ہے، یا بیوی کو اس سے نقصان ہورہا ہے، اگر اس شرط سے بیوی کو نقصان ہورہا ہے یا کسی اجنبی کو فائدہ ہورہا ہے تو ایسی صورت میں بھی شرط پوری نہ کرنے پر شوہر کو صرف دین مہر ہی لازم ہوگا (ردالمحتار ۳/ ۷۵۲)۔

(۴) اگر اس شرط سے بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار کا ہی نفع مقصود ہے، تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط سے جو نفع حاصل ہورہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے دین مہر کے ساتھ شراب یا خنزیر کی بھی شرط لگائی ہے تو ایسی صورت میں شرط پوری نہ کرنے پر متعین مہر ہی لازم ہوگا (البحر الرائق ۳/ ۱۶۰)۔

(۵) اور اگر مشروط چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو ایسی صورت میں دین مہر کی جگہ مہر مثل لازم ہوگا، حاصل یہ ہے کہ مہر مثل کے لزوم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں:

(۱) دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہو۔

(۲) اس شرط میں بیوی یا اس کے ذی رحم محرم کا نفع مقصود ہو۔

(۳) مشروط شئی مباح الانتفاع ہو۔

(۴) شوہر نے شرط پوری کی ہو، مثلاً کسی نے یہ شرط رکھی کہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا یہ شرط رکھی کہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا شرط لگائی کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدے گا، یا یہ کہ بیوی کو عزت سے رکھے گا، اور اس سے سخت مشقت والا کام نہیں لے گا، یا یہ کہ بیوی کو ہدایا پیش کرے گا، وغیرہ اوران تمام صورتوں میں دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہے تو اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو دین مہر لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل لازم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت پیش کردہ تیسری قسم کی شرائط بھی لازم الایفاء نہیں ہیں، وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں، شوہر پوری کردیتا ہے تو بہت بہتر ہے، لیکن اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑتا ہے جس کی تفصیل بیان کی گئی۔

عقد نکاح کے وقت عورت کی جانب سے یہ شرط رکھی جائے کہ جب بھی چاہے اس سے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا یا فلاں فلاں صورتوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کرلیتا ہے، تو یہ تفویض کا مسئلہ ہے، اس کی متعدد صورتیں ہیں اور حکم بھی مختلف ہے۔

(۱) اگر ایجاب شوہر کی جانب سے ہو اور اس نے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تم کو طلاق کا اختیار ہوگا، جب بھی تم چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہو، اور عورت نے قبول کرلیا، تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا، لیکن عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ملے گا (فصول عمادی ۱/ ۵۲۲، بزازیہ ۱/ ۱۲۸)۔

(۲) اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہو اور اس نے کہا میں نے خود کو تمہاری زوجیت میں اس شرط پر دیا کہ مجھے طلاق کا اختیار حاصل ہوگا کہ جب بھی چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں اور شوہر نے قبول کیا تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا، اور عورت کو طلاق کا

اختیار حاصل ہوگا، وہ جب چاہے خود پر طلاق واقع کرسکتی ہے (بزازیہ ۱/ ۱۲۸)۔

ان دونوں صورتوں میں دو مختلف حکم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تفویض طلاق کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک ہو، یا سبب ملک کی طرف اضافت ہو، یعنی تفویض طلاق نکاح کی حالت میں ہو، یا نکاح کی طرف مضاف ہوکر ہو، تب درست نہ ہوگی، مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبی عورت سے ''أمرک بیدک'' کہا تو یہ لغو ہوگا، کیونکہ وہ اس کے نکاح میں نہیں ہے، بیوی سے کہے گا تو درست ہوگا، اور اس کو طلاق کا اختیار اس مجلس میں مل جائے گا، اجنبی عورت سے شرط نکاح کے ساتھ کہا: '' إن تزوجتک فأمرک بیدک تطلقین متی شئت ''تو یہ درست ہوگا، اور اگر اس عورت سے وہ شادی کرلیتا ہے تو عورت کو طلاق کا اختیار مل جائے گا۔

درج ذیل دونوں صورتوں کو سامنے رکھیں، تفویض طلاق کا اختیار شوہر کو ہے، پہلی صورت میں ایجاب شوہر کی جانب سے ہوا اور اس نے تفویض طلاق کی اور یہ تفویض، نکاح کی تکمیل سے پہلے ہوئی ہے، کیونکہ بیوی نے اس وقت قبول نہیں کیا تھا، بعد میں قبول کیا ہے، تو یہ تفویض نکاح کی حالت میں نہیں ہوئی اور نہ نکاح کی طرف اضافت کے ساتھ ہوئی ہے، اس لئے یہ لغو ہوگئی اور نکاح منعقد ہوگیا۔

دوسری صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب ہوا اور اس نے یہ شرط پیش کی، شوہر نے قبول کرلیا، قبول کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بھی اس شرط کو مان کر تفویض طلاق کردی، قبول کے ساتھ ہی نکاح مکمل ہوجاتا ہے، اس لئے تفویض طلاق نکاح کے ساتھ ہوئی اس لئے درست ہے (قاضی خاں/ ۳۲۹۱، فصول عمادی ۱/ ۵۲۲)۔

(۴) اگر ایجاب میں شوہر شرط نکاح کے ساتھ اس طرح تفویض کرے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تمہیں نکاح کے بعد طلاق کا اختیار ہے، جب چاہو تم خود پر طلاق واقع کرسکتی ہو، اور عورت نے قبول کیا تو تفویض درست ہوگی اور عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا (بزازیہ/ ۱۲۸)۔

عقد نکاح میں شرط لگانے کے جو تین طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں سے پہلا طریقہ کہ عقد نکاح سے پہلے ہی شرائط طے ہو جائیں، اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں، یہ ضروری نہیں ہے، مگر بہتر و مناسب ہے، البتہ تفویض طلاق کی اس صورت میں کہ شوہر نکاح سے پہلے تحریر کر دے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اور اس کے بعد ایجاب وقبول ہو جس میں شرط ذکر نہ کی جائے، تب بھی تفویض ہو جائے گی۔

اور دوسرا طریقہ کہ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو، اصل یہی ضروری ہے، ایجاب وقبول میں ہی ان شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

اور تیسرا طریقہ کہ عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے، اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، البتہ نکاح کے وقت تفویض نہیں ہوئی، لیکن شوہر نکاح کے بعد تحریری طور پر بیوی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیتا ہے تو یہ تفویض درست ہو جائے گی۔

نکاح کے وقت جب شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دے دیا کہ وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے تو اب معاملہ شوہر کے ہاتھ سے نکل گیا، وہ اس تفویض کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی رہا، تا حیات بیوی کو اس کا اختیار رہے گا (البحر الرائق ۳؍۳۲۷)۔

شریعت اسلامیہ نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے طلاق کی ملکیت مرد کو دی ہے، عورت کو نہیں دی ہے، اس کی خاص وجوہات ہیں، یہاں ان کی تفصیل غیر ضروری ہے، اب اگر مرد کے ساتھ عورت کو بھی اس کا اختیار مل جائے اور نکاح کے وقت ہی تفویض کے مسئلہ کو عام کر دیا جائے تو طلاق کے واقعات کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جائیں گے، ذرا ذرا سی باتوں پر بغیر سمجھے بوجھے عورتیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے لگیں گی، اس طرح یہ مسئلہ بہت ہی سنگین ہو جائے گا، جس کا کوئی حل نہیں ملے گا، اس لئے نکاح کے وقت تفویض طلاق کے مسئلہ کو عام کرنا، معاشرہ کے لئے انتہائی مضر ہوگا۔

بعض ایسے مسائل ضرور پیش آتے ہیں کہ شوہر کی طرف سے شدید ظلم وستم پایا جاتا ہے

اور ستم رسیدہ بیوی کو گلوخلاصی بھی نہیں ملتی، وہ پریشان حال زندہ درگور رہتی ہے، ایسی صورت حال کی اصلاح کے لئے نکاح کے وقت بہت احتیاط کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگائی جاسکتی ہے، مثلاً یہ کہ فلاں فلاں شدید حالتوں میں بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اس کے لئے فقہ کی اس عبارت سے رہنمائی مل سکتی ہے (بزازیہ ۱؍۲۳۴)۔

خلاصہ یہ کہ نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط کو عام نہ کیا جائے، بلکہ شدید حالتوں میں منحصر کیا جائے، تاکہ اس کا بے جا استعمال شروع نہ ہوجائے۔

یہ سوال کہ طلاق کے بے جا استعمال کی روک تھام کے لئے نکاح کے وقت دو مختلف مہر متعین کئے جائیں، مثلاً یہ کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار اور طلاق دے دی تو مہر بیس ہزار ہوا تاکہ اس خطیر رقم سے بچنے کے لئے شوہر بلاضرورت طلاق کا اقدام نہ کرے، او راس سے طلاق کے واقعات میں کمی واقع ہو، اس کے لئے ہمیں رہنمائی کتب فقہ میں مذکور اس جزئیہ سے ملتی ہے کہ نکاح میں ایک تقدیر پر ایک مہر اور دوسری تقدیر پر دوسرا مہر متعین کیا جائے، اس طرح کہ شوہر نے بیوی کو اسی شہر میں رکھا، باہر نہیں لے گیا، تو مہر ایک ہزار اور اگر نہیں ہے تو مہر دو ہزار وغیرہ، اس طرح مہر کی تعیین درست ہے، حضرت امام ابوحنفیہ کے نزدیک پہلی صورت پائی جائے، یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گیا، یا اس کی کوئی دوسری بیوی پہلے سے موجود تھی تو مہر مثل لازم ہوگا، جو دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہ ہو، اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر لازم ہوں گے، جہاں ایک ہزار متعین ہوا ہے وہاں ایک ہزار اور جہاں دو ہزار متعین ہوا ہے وہاں دو ہزار (فتح القدیر ۳؍۲۳۲)۔

فقہ کی تمام کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے، اس کو پیش نظر رکھنے سے اس مسئلہ کا حکم بھی نکل آتا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح میں مہر کی تعیین اس طرح کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دیدی تو بیس ہزار، اس طرح مہر طے کرانا درست وصحیح ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عدم طلاق کی صورت میں دس ہزار متعین مہر لازم ہوگا، اور طلاق

دینے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جو دس ہزار سے کم اور بیس ہزار سے زائد نہ ہوگا، حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر ہی لازم ہوں گے، عدم طلاق کی صورت میں دس ہزار اور طلاق میں بیس ہزار۔

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے، اصحاب متون نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن اگر ضرورت متقاضی ہے اور حاجت داعی ہے تو صاحبین کو قول کے فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ نکاح کرتے وقت اس طرح مہر متعین کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا اور اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا اس کا بھی وہی حکم ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اگر اس منکوحہ کی موجودگی میں اس نے دوسری عورت سے شادی نہیں کی تو پندرہ ہزار متعین مہر لازم ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے شادی کر لی تو مہر مثل لازم ہوگا جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں، پہلی صورت میں پندرہ ہزار اور دوسری صورت میں تیس ہزار لازم ہوں گے۔

عقد نکاح میں پیشہ یا ملازمت کی خواہش میں عورت کی طرف سے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جس ملازمت سے وابستہ ہے شوہر شادی کے بعد اسے اس سے منع نہیں کرے گا، یا کوئی مناسب ملازمت ملنے پر شوہر اس کی اجازت دے گا اس سے نہیں روکے گا، اور شوہر نکاح میں اس کو قبول کرتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں، شوہر انہیں پورا کر دیتا ہے تو بہت بہتر ہے، ورنہ قانونا اس کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا، شوہر اگر بیوی کو اس شرط کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو بیوی کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی، کیونکہ بیوی کو ملازمت سے روکنے کا شوہر کو اختیار ہے، اور شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے حکم کی بجا آوری جائز کاموں میں بیوی پر واجب ہے (رد المحتار علی الدر مختار ۲/ ۴۳۶)۔

البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑے گا، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

عقد نکاح کو پائیدار اور مستحکم کرنے کے لئے شرائط

مولانا محمد فضل الرحمٰن رشادی ☆

عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے، عقد نکاح کے وقت اگر اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا گیا، جیسے بیوی یہ شرط لگائے کہ نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، تو یہ شرط غیر ضروری اور تحصیل حاصل ہے، شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی نان ونفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے، تاہم یہ شرط صحت نکاح میں مخل نہیں ہے اور شرط کا پورا کرنا واجب ہے۔

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر کوئی فریق ایسی شرط لگائے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار وگریز ہو، مثلاً شوہر عندالنکاح یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا تو یہ شرط فاسد ہے، نکاح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوگی، درمختار میں ہے:

"لا يبطل النكاح بالشرط الفساد وإنما يبطل الشرط دونه، يعني لو حقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط"۔

یہاں دو چیزیں ہیں: (۱) معلق علی الشرط، (۲) مشروط بشرط فاسد۔

جس چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے، مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح اس پر معلق کرنا معلق بالشرط کہلاتا ہے، جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہوا یا اگر کل بارش ہوئی یا فلاں مر گیا تو

☆ استاذ سبیل المؤمنین آننت پور، آندھرا پردیش

شرط اور نکاح دونوں باطل ہوں گے۔

مشروط بشرط فاسد سے مراد یہ ہے کہ عقد نکاح میں لوازم نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگائے جیسے شوہر یہ کہے کہ مہر نہیں دوں گا، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی، شرط باطل نکاح جائز قرار دیا جائے گا:

"المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق قال القسطلاني والمراد شروط لا تنافي مقتضى عقد النكاح بل تكون من مقاصده كشروط العشرة بالمعروف وأن يقصر شئ من حقوقها'۔

عندالنکاح کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ صورت مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط لغو اور نکاح جائز ہوگا، جہاں تک ہوسکے ایفاء وعدہ کی کوشش کرے، چونکہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، خلاف کرنے کی صورت میں آثم وگنہگار رہوگا، مگر صحت نکاح میں فرق نہیں آئے گا: **"أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج"** اس کے ذیل میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: **"وأما شرط يخالف مقتضاه كشرط أن لا يتسرى عليها ولا يسافر بها، فلا يجب الوفاء به، بل يلغو الشرط ويصح النكاح"** ۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے فتاویٰ باقیات صالحات کا ایک جواب بعینہ نذر قرطاس کرتا ہوں۔ سائل کا یہ قول کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا تھا کہ ہندہ سن بلوغ تک اپنے باپ ہی کے ہاں رہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ زید نے ہندہ سے نکاح کرتے وقت عین ایجاب میں یہ کہا ہو کہ ہندہ سے اس کے بلوغ تک اس کے ولی کے یہاں رہنے کی شرط پر نکاح کرتا

ہوں، یا مذکورہ شرط پر قبول کرتا ہوں، یعنی ایجاب وقبول جو رکن عقد ہے اسی میں شرط کو داخل کیا ہو تو وہ شرط خود باطل ہے اور نکاح صحیح ہے۔

"والنکاح لا یصح تعلیقه بالشرط ولا إضافته ولکن لا یبطل بالشرط ویبطل الشرط" (فتاویٰ عالمگیری)۔

اگر اس سے فقط وعدہ مراد ہے تب بھی اس کا وفا کرنا قضاءً لازم نہیں ہے، چنانچہ "فتاویٰ حامدیہ" میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: **"لا یلزمه الوفاء بالوعد شرعا وإن أوفی فبها ونعمت"** ہاں عند اللہ گنہگار ہوگا۔ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے: **"وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا"** (سورۂ اسراء: ۳۴) اور حدیث شریف میں وعدہ خلافی کا علامات نفاق میں سے ہونا ثابت ہے (فتاویٰ باقیات صالحات ص ۱۵۸-۱۵۹)۔

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے۔ یہ تفویض طلاق ہے اور طلاق کا اختیار مذکورہ شرطوں کے پائے جانے کے وقت عورت کو حاصل ہوگا۔

اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ **"طلقی نفسک متی شئت"** جب چاہے تو اپنے کو طلاق دے لے، تو عورت کو اختیار رہے چاہے وہ مجلس میں طلاق دے یا بعد میں، اس لئے کہ "متی" سارے وقت کے لئے عام ہے گویا ایسا ہوا، جیسا کہ اس نے کہا ہو کہ جس وقت بھی چاہے تو اپنے پر طلاق واقع کرلے، اگر اس نے کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ میری عورت کو طلاق دے، تو اس کو مجلس اور بعد مجلس بھی طلاق کا اختیار حاصل رہتا ہے، اور شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہ وکالت ہے اور اپنی بیوی کی طلاق میں استعانت ومدد طلب کر رہا ہے، یہ وکالت نہ لازم ہے اور نہ ہی مجلس تک موقوف ہوتی ہے، برخلاف پہلے مسئلہ کے، اس لئے کہ وہاں عورت اپنے لئے طلاق دے رہی ہے، یہ تملیک ہے توکیل نہیں۔

تفویض تملیک، یعنی مالک بنانے کو کہتے ہیں نہ کہ وکیل بنانے کو، چاہئے کہ عورت اسی

مجلس میں تفویض کو قبول کرلے۔ تملیک سے رجوع صحیح نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے عورت کو اختیار طلاق دینے کے بعد قسم کھائی کہ وہ عورت کو طلاق نہیں دے گا۔ پس عورت خود اپنے کو طلاق دے لے تو شوہر صحیح قول کے موافق حانث نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی تفویض طلاق کی وجہ سے عورت کو ملکیت حاصل ہوجاتی ہے اور یہ فعل عورت کا شمار ہوگا (برخلاف توکیل کے، کیونکہ وکیل کا فعل مؤکل کا فعل شمار ہوگا) مسئلہ تفویض میں عورت کو مجلس تک ہی اختیار رہے گا اگر وہ بعد میں طلاق دے تو وہ معتبر نہیں ہوگا، مگر یہ کہ شوہر "طلقی نفسک" اور اس جیسے جملوں کے ساتھ "متی ما شئت إذا شئت، إذا ما شئت" جب چاہے اور جس وقت چاہے جیسے کلمات حروف بڑھائے تو مجلس کی قید نہیں ہوگی۔ جب چاہے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل رہے گا، اور شوہر کو تفویض کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا:

''اگر شوہر نے تفویض کے بعد بیوی کو طلاق بائن دی تو عورت کا اختیار طلاق باطل ہوگا یا نہیں؟ اگر تفویض منجز تھی، یعنی شرط پر معلق نہ تھی تب تو اس کا اختیار باطل ہوگا، اس لئے کہ اگر اختیار باطل نہ ہو تو بائن کا بائن کو لاحق ہونا لازم آتا ہے، جبکہ یہ جائز و درست نہیں اور اگر تفویض معلق تھی اس طرح کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تیرا معاملہ طلاق تیرے ہاتھ میں ہے یا تفویض مؤقت ہو اس طرح کہ تیرا معاملہ طلاق کل تک تیرے ہاتھ میں ہے تو اختیار باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن معلق اور بائن مؤقت کا ملحق ہونا جائز ہے، لیکن ''البحر الرائق'' میں ''قنیہ'' سے منقول ہے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ تفویض معلق تفویض منجز کی طرح ہے، مطلب یہ کہ دونوں صورتوں میں سے کسی میں اختیار باقی نہیں رہے گا'' (درمختار اردو)۔

غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے: ''کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیسرے سپرد ہے جس وقت تو میری زوجہ ہے، تو یہ اختیار محض اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کے نکاح میں رہے گی پس اگر بائن طلاق دے دے تو اختیار باقی نہیں رہے گا، اور رجعی طلاق دی گئی ہو تو باقی رہے گا، ایسے ہی اگر یہ کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اس کے بعد بائن طلاق

دے دے اور پھر اسی کے ساتھ نکاح کر لے اس بارے میں دونوں طرح روایتیں ہیں، زیادہ ظاہر قول کے مطابق اختیار باطل نہ ہوگا، اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے" (تاتارخانیہ)۔

اگر خاوند زوجہ کو اختیار طلاق عطا کرے پھر بائن طلاق دے دے تو بموافق ظاہر روایت اختیار طلاق اس کے قبضہ میں باقی نہ رہے گا۔ ایک رجعی طلاق دینے کی صورت میں اختیار طلاق ختم نہ ہوگا اور علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ اختیار طلاق کسی شرط پر موقوف نہ ہو، اگر کسی شرط پر موقوف و معلق ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر تجھے زدوکوب کردوں تو تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اختیار دینے کے بعد پھر اس کے ساتھ خلع کر لے، یا بائن طلاق دے دے تو اختیار باقی رہے گا، پس اگر اس کے ساتھ از سر نو نکاح کر لے اور پھر زدوکوب کرے تو اسے اختیار طلاق حاصل ہوگا، چاہے دوران عدت دوبارہ نکاح کیا گیا ہو یا بعد عدت (ذخیرہ، فتاویٰ عالمگیری، اردو)۔

تفویض قبل النکاح:

"زوجنی ابنتک علی أن أمرها بیدک لم یکن له الأمر لأنه تفویض قبل النکاح" (درمختار)۔

کوئی اس شرط پر نکاح کرے کہ تم اپنی لڑکی کا نکاح میرے سے کردو معاملۂ طلاق تمہارے ہاتھ میں ہوگا تو اسے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ تفویض قبل النکاح ہے۔

"إذا ابتدأت المرأة فقالت: زوجت نفسی منک علی أن أمری بیدی اطلق نفسی کلما أرید أو علی انی طالق فقال الزوج قبلت أما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الأمر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة والبزازیة انتهی"۔

جب ایجاب (ابتدائے کلام) عورت کی طرف سے ہو، پس وہ کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ معاملۂ طلاق میرے ہاتھ میں ہوگا کہ میں جب چاہوں گی اپنے پر طلاق واقع کرلوں گی یا یہ کہ میں طالق ہوں۔ شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہے، اگر ابتدائے کلام (ایجاب) مرد کی جانب سے ہو تو عورت کو نہ طلاق کا اختیار حاصل ہوگا اور نہ ہی وہ

معاملۂ طلاق میں خودمختار ہوگی۔

ابتدائے کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط بالکل بیکار جائے گا (الحیلۃ الناجزۃ)۔

نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں سوالنامہ میں بیان کی گئیں ان کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں بشرطیکہ نکاح کی طرف نسبت و اضافت ہو تو شرط کے پائے جانے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا "**تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا**" اگر نکاح کی طرف اضافت نہ ہو تو شرائط نامہ بے کار ہوگا۔

(۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر ہو تو ضروری ہے کہ ایجاب مع شرائط عورت کی جانب سے ہو اور مرد اسے قبول کرلے تو تفویض صحیح ہے، اگر اس کے برعکس ہو، یعنی ایجاب طلاق مرد کی جانب سے ہو اور عورت والے مع شرائط قبول کریں تو یہ صحیح نہیں، دلائل آگے گزر چکے ہیں۔

ہاں اگر عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور مرد نے قبول میں تفویض طلاق کی شرط کا ذکر دیا تو تفویض صحیح ہوگی، اس صورت میں یہ خامی ہے کہ عورت کی جانب سے اولا بلا کسی شرط کے ایجاب ہونے کی وجہ سے معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور مرد خودمختار ہو جاتا ہے۔ اب اس پر عورت والوں کی جانب سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ہو سکتا، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایجاب کی صورت میں عورت، یا اس کے ولی کی جانب سے پہلے ہی شرائط کا ذکر کر دیے جائے۔

(۲) عقد نکاح کے بعد عاقدین کی جانب سے شرائط نامہ تحریر ہو تو یہ بھی درست ہے اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، دوسری صورت میں ذکر کردہ خامی یہاں بھی موجود ہے کہ عورت کے ہاتھ سے معاملہ نکل جاتا ہے اور مرد کی مرضی پر ہی یہ شرائط معرض وجود میں آ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ طلاق ہے، طلاق کی وجہ سے نہ صرف دو دلوں بلکہ دو خاندانوں میں دراڑ اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ بدرجۂ

مجبوری وہ بھی حالت طہر میں عورت کو طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے، بیک وقت تین طلاق دینے پر حضور نے شدید ترین غصہ اور نفرت کا اظہار فرمایا ہے، مرد چونکہ عورت کی بہ نسبت سنجیدہ تجربہ کار اور کامل العقل ہے، لہٰذا طلاق کا اختیار بھی اسلام نے اسی کو دیا ہے، تاکہ وہ حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے اور سوچ سمجھ کر قدم بڑھائے، عورت چونکہ فطری طور پر جذباتی اور ناقص العقل ہے، اس لئے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا، مرد کے طلاق دئے بغیر چارہ کار نہیں چاہے عورت ہزار کوشش کرے وہ نکاح سے علیحدہ نہیں ہوسکتی، تفویض طلاق کی صورت میں یہ اختیار عورت کو حاصل ہوتا ہے، لہٰذا شرائط نامہ تحریر کرتے وقت اس امر کا خاص کر لحاظ رکھیں کہ بالکلیہ اور علی الدوام عورت کو اختیار طلاق حاصل نہ ہو، ورنہ بہت سارے فتنے جنم لے سکتے ہیں، لہٰذا یہ شرط بھی مذکور ہو کہ شرط کی خلاف ورزی یا عورت کی تکلیف شدیدہ کی صورت میں جسے مذکورہ دس افراد میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور عورت کے لیے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دیں تو عورت کو اسی وقت یا شرط کی خلاف ورزی کے ایک ماہ تک مہر معاف کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہوگا، اگر کسی وقت فرقت وعلیحدگی کے بعد اعادہ نکاح ہوتو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں، بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہوجائے اس کے موافق عمل درآمد ہوگا، اکثر شرائط ''الحیلۃ الناجزۃ'' سے مستفاد ہیں۔

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے، بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لہٰذا طلاق کے غلط اور بیجا استعمال کو روکنے کے لیے عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کریں کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کو بیس ہزار مہر دینا ہوگا۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، اسی طرح اگر شوہر نے اس دولہن کی موجودگی میں زوجیت میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت (دولہن) کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، اس طرح کا مہر طے کرنا درست ہے، بہرصورت مہر مسمی لازم ہے اور صاحبین کے قول پر فتویٰ درست ہوگا، اس کی نظیریں

ہدایہ اور خود سوالنامہ میں تاتارخانیہ سے منقول مسائل ہیں۔

"إذا تزوجها على ألف إن لم تكن له امرأة وعلى ألفين إن كانت له المرأة وعلى ألف إن لم يخرجها من البلدة وعلى ألفين إن أخرجها، فالنكاح جائز، فقال أبو يوسف ومحمد: جائزان"۔

(اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر پہلے سے اس کی بیوی نہیں ہے تو مہر ایک ہزار اور اگر پہلی بیوی موجود ہے تو دو ہزار، اسی طرح عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے تو دو ہزار مہر کی رقم ادا کرنا ہوگا، تو نکاح جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک مہر مسمی لازم ہوگا)۔

عورتوں کو ملازمت اور نوکری کی اجازت نہیں دینی چاہئے، اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں، بے حجابی، شوہر کی ناقدری، نامحرموں سے گفتگو وغیرہ، اگر نکاح کے وقت عورت نے اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائی کہ شوہر اسے موجودہ ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، عقد نکاح کے وقت شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے تو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور نکاح جائز ہے، ایفاء شرط لازم نہیں ہے: **"لا يلزمه الوفاء بالوعد شرعا وإن أوفى فبها ونعمت"** ہاں اگر عورت شریعت کے حدود میں رہ کر ملازمت کررہی ہے تو بلاوجہ روکنا عہد کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، عورت کو فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں ملے گا اور شوہر کے حکم کی تعمیل لازم وضروری ہوگی، گذشتہ صفحات میں دلائل آچکے ہیں۔

نکاح میں زوجین کے لئے قابل قبول شرائط کا مسئلہ

مولانا عمران قاسمی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نکاح کو نہ صرف توالد وتناسل اور انساب کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے، بلکہ اس تعلق سے جو اتحاد واتفاق اور الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے، اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکا کہیں کا ہوتا ہے، لڑکی کہیں کی ہوتی ہے، اس قدر اجنبیت کے باوجود نکاح کا رشتہ ان دونوں میں قائم ہوتے ہی ساری اجنبیت اور ان کا بُعد ختم ہوجاتا ہے، ان دونوں کے دلوں میں قدرتی طور پر الفت ومحبت پیدا ہوجاتی ہے اور یہ انس ومحبت وقتی نہیں ہوتی ہے، بلکہ جوں جوں زندگی کے ایام گزرتے جاتے ہیں، اس میں کمی کے بجائے برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ قرآن نے اسی الفت ومحبت کی تعبیر اس طرح کی ہے:

”**ومن آياته أن خلق كم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة**“ (سورۂ روم:۲۱)۔

(اس کی اونچی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ہم نے تمہارے جی سے تمہارا جوڑا بنایا کہ تم ان سے جی ٹھنڈا کرو اور تمہارے درمیان پیار ودلداری کے جوت جگادئے)۔

”**وهو الذى خلق من الماء بشرا فعله نسبا وصهرا وكان ربک قديرا**“ (سورۂ فرقان:۵۴)۔

(وہ خدا ہی کی ذات ہے جس نے پانی کے قطرے سے جیتا جاگتا انسان پیدا کیا اور اس

کو خاندان وسسرال والا بنایا اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے)۔

شریعت نے عورت ومرد کے درمیان ہونے والے عقد کو قابل احترام قرار دیا اور متعینہ حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کے طریقہ بتائے، ان ہی قوانین وضوابط میں سے ایک اہم قانون وضابطہ اشتراط فی النکاح ہے۔

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا، لہٰذا نکاح میں اگر کوئی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے انحراف وگریز ہو تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل قرار نہیں دیا جائے گا، شرط کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

مثال کے طور پر شوہر شرط لگائے کہ وہ مہر نہیں دے گا، تب بھی فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل بہرحال واجب ولازم ہوگا، خواہ شوہر وطی کرے یا مرجائے۔

صاحب ''ہدایہ'' نے لکھا ہے:

"وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها" (ہدایہ ۲/۳۲۲)۔

اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے دی پھر بھی اس سوکن کو اپنی دی ہوئی باری سے رجوع کر لینے کا حق ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

"ولها أن ترجع في ذلك، لأنها اسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط" (ہدایہ ۲:۳۲۹)۔

اسی طرح نفقہ بھی واجب ہوتا ہے لہٰذا کسی عورت نے اپنا نفقہ معاف کر دیا یا معافی ہی کی شرط کے ساتھ عقد نکاح کیا تو بھی عورت کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ فقہ کی یہ عبارت اسی کی طرف مشیر ہے: **"لأنها اسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط"**۔

مزید اس سلسلہ میں ''فتح القدیر'' کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح روشنی ملتی ہے:

”وإبراء الزوجة من النفقة هل يصح ويلزم، إن كانت غير مفروضة لا يصح، لأنه إبراء قبل الوجوب، وإن كان القاضى فرضها كل شهر كذا أو كذا صح فى الشهر الأول فقط، وكذا لو قالت: ابرأتک من نفقة سنة لا يبرأ إلا من شهر إلا أن يكون فرض لها كل سنة كذا؛ لأن القاضى إذا فرض كذا كل شهر، فإنما فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض وما لم يتجدد الفرض لم يجب نفقة الشهر، فلا يصح الإبراء عنها ولو ابرأته بعد ما مضى الشهر عما مضى وعما ما يستقبل برى عما مضى وعن شهر“(فتح القدیر ۲/ ۳۹۲-۳۹۵)۔

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جس غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی، مثال کے طور پر عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا، ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نکاح صحیح قرار پائے گا۔

لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے صرف عورت کو فائدہ ہو اور کسی دوسرے کو نقصان بھی نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ شوہر اس شرط کی پابندی اس وقت تک کرے جب تک نکاح کے مقاصد فوت نہ ہوں۔ مثال کے طور پر عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا لہٰذا اس صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہوگیا جہاں رہ کر اسے بیوی کے حقوق ادا کرنے میں نہایت دشواری ہو رہی ہو تو اس شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ شوہر بیوی کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کردے یا پھر عورت کے حقوق کی ادائیگی سے بالکل لاپرواہ ہوجائے۔ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں مناسب یہی ہے کہ بیوی کو اپنے ہمراہ لے کر جائے مگر اس طرح کی شرط کو قضاءً لازم الایفاء قرار دینے کی صورت نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی ایسی شرط لگائی کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو نقصان ہوگا، اس طرح کی شرط کو پورا کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلاں بیوی کو طلاق دے دے گا۔ ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو عدم ایفاء شرط کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔

"قد تقدم إن النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فإذا تزوج على ألف على أن لا يخرجها من البلدة أو على أن لا يتزوج عليها أو على أن يطلق فلانة فالنكاح صحيح وإن كان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة وطلاق الضرة فاسدا لأن فيه المنع عن الأمر المشروع" (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۳/۳۵۰)۔

صاحب ''فتح القدیر'' لکھتے ہیں:

"وهذه الشروط تمنع التزوج والتسرى لوجوب الجرى على موجبها فكانت باطلة" (فتح القدیر ۳/۳۵۱)۔

صاحب ''ہدایہ'' فرماتے ہیں:

"إذا تزوج على ألف على أن لا يخرجها من البلدة أو على أن لا يتزوج عليها أخرى، فإن وفى بالشرط فلها المسمى وإن تزوج عليها أخرى أو أخرجها فلها مهر مثلها" (ہدایہ ۲/۳۲۹)۔

نکاح کے وقت تفویض طلاق کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے اپنی کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں جو کچھ لکھا ہے، اس باب میں وہی باتیں کافی ہیں۔ اب اس میں مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے، وہ باتیں اپنی جگہ کافی وشافی ہیں۔

حضرت تھانوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ ملاحظہ ہو (الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۱ تا ۳۸)۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے طلاق دینے کو برا سمجھا ہے، صرف ناگزیر صورت میں اس کی

اجازت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اسے بے محل استعمال کرے یا اسے کھیل بنالے، اس سے عورتوں پر ظلم وزیادتی مقصود ہوتو پھر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے اور عند اللہ وہ اقدام ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے چونکہ اس کی وجہ سے دو خاندانوں کا اتفاق واتحاد تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، بلکہ آئندہ چل کر معاشرہ اور خاندانوں پر ناقابل تلافی اثر پڑتا ہے، لیکن اگر ازدواجی زندگی الفت ومحبت کے بجائے عداوت ودشمنی میں بدل جائے اور نباہ کی کی صورت نہ ہوتو شریعت غراء نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت ہی نہیں دی، بلکہ اس فعل کو مباح ومستحسن قرار دیا ہے، تاکہ آلام ومصائب میں مبتلا زوجین کو چھٹکارا مل سکے۔

مسلم معاشرہ میں وقوع طلاق کا معاملہ جس قدر مشہور ہے، واقعہ یہ ہے کہ اتنا نہیں ہے اور طلاق ثلاثہ یا طلاق کی کثرت کو روکنے کے لئے پابندیاں عائد کرکے طلاق دشوار بنانا تو یہ بالکل غیر مناسب بات ہوگی، چونکہ مسلم سماج میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان نشوز وشقاق ہے اور نشوز وشقاق اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ فرقت ضروری ہے، مگر زیادتی مہر کے ڈر سے طلاق نہیں دیتا کہ بعد طلاق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اب نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت کالمعلقہ ہوکر رہ جائے گی یا پھر حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہوجائیں کہ معافی مہر کے عوض میں طلاق حاصل کرلے۔

ایسی صورت میں یہ بات بہت قرین قیاس تھی کہ اگر مہر کی تعداد کم ہوتی تو شوہر طلاق دے دیتا اور عورت مہر پانے کی حقدار بھی ہوجاتی۔

رہا طلاق ثلاثہ یا طلاق کی کثرت کا معاملہ تو یہ درحقیقت جہالت کی بنیاد پر ہے۔ اس کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے مقدار مہر کو بڑھانے کی بات کرنا درست نہیں ہے۔

چونکہ اگر ایک شخص فرقت اختیار کرنے پر بالکل آمادہ ہوجائے تو بہرحال مہر کی مقدار جو بھی ہو اس کو ادا کرکے الگ ہوسکتا ہے۔ ہاں اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ مسلم سماج کو ان مسائل سے زیادہ سے زیادہ واقف کرایا جائے، ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔

ان حالات کے باوجود اگر مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو

مہر دس ہزار روپے ہوگا اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے، اس طرح کی شرطیں لگانا درست ہے۔ اب رہا مسئلہ وجوب مہیر کا تو وہ حالات کے مطابق ہوگا۔ اگر نکاح کرتے وقت مہر اس طرح طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں بھی درست ہیں، بیوی کو آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

"الشرطان جائزان حتی کان لها الألف إن أقام بها والألفان إن أخرجها

(ہدایہ ۲:۳۲۹)۔

بیوی کے اقامت واخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا چاہئے، چونکہ جس طرح صاحبین کے یہاں اقامت واخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں درست ہیں۔

اسی طرح تزوج وعدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں درست ہوں گی۔

"فکان لها عشرة آلاف إن لم یتزوج علیها أخری وعشرون إن تزوج علیها أخری"۔

اگر شوہر کے حقوق میں بیوی کی ملازمت سے نقصان وضرر ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ اس کو ایسی ملازمت سے روک دے۔ ہاں ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حق میں نقصان نہ ہو تو اس طرح کی ملازمت سے روکنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا بعد نکاح کسی ایسی نوکری کی اجازت دے دی جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے تو شوہر اس اجازت کو واپس لے سکتا ہے۔

”ویلاحظ أن رضاه باحترافها وقتا ما لا یمنع عدم رضاه فی غیره“۔
(الاحوال الشخصیہ ص ۲۳۹)۔

”والذی ینبغی تحریره أن یکون له منعها من کل عمل یؤدی إلی تنقیص حقه أو ضرره أو إلی خروجها من بیته، أما العمل الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها عنه خصوصا فی حال غیبته من بیته، فإن ترک المرأة بلا عمل فی بیتها یؤدی إلی وساوس النفس والشیطان أو الاشتغال بما لا یعنی مع الأجانب والجیران“(ردالمحتار، باب النفقہ ۲/۶۵)۔

نکاح میں شرائط کا حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی

اس میں شک نہیں کہ اسلام رشتۂ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے لئے کچھ اہم ورہبر اصول بھی بتلائے ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات سے دوری اور ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے کہ اکثر رشتے غیر یقینی صورت حال کے شکار ہیں، اور حدود وقیود کے متلاشی ہیں۔

نکاح سے قبل جہاں رسومات غیر شرعیہ کی تکمیل کی طرف پوری توجہ دی جاتی ہے، اگر صرف ایک عشرہ دولہا کسی صحیح عالم کی صحبت میں رہ کر مسائل نکاح وطلاق اور حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کرے، اسی طرح بننے والی دولہن کو ایک عشرہ خالص دینی معلومات فراہم کی جائیں تو یقیناً دونوں کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی ہوگی، جس کے نتیجہ میں دونوں کی زندگی خوشگوار بنے گی۔

لیکن افسوس اس انداز کی تعلیمات کی طرف امت کی کوئی توجہ نہیں، جس کا لازمی نتیجہ آج سب کے سامنے ہے، اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات سپرد قلم ہیں، لیکن چند اصول جزئیات سے قبل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ نکاح کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) منجز، (۲) مشروط، (۳) معلق۔ علامہ شامیؒ ودیگر فقہاء کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی یہ تینوں شکلیں قابل قبول واعتبار ہیں۔

۲۔شرائط کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرط صحیح، (۲) شرط فاسد

۳۔ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔(بدائع ۲/ ۲۷۳)۔

۴۔تفویض شرعا ایک درست عمل ہے۔تفویض کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) تخییر (۲) امر بالید (۳) مشیت، ان کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

۵۔ایسی کوئی بھی شرط جس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال لازم آئے، شرعا غیر معتبر ہے، واجب الایفاء نہیں، جیسا کہ خود اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات میں بھی صراحتاً یہ چیزیں موجود ہیں، ان چند اصولوں کے بعد سوال نامہ میں مذکور جزئیات سپرد قرطاس ہیں:

(الف) بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے چند شرائط کے ساتھ، جن کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں، اگر وجوب نفقہ کی ساری شرطیں موجود ہوں تو شریعت بیوی کو یہ حق دیتی ہے کہ شوہر سے اپنا نان ونفقہ وصول کرلے، لیکن اگر کوئی صاحب حق اپنے حق کو ساقط کردے تو شریعت نے یہ حق بھی صاحب حق کو دیا ہے، لہذا اگر کوئی عورت بلا جبر واکراہ طوعاً اپنا حق واجبی (نان ونفقہ) ساقط کردے تو اس سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ ہی بیوی کو مطالبہ، یعنی نفقہ کا حق ہوگا۔

(ب) ایک سے زائد نکاح کی اجازت مرد کو دی ہے، شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک سے زیادہ چار تک بیکوقت زوجیت میں عورتوں کو رکھے، لیکن اگر کوئی مرد اپنا حق کسی مصلحت کے تحت ساقط کردیتا ہے اور اپنی پہلی بیوی سے یہ عہد کرلیتا ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے تمہارے رہتے ہوئے شادی نہیں کروں گا تو "وأوفوا بالعهد" (سورۂ مائدہ:۱) کے تحت یہ وعدہ بھی لازم الایفاء ہوگا، اور اس سے اس کی شادی متاثر نہ ہوگی، جس میں اس نے اپنی بیوی سے اس انداز کا عہد کیا ہے۔

(ج) طلاق شوہر کا ذاتی حق ہے، لیکن شرعاً تفویض توکیل بھی معتبر ہے، لہذا شوہر

حسب موقع و مصلحت بوقت ضرورت بقدر ضرورت اپنا اختیار دوسرے کے حوالہ کرسکتا ہے، اور دوسرا شخص اس کے سپرد کردہ حق کو اگر استعمال کرتا ہے تو وہ حق بجانب ہوگا، تفویض کے بعد اگر شوہر بیوی سے حق تفویض کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا ہے۔

نکاح میں شرط کی صورتیں

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں۔

۲۔ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرط نامہ تحریر کیا جائے۔

یہ تینوں صورتیں درست اور صحیح ہیں۔

البتہ پہلی صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو تحریر لکھی جائے اور اس میں جو شرط مذکور ہو اس کی نسبت نکاح کی طرف ہو، اگر اضافت الی النکاح کو ترک کردیا گیا تو تحریر باوجود طرفین کی دستخط کے لغو اور بے کار ہوجائے گی، جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اور شرط کی دوسری صورت بھی درست ہے، لیکن اگر شرط تفویض طلاق سے متعلق ہو، اس وقت اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو اور اگر ایجاب مطلق شوہر کی جانب سے ہو اس صورت میں شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح بغیر شرط کے درست ہوجائے گا۔

تفویض طلاق کے ساتھ احسن یہ ہے کہ دو چار رجال کی تصویب حال کی شرط لگادی جائے، تاکہ عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے غلط قدم نہ اٹھا سکے، اور اگر ابراء مہر کی بھی قید تفویض طلاق کے ساتھ لگ جایا کرے تو بہتر ہے، تاکہ عورت حق تفویض کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور بے جا استعمال کا سد باب ہوسکے۔

شریعت نے مصالح کے تحت ہی تفویض طلاق کا دستور بنایا ہے، اگر تصویب رجال یا ابراء مہر کی قید لگادی جائے تو بے جا تصرف کا سد باب بھی ہوجائے گا، اور شرعی دستور بھی ضیاع

سے محفوظ رہے گا۔

۲- مہر عورت کا حق ہے، کمی زیادتی کا اختیار بھی عورت کو حاصل ہے، مرد کے قبول کرنے سے پہلے مہر کو مشروط و مطلق رکھنے کا حق بھی عورت کو ہے۔ جس شرط کے ساتھ شوہر مہر کو قبول کرے گا اس کا ایفاء اس کے ذمہ ہوگا۔

۳- شریعت نے عورت کا جو مقام اور کام متعین کیا ہے، اس میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک عورت بحیثیت عورت کلرک بنے اور آفسوں کی ڈیوٹی انجام دے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک مرد کو ایسی شرط مسترد کردینی چاہئے، جو بہت سے مفاسد و محرمات کا ذریعہ ہو اور ایجاب وقبول کے وقت ہی یہ شرط لگادینی چاہئے کہ تم کو صرف چراغ خانہ بن کر رہنا پڑے گا اور کسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی شوہر نادانی میں اس انداز کی نامعقول شرط کو قبول کر لیتا ہے، تو حسن تدبیر سے بیوی کو اس عمل سے روکنے پر وہ ماجور ہوگا مازور نہیں۔

شرائط نکاح سے متعلق بعض ضروری مسائل و دلائل

مولانا ابوبکر قاسمی

شرائط نکاح اوران کے احکام:

عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، نیز شوہر عورت کو مہر دے گا، وغیرہ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے، بلکہ اگر بوقت نکاح ان شرائط کی تصریح نہ کی گئی ہو تب بھی شوہر پر ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے، کیونکہ قرآن وسنت کی واضح نصوص میں ان شرائط وحقوق کا ذکر کر کے ان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے، چنانچہ مہر کے سلسلہ میں باری تعالی کا ارشاد ہے:

''**فما استمتعتم به منهن فآتو هن أجورهن فريضة** ''(سورۂ نساء: ۲۴) جن عورتوں سے (نکاح کے بعد) تم نے فائدہ اٹھایا ہے، ان کو ان کا مقرر کردہ مہر دیدو۔

اور نفقہ کے سلسلہ میں حضور پاک ﷺ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا:

ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف (ابن ماجۃ: ۱۱۳)۔

دستور کے مطابق عورتوں کو کپڑا اور خوراک دینا مردوں پر لازم ہے۔

نیز قرآن پاک میں باری تعالی نے عورتوں کے نفقہ کے سلسلہ میں حکم دیا ہے: ''**وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف**'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۳) (لڑکے والے پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے مطابق)

عقبہ بن عامر جہنیؓ کی حدیث کو تمام ارباب صحاح نے نقل کیا ہے، جس میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج** (بخاری ۱/۳۷۶) (جن شرطوں کو تم لوگ پوری کرتے ہو ان میں پوری کرنے کے اعتبار سے سب زیادہ لائق و مستحق شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ جن شرطوں کی وجہ سے عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہوتا ہے، اور جو شرطیں مقتضائے عقد کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی جو شرطیں صلب عقد میں داخل ہوتی ہیں، وہ شرطیں پوری کرنے کے زیادہ لائق ہیں، کیونکہ رشتہ نکاح کی پائیداری بڑی حد تک قبائل وخاندان کے سکون کی ضامن ہے، اور اس کی ناپائیداری بہت سے مطمئن معاشروں اور خاندانوں کو فتنہ وفساد، توڑ پھوڑ اور بگاڑ پر ابھارتی ہے، اسی لئے انہوں نے مقتضائے عقد نکاح کے مطابق طے کی جانیوالی شرطوں کو پورا کرنے پر زیادہ زور دیا، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اگر یہ شرطیں نہ ہوں، تب بھی ان شرائط میں ذکر کردہ امور کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) شرط کی دوسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط طے کرے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، اسی طرح شوہر بیوی کو رہنے کے لئے مکان نہ دے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو رقم نہ دے گا، اسی طرح عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے، تو اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ یہ شرطیں باطل ہیں اور عقد نکاح درست ہوجائے گا، چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح بخاری ''باب الشروط فی النکاح میں لکھا ہے:

''اور بہر حال وہ شرط جو مقتضاء عقد نکاح کے منافی ہو، جیسے یہ شرط کہ بیوی کے لئے وہ

باری مقرر نہ کرے گا، یا اس پر پابندی نہ رکھے گا، اور نہ نفقہ دے گا وغیرہ، پس اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر شرط صلب عقد میں واقع ہو تو رک جائے، اور مہر مثل کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا اور ایک صورت میں مہر مسمی واجب ہوگا اور شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور ایک قول میں نکاح باطل ہوگا'' (فتح الباری ۹/ ۲۱۸)۔

مندرجہ بالا دوسری قسم کی شرطوں کو فقہاء کرام نے جو باطل فرمایا ہے تو اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے ''بخاری شریف کی کتاب الشروط'' کے تحت نقل فرمایا ہے:

''ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مأة شرط قضاء الله أحق وشرط الله أوثق'' (بخاری ۱/ ۳۷۷)۔

(جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ کا فیصلہ زیادہ لائق ہے (کہ اس کی پیروی کی جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے)۔

اسی طرح مندرجہ بالا شرطوں کے باطل و ناجائز ہونے کی دلیل وہ حدیث بھی ہے، جسے ابو ہریرہ نے بالفاظ ذیل مرفوعاً نقل فرمایا ہے:

''لايحل لامرأة تسال أختها لتستفرغ صفحتها فإنها ماقدر لها'' (بخاری ۲/ ۷۷۴) (کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کے پیالہ کو خالی کردے، کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے)۔

مذکورہ روایات ہی کی بنیاد پر امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ، یا ابن عمرؓ کا یہ فتوی نقل فرمایا ہے:

''وقال ابن مسعود: لاتشترط المرأة طلاق اختها'' (بخاری ۲/ ۷۷۴)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ کوئی عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، جس کا تذکرہ قرآن وسنت میں نہ ہو، اور اس شرط سے حقوق واجبہ سے گریز ہو رہا ہو تو ایسی شرط عقد نکاح میں لگانی جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس قسم کی شرط لگائی تو وہ باطل ہے۔

(۳) شرائط نکاح کی تیسری قسم یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کوئی فریق یا دونوں بوقت نکاح ایسی شرط لگائے جس کا تعلق نہ پہلی قسم کی شرطوں سے ہو، اور نہ دوسری قسم کی شرطوں سے یعنی دونوں فریقوں میں سے کوئی ایسی مباح شرط لگائے جو نہ مقتضائے عقد کے قبیل سے ہو اور نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس تیسری قسم کی شرط کے حکم کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے درمیان قدرے اختلاف ہے، امام احمدؒ، اسحاقؒ اور امام اوزاعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شرط کی اس تیسری قسم کو پورا کرنا قضاءً ضروری نہیں، البتہ دیانۃً ضروری ہے، کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جو جائز وعدہ کرے اس کو پورا کرے، اور خود باری تعالی کے ارشاد: "**واوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا**" (بنی اسرائیل: ۳۴) کا تقاضا بھی یہی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان شرطوں کو پورا نہ کرے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتی، امام احمدؒ وغیرہ اپنے مسلک کے اثبات میں عقبہ بن عامر جہنیؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جسے امام بخاری نے "کتاب النکاح باب الشروط فی لنکاح" میں نقل کیا ہے:

"**أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفو ا به مااستحللتم به الفروج**"

(بخاری ۲/ ۷۷۴)۔

مگر یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ حضرات بھی اس تیسری قسم کی شرطوں کو پورا کرنے کو دیانۃً ضروری قرار دیتے ہیں (مستفاد از درس ترمذی ۳/ ۴۱۳) ثانیاً اس حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ ثالثاً بہت سے شارحین نے اس حدیث کو پہلی قسم کی شرطوں کے لئے مخصوص کیا ہے، بلکہ بعض حضرات نے تو اس حدیث پاک میں شرط سے

مراد مہر لیا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی شرح ''الکوکب الدری'' کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ:

''اور شارحین حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ شرط سے مراد یہاں پر صرف مہر ہے نہ کہ اس کے ماسوا کوئی اور چیز اس لئے کہ وہی بضع کے مقابلہ میں مشروط ہے'' (حاشیہ الکوکب الدری ۱/۳۳۵)۔

شارحین حدیث کی اس جماعت کے مذکورہ قول کی تائید اللہ تعالی کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

''**أحل لکم ماوراء ذلکم أن تبتغوا بأموالکم**'' (سورۂ نساء: ۲۴)۔

(تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتیں حلال کردی گئیں ہیں، بشرطیکہ تم مہر دے کر رشتہ تلاش کرو)۔

اور ترمذی شریف کتاب النکاح ''باب ماجاء لانکاح إلا بولی'' کے تحت حضرت عقبہؓ کی حدیث میں شرط سے مراد مہر ہے، اور علامہ نوویؒ نے حضرت عقبہ بن عامر کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث ان شرطوں پر محمول ہے جو نکاح کے مقتضی کے منافی نہ ہوں، بلکہ وہ نکاح کے مقاصد و مقتضی میں سے ہوں، جیسے عورت کو اچھی طرح رکھنے، اس کا نفقہ، سکنی دستور کے مطابق دینے کی شرطیں، اور یہ شرط کہ شوہر عورت کے حقوق میں کچھ کوتاہی نہ کرے گا، اور دیگر سوکنوں کی طرح اس کے لئے باری مقرر کرے گا، اور عورت گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے گی، اور نہ نفلی روزہ رکھے گی، اور شوہر کے گھر میں عورت کسی دوسرے کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے گی، نیز شوہر کے سامان میں شوہر کی رضامندی کے بغیر تصرف نہ کرے گی، اور بہر حال جو شرط نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو، جیسے یہ شرط کہ باری مقرر کرے اور نہ شوہر اس پر باندی کو رکھے اور نہ اس پر خرچ کرے اور نہ اس کو لے کر سفر کرے، پس ایسی شرطوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شرط لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ صحیح ہو جائے گا، حضور اکرم ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں

ہے، وہ باطل ہے، امام احمدؒ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ شرط کو پورا کرنا واجب ہے، حدیث "احق الشروط" کی وجہ سے (حاشیہ ا/۴۵۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مقتضاء عقد کے مطابق ہو، اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

(۲) مقتضاء عقد نکاح کے خلاف ہو، اس شرط کو پورا کرنا جائز نہیں۔

(۳) شرط کی تیسری قسم یہ ہے کہ جو نہ مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہو، اور نہ موافق ہو، بلکہ مباح قسم کی شرط ہو تو اس قسم کی شرطوں کا دیانۃً پورا کرنا ضروری ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی "شرح الکوکب الدری" میں شرائط نکاح کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"حاصل کلام یہ ہے کہ شرطوں کی تین قسمیں ہیں (۱) جو بغیر شرط کے نکاح کی وجہ سے واجب ہو، جیسے عورت کے لئے نفقہ اور مکان تو ایسی شرط کا پورا کرنا واجب ہے، اگر چہ شرط نہ لگائے، (۲) جو شرط کتاب اللہ اور حضور پاک ﷺ کی تصریحات کے خلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اگر چہ شرط لگائے (۳) اور جو مذکورہ دونوں قسموں میں سے نہ ہو، یعنی جن کا کرنا چھوڑنا دونوں مباح ہو، اگر اس قسم کی شرط ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور اگر شرط نہ لگائے تو واجب نہ ہوگا (الکوکب الدری ۲/۳۳۶)۔

مذکورہ تصریحات سے جہاں نکاح کی شرطوں کا علم ہوا وہیں ان شرطوں کا شرعی حکم بھی معلوم ہو گیا، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان شرائط کی وجہ سے عقد نکاح پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔

اب نکاح کی شرطوں کے اقسام واحکام اور اثرات کو جاننے کے بعد ذیل میں نکاح کی بعض شرطوں کی تفصیل اور ان کے متعلق شرائط کی وضاحت کی جاتی ہے:

تفویض طلاق کی شرعی حیثیت اور اس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل:

اگر کوئی عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ فلاں فلاں شکلوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر نے عورت کی اس شرط کو تسلیم کر لیا تو شرعاً اس شرط کی کیا اہمیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام جو قرآن وسنت کے معانی کو زیادہ سمجھتے ہیں، ان کے کلام کو پڑھنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے مستقبل میں کسی ناگوار بات کا کوئی خطرہ محسوس ہو، اس کے لئے شرعاً جائز ہے کہ وہ عقد نکاح میں اپنے لئے شوہر سے اس قسم کی شرط کو منظور کرالے، تاکہ پریشانی کے وقت اس شرط سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو تکلیف سے محفوظ رکھ سکے، فقہاء کرام کی اصطلاح میں اسی کو تفویض طلاق کہتے ہیں، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیدے۔

شوہر اگر عورت کو طلاق کی تفویض کردے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ قرآن پاک میں تفویض کی ایک قسم تخییر کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے، جس کی رو سے حضور پاک ﷺ کی طرف سے آپ کی ازواج مطہرات کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا گیا تھا (ملاحظہ ہو: سورۂ احزاب)، اس سے معلوم ہوا کہ تفویض طلاق کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے، اب رہی یہ بات کہ شوہر اگر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کردے تو اس کے بعد اگر وہ تفویض کو ختم کرنا چاہے تو شوہر کو اس کا اختیار حاصل ہوگا، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس تفویض سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے (درمختار ۱/ ۵۳۸، فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۳۸۷)۔

لیکن اس کے بعد بھی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے اوپر طلاق واقع کرنی چاہئے، کیوں کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی کرنا شرعاً سخت ناپسندیدہ ہے، چنانچہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "**أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق**" (ابوداؤد ۱/ ۲۹۶)، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے، نیز حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "**أيما امرأة سألت زوجها الطلاق في غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة**" (مشکوۃ ۲/ ۲۸۳) (جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے)۔

مذکورہ احادیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب طلاق کو شریعت نے سخت ناپسند فرمایا ہے تو عورت کو چاہئے کہ تفویض کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ

اطمینان سے سوچ سمجھ کر طلاق واقع کرے، اسی کے ساتھ درج ذیل تین باتوں کا ضرور التزام کرے:

پہلی بات یہ ہے کہ غصہ کے وقت فوراً اپنے اس تفویض کے اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور وفکر کرے، جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے والد یا دیگر خیر خواہوں سے مشورہ کرے، چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب قرآن پاک میں آیت تخییر نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کرلو (بخاری ۲/۷۹۲)۔

تیسری بات یہ ہے کہ سنت کے مطابق استخارہ کرے، کیونکہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے **"ماندم من استخار"** (جس نے استخارہ کیا وہ شرمندہ نہیں ہوا)۔

استخارہ کے علاوہ ویسے بھی دعاء کرے کہ اللہ تعالی میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے، جو میرے لئے دین ودنیا میں بہتر ہو، ان تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالی پر بھروسہ رکھے، اس طرح عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ خطرہ نہ ہوگا جو تفویض کی صورت میں ہوتا ہے (الحیلۃ الناجزۃ/۳۶)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفویض طلاق کی صورت میں طلاق دینے کا اختیار عورت کو حاصل ہوجاتا ہے، اور عورت ہی طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، شوہر اگر تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ہے، اس لئے تفویض طلاق کے وقت شوہر کو چاہئے کہ عقل وہوش سے کام لے کر، بقدر ضرورت ہی طلاق کی تفویض کرے، یک لخت تینوں طلاق کی تفویض نہ کرے۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے فقہاء کرام نے دور حاضر کے پرفتن حالات میں بعض مصالح کی بناء پر تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ ہمارے بعض تجربہ کار علماء نے تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنیکا مشورہ دیا ہے، تو اگر کوئی شخص تفویض طلاق کی شرط کے بجائے مہر کی کمی اور زیادتی کی شرط پر نکاح کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دیا تو ایک ہزار مہر ہوگا، اور اگر بیوی کو طلاق دیدیا تو دو ہزار مہر ہوگا،

تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح مہر مقرر کرنے سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہ وفتاوی کی کتابوں میں جو تفصیل درج ہے، اس کی روشنی میں اس مسئلہ میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ شرعا یہ نکاح صحیح ودرست ہے، البتہ اس قسم کی شرط کا کیا حکم ہے، اس کے متعلق ہمارے ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوہر شرط کی پہلی صورت پر عمل کرتا ہے تو پہلے سے جس مہر کا ذکر کیا گیا ہے، عورت کو وہ مہر ملے گا، لیکن اگر شرط کی پہلی صورت کے بجائے دوسری صورت کو اختیار کرتا ہے تو اس وقت دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ شرط کی دوسری صورت کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر عورت کو مہر مثل دینا لازم ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک شرط کی دونوں صورتیں صحیح ہیں، اور ہر صورت میں شوہر پر متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہے، اب مفتی بہ قول کیا ہے؟ تو نکاح کے باب المہر کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک نکاح کے باب میں اصل مہر مثل ہے، ہاں اگر مہر مسمی مستحکم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل سے عدول کرکے مہر مسمی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ”بدائع الصنائع“ میں لکھا ہے۔

”إن الموجب الأصلی فی هذا الباب هو مهر المثل فلایعدل عنه إلاعند استحکام التسمیة“ (بدائع الصنائع ۲؍۲۸۰)۔

فقہاء حنفیہ کے مذکورہ نظریہ کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر متعین نہیں کیا، اور پھر اس شخص کا انتقال ہوگیا، تو اس شخص کی بیوی کا مہر حضور اکرم ﷺ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہر مثل مقرر فرمایا (نسائی ۲؍۸۸) اس حدیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے متعین نہ ہونے کی صورت میں عورت کو مہر مثل دیا جائے گا، اور مہر مسمی کا عدم استحکام بھی مہر متعین نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اس لئے اس صورت میں بھی مہر مثل کا فیصلہ ہونا چاہئے۔

لہٰذا فقہاء حنفیہ کے مذکورہ اصول کے تناظر میں جب سوال نامہ کی درج شدہ مذکورہ بالا صورت میں غور کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول مفتی بہ ہے،

کیونکہ شرط کی دوسری صورت کے متعلق عورت کو کچھ نہیں معلوم کہ شوہر اس کو طلاق دے گا یا نہیں، لہذا طلاق دینے والی دوسری صورت میں مہر کا تسمیہ مستحکم نہیں ہے، اور مہر مسمی میں استحکام نہیں ہے، تو اس صورت میں مہر مثل کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

۲- پہلی بیوی کا مہر دوسری شادی کرنے نہ کرنے پر متعین کرنا

اگر کسی شخص نے نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر ہم نے اس بیوی کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری شادی کی تو اس کا مہر ۳۰ ہزار ہوگا، اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں پہلی شرط صحیح ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں شوہر پر اس بیوی کو مہر مثل دینا لازم ہوگا، لیکن مہر مثل مسمی سے کم ہوگا یا زیادہ تو پھر اس کی کمی کی صورت میں مہر مسمی کی کمی اور زیادتی کی صورت میں مہر مسمی کی زیادہ مقدار کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۳- عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا

کسی مرد سے کسی عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے مذہب اسلام نے عورت کو کیا مقام و مرتبہ دیا ہے، اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کون نہیں جانتا کہ عورت کو اللہ تعالی نے مرد کے آرام وسکون کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور مردوں کو عورتوں کا نگراں مقرر کر کے عورتوں کے لئے کھانا کپڑا مکان مہیا کرنے کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے، عورتوں کو گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے، بچوں کی پرورش و پرداخت کے مقابلہ میں ماں ہی کو حق حضانت میں اولیت حاصل ہوتی ہے، شریعت نے عورت کو دنیا کے سامانوں میں سب سے بہترین سامان قرار دے کر اسے پردہ نشین رہنے کا حکم دیا ہے، اگر کبھی کسی عورت کو گھر سے نکلنا پڑے تو اسے پردہ کا حکم دیا گیا ہے، شوہر کو حکم ہے کہ جہاں رہے وہیں اپنی عورت کو بھی رکھے، پردہ عورت کی حقیقت میں داخل ہے، اور جسم کو پردہ میں رکھنے کے ساتھ آواز بھی پست رکھنے کا اسے حکم دیا گیا ہے، عورتوں کی سربراہی قوم وملت کی ہلاکت کا پیش خیمہ قرار دیا گیا ہے، اور بگڑتے ہوئے حالات میں مسجد میں جا کر نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی

سے عورتوں کو روکا گیا ہے، اگر کوئی عورت اپنی سرحد کو پھاند کر نمازی کے آگے جا کر کھڑی ہوجائے، یا کسی نمازی کے پاس آکر نماز شروع کردے تو اسے نماز کے خشوع میں مخل جانا گیا ہے، بلکہ نماز کے فساد تک کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کی اصل فطرت کیا ہے؟ جس پر اللہ تعالی نے اسے پیدا فرمایا ہے، اب اگر کوئی عورت اللہ رب العزت کی طرف سے دی ہوئی حیاء کے پردہ کو چاک کر کے خلاف فطرت کاموں کے کرنے کے لئے میدان میں اترتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے سند جواز دیا جائے، بلکہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، رہا بعض عورتوں کا دنیاوی تعلیم حاصل کر کے ملازمت کے لئے آگے بڑھنا، یا دنیا کے بہت سے ملکوں میں عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش رہ کر کام کرنا، تو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں دین وفطرت کے خلاف جو بہت سے کام انجام پارہے ہیں انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے، لیکن کبھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اگر کوئی عورت بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کی شرط لگائے تو شوہر اس کو اجازت دیدے، یا پہلے سے وہ عورت ملازمت کو اپنائے ہوئے ہے تو شوہر اس عورت کو اس پر باقی رہنے دے، بلکہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو شادی کے بعد ملازمت پر باقی رہنے دیتا ہے، تو بظاہر ایسے شخص کو دیوث کے مانند سمجھنا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی عورت کا بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کرنے یا ملازمت پر باقی رہنے کی شرط لگا کر نکاح کرنا اور شوہر کا عورت کی مذکورہ شرطوں کو منظور کرلینا، چونکہ مقاصد نکاح کے سراسر خلاف ہے، اسی لئے شوہر کے اس قسم کی شرطوں کو قبول کرلینے کے باوجود اس کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عورت کو سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکے اور عورت پر اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔

نکاح میں شرطیں لگانا

مولانا سید اسرار الحق سبیلی

نکاح ایک مضبوط اور پاکیزہ رشتہ ہے، جس میں بندھ کر ایک اجنبی مرد و عورت سکون، اعتماد اور محبت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، چونکہ یہ ایک دائمی رشتہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں، نیز موجودہ زمانہ میں طلاق کے لئے بے جا اور ناجائز استعمال نے انسانی معاشرہ میں ایک بے چینی اور بے اعتمادی کی کیفیت پیدا کردی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے معاشرہ اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں نکاح وطلاق کے مسائل کا جائزہ لیں، اور نکاح وطلاق کا وہی تصور امت کے سامنے پیش کریں، جو شریعت کے منشاء کے عین مطابق ہو۔

نفقہ وغیرہ کی شرط لگانا:

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے کوئی نئی ذمہ داری کسی فریق پر عائد نہیں ہوتی ہو، مثلاً مرد کے لئے نان ونفقہ اور سکنی کی شرط لگانا، جیسا کہ آجکل نکاح کے وقت نان ونفقہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ایسی شرط لگانے سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اس لئے کہ نفقہ اور سکنی وغیرہ تو شرط لگائے بغیر بھی شوہر پر واجب ہوتا ہے، اس کا وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن پاک کی آیت۔

"وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (سورۂ بقرہ: ۲۳۳)۔

(بچہ کے باپ پر اس کی ماں کا نان ونفقہ معروف طریقہ پر واجب ہے)۔

"أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ" (سورۂ طلاق: ۶)۔

(اپنی بیویوں کو رہنے کے لئے گھر دو جہاں تم رہتے ہو)۔

سے فقہاء نے بیوی کا نفقہ اور سکنی واجب قرار دیا ہے (دیکھئے: المبسوط ۵/۱۸۰، بدائع الصنائع ۲/۲۳۳، ہدایہ ۲/۴۱۷ باب النفقۃ)۔

اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی منقول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے موقعہ سے فرمایا تھا:

"ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (ابن ماجۃ ۲/۲۲۲ طبع دیوبند، مسند احمد ۵/۷۳)۔

(عرف کے مطابق تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر نفقہ اور کسوہ (کپڑا) واجب ہے)۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

کسی عورت سے ایک ہزار روپے پر اس شرط کے ساتھ شادی کی کہ وہ بیوی سے رات ودن دونوں میں ہم بستر ہوگا، یا اس کو نفقہ دے گا، اس کو کپڑا دے گا، اس کے ساتھ سفر کرے گا، بشرطیکہ عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے، تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہے، اس سے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ یہ شرطیں تقاضۂ عقد میں داخل ہیں (المجموع شرح المھذب ۱۸/۱۸ طبع مکتبۃ الارشاد جدۃ)۔

بعض ذمہ داریوں سے سبکدوشی کی شرط:

نکاح کے وقت ایسی شرطیں لگانا جن سے نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً مرد یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان ونفقہ میرے ذمہ نہیں ہوگا، ایسی شرطیں لگانے سے نکاح درست ہوجائے گا اور بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا، یہ شرطیں کالعدم قرار دی جائیں گی، چنانچہ "فتاوی عالمگیری" میں ہے:

کسی آدمی نے ایک ہزار روپے مہر کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ نہیں ہوگا، جبکہ عورت کا مہر مثل سو روپے ہے، تو عورت کے لئے ہزار روپے اور نفقہ مرد پر واجب ہوں گے (الفتاوی الھندیہ ۱/ ۳۰۹ طبع دار صادر بیروت، فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۱۰۵ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد)۔

کیونکہ نفقہ کا وجوب نفس عقد سے نہیں ہوتا ہے (اسی لئے نابالغ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا ہے (الہدایہ ۲/ ۴۱۸ طبع رشیدیہ دہلی) بلکہ نفقہ کے وجوب کا سبب حبس ہے، اور سبب سے پہلے کسی چیز کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۱ ۳ طبع دار الفکر دمشق)۔

کچھ مزید شرطیں

نکاح کے وقت ایسی شرطیں لگانا جو نہ عقد نکاح سے لازم ہوتی ہو اور نہ ایسی شرط ہو جس کی وجہ سے عقد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، ایسی شرط دو طرح کی ہوسکتی ہے:

(۱) نکاح کے وقت ایسی شرط لگائی گئی جو صحیح ہو، یعنی تقاضۂ عقد کے مطابق ہو اور احکام شرع کے منافی بھی نہ ہو، جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو علاحدہ (seprate) گھر میں رکھے گا، نہ کہ اپنے خاندان والوں یا سوکن کے ساتھ ، یا عورت کے خاندان والوں کی اجازت کے بغیر شوہر اس کو دور سفر پر نہیں لے جائے گا یا عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کو کلبوں اور تھیٹروں میں نہیں لے جائے گا تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہوگا، نکاح منعقد ہوگا، اور ان شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۴)۔

(۲) عاقدین میں سے کسی نے ایسی شرط لگائی جو فاسد ہے، یعنی تقاضۂ عقد کے خلاف ہے، یا احکام شرعیہ کی رو سے ایسی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، تو عقد نکاح صحیح ہوجائے گا، اور صرف شرط باطل ہوجائے گی (حوالہ سابق)، جیسے نکاح کے وقت زوجین کا یہ شرط لگانا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/ ۳۳۱) اس لئے کہ اللہ تعالی نے زوجین کو ایک دوسرے کی وراثت کا حق دیا ہے جس کو اپنی رضامندی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تفویض طلاق:

نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مرد کی بجائے اس کی عورت کو ہوگا، اور مرد اس کو قبول کرلے، یعنی ایجاب عورت کی طرف سے اور قبول مرد کی طرف سے ہو، تو عورت کو طلاق کا اختیار رہوگا، چنانچہ علامہ فخر الدین اوزجندی کا بیان ہے:

اگر عورت نے ابتداء کہا میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ کو طلاق واقع ہوگی یا مجھ کو طلاق کا حق ہوگا کہ میں جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں اور مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہے، پہلی شرط کی بنا پر عورت کو طلاق پڑ جائے گی، اور دوسری شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

اس لئے کہ اگر ابتداء (ایجاب) شوہر کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، کیونکہ عورت کے ایجاب کے بعد جب مرد نے کہا میں نے قبول کیا، اور جب کہ جواب میں سوال کے الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے گویا اس نے کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھ کو طلاق ہے، یا طلاق کا معاملہ تیرے حوالہ ہے، تو یہ نکاح کے بعد تفویض ہے (فتاوی خانیہ ۱/۳۲۹)۔

چنانچہ جب عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا تو اس اختلارطلاق (تفویض) کو شوہر ختم نہیں کرسکتا ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

کسی نے اپنی بیوی سے کہا: جب اور جس وقت تو چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، تو عورت جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، کسی وقت کی قید نہیں ہوگی اور نہ شوہر کو تفویض طلاق کو ختم کرنے کا حق ہوگا (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۵۱۷ طبع رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)۔

نکاح میں شرائط کی صورتیں:

اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے پا جائیں اور اس کی تحریر پر عاقدین کے دستخط بھی ہو جائیں تب بھی ان شرائط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، مثلاً اگر نکاح سے پہلے عورت نے یہ شرط لگائی کہ طلاق کا معاملہ میرے حوالہ ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ نکاح سے پہلے مرد

طلاق کا مالک ہی نہیں ہوتا، اور آدمی جس چیز کا مالک نہیں وہ چیز دوسرے کے حوالہ کس طرح کرسکتا ہے؟ چنانچہ قاضی خاں کی عبارت ابھی گذر چکی ہے کہ تفویض طلاق کی شرط میں اگر ایجاب (پہلا قول) مرد کی طرف سے ہو تو تفویض صحیح نہیں ہوگی، اگر عورت ایجاب کرے تو تفویض اس لئے صحیح ہوجاتی ہے کہ شوہر نے گویا مشروط طلاق کو قبول کیا ہے۔

موجودہ صورت میں نہ تو ایجاب پایا جاتا ہے اور نہ قبول، لہذا عقد نکاح سے پہلے شرطیں لگانا صحیح نہیں ہوگا علامہ عبدالرحمٰن جزیری شافعیہ کا مسلک اور ان کی شرائط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فإذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فإنها لا يعمل بها" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۸۹/۲ طبع دار الدموۃ استنبول)

اگر مذکورہ شرائط، عقد سے قبل لگائی جائیں تو اس پر عمل ضروری نہیں ہوگا۔

۲- البتہ اگر عقد نکاح ہی میں شرط لگائی اور وہ جائز ہو، تقاضہ عقد کے خلاف نہ ہو اور ایجاب مشروط ہو تو شرط لگانا صحیح ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے:

"عورت نے کہا: میں نے اپنا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ مجھ کو طلاق ہوگی، یا طلاق کا معاملہ میرے سپرد ہوگا، جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح درست ہے اور شرط کے مطابق پہلی صورت ہی میں عورت کو طلاق واقع ہوجائے گی اور دوسری صورت میں عورت کو طلاق کے استعمال کا حق ہوگا" (فتاوی قاضی خاں ۳۲۹/۱)۔

مذکورہ صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہے اور مرد کی طرف سے قبول مطلق ہے۔ مطلق قبول کو مشروط ایجاب پر محمول کیا جائے گا، لیکن ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو تو ایسی شروط کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) اسی طرح عقد نکاح کے بعد اگر بیوی شوہر کے درمیان شرائط نامہ تیار ہوں اور اس کو دونوں اپنی رضامندی سے قبول کریں اور اس پر دستخط بھی کریں، تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

"عن عقبة عن النبی قال أحق ما أوفیتم من الشروط أن تعارفو ا به ما استحللتم به الفروج" (بخاری ۲/ ۷۷۴ باب الشروط فی النکاح)۔

(حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے اہم شرط جس کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے وہ بیویوں کی بابت لگائی گئی شرط ہے، جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں)۔

عورت کو طلاق کا مشروط حق دینا، مصلاح شرع کے خلاف نہیں، شریعت نے مردوں کو طلاق دینے کا حق دیا ہے' لیکن اس کے ساتھ شریعت نے مردوں کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو عورت کو طلاق کا اختیار دے سکتے ہیں۔

چنانچہ جب سورۃ احزاب کی آیت:

"یا أیها النبی قل لأزواجک إن کنتن تردن الحیٰوة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعکن وأسرحکن سراحا جمیلا وإن کنتن ترد ن الله ورسوله والدار الآخرة فإن الله أعد للمحصنات منکن أجرا عظیما" (سورہ احزاب:۲۸)۔

(اے پیغمبر! اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب وزینت کو ترجیح دیتی ہو تو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، میں تمہیں کچھ مال ومتاع دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردوں گا، اور اگر تم لوگ اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو ترجیح دیتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے پاک دامن عورتوں کے لئے عظیم الشان بدلہ تیار کر رکھا ہے)۔

نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دیا تھا، چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

"عن عائشة قالت ۔ خیرنا رسول الله فاخترنا الله ورسوله فلم یعد ذلک علینا شیئا" (بخاری ۲/ ۷۹۲)۔

(حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ہم ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دیا تھا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کیا، لہذا ہم پر کوئی طلاق وغیرہ نہیں پڑی)۔

اس لئے فقہاء نے تفویض طلاق کی اجازت دی ہے، موجودہ زمانہ میں جبکہ طلاق کا غلط استعمال بہت زیادہ ہورہا ہے، جس کی وجہ سے دوسری قوموں میں اسلام کا غلط تأثر پڑ رہا ہے، عورت کا طلاق کی شرط لگانا ازدواجی مصلحت اور حسن معاشرت کے لحاظ سے صحیح ہے، شیخ عبدالرحمٰن جزیری نے اس سلسلہ میں اچھی بحث کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب مرد عورت کے لئے طلاق کی شرط لگائے اور کہے میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، تو یہ شرط فاسد ہے، لیکن جب عورت شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہوگا، تو یہ شرط صحیح ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، آخر ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں طلاق تنہا مرد کی خصوصیات میں سے ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ طلاق صرف مرد ہی کے قبضہ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں، اور عورت کا اپنے لئے شرط لگانا صحیح نہ ہو، اور نہ ہی مرد کا یہ شرط قبول کرنا صحیح ہو، اس لئے کہ اس میں فی الجملہ قلب موضوع ہے۔

لیکن چونکہ اس جیسی شرط کے قبول کرنے میں اکثر ازدواجی مصلحت، حسن معاشرت اور باہمی ربط کی پختگی مضمر ہے، اس لئے شریعت نے اس شرط کو صحیح اور قابل قبول قرار دیا ہے، خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ کوئی تاوان نہ ہونے کی صورت میں عورت اکثر و بیشتر مرد کے ساتھ رہنے میں اندیشہ محسوس کرتی ہے، گویا اس جیسی شرط لگانے میں مرد و عورت دونوں کی مصلحت پوشیدہ ہے، لہذا ایسی شرط لگانا صحیح ہوگا (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۸۶/۴، ۸۵)۔

جزیری اور خانیہ کی عبارت سے اندازہ ہوگیا کہ تفویض کی شرط عورت کی طرف سے ہو تو صحیح ہے، لیکن مرد اگر اپنی طرف سے کوئی شرط لگا دے تو یہ صحیح نہیں ہوگی۔

طلاق کی صورت مہر میں اضافہ:

نکاح کے وقت اگر یہ شرط لگائی گئی کہ طلاق دینے کی صورت میں عورت کا مہر بیس ہزار روپے، اور طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر دس ہزار ہوگا، میرے خیال میں یہ صورت جائز ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ بھی ازدواجی مصلحت میں شامل ہے، تاکہ لوگ خواہ مخواہ طلاق دینے سے گریز کریں، نیز طلاق کے بعد عورت جو بے سہارا ہوجاتی ہے، اس زائد رقم سے وہ کوئی کام کرسکتی ہے۔ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا (ملتقی الابحر ۱/ ۲۵۰، مؤسسة الرسالۃ بیروت ۱۹۸۹ء) اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اگر طلاق کی صورت میں مہر میں اضافہ کی شرط لگائی گئی تو طلاق کے بعد زائد مشروط رقم ادا کرنا ضروری ہوگا، کیوں کہ ترجیح کی بابت اصول یہ ہے کہ جن مسائل کا تعلق باب قضاء سے ہے، اس میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح ہوگی، چنانچہ علامہ شامیؒ کا یہ شعر ہے۔

"**وكل فرع بالقضاء تعلقا ۔ قول أبي يوسف فيه ينتقى**" (شرح عقد رسم المفتی/ ۸۰ طبع مکتبہ سعیدیہ سہارنپور)۔

لہٰذا اس گر قاضی کے پاس یہ معاملہ پیش ہوگا تو صاحبین کے قول پر ہی فیصلہ کرے گا۔

دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط:

نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اس عورت کے رہتے ہوئے اگر شوہر دوسری شادی کرے گا تو عورت کا مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور دوسرا نکاح نہ کرنے کی صورت میں پندرہ ہزار ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح ہوگا، اور عقد ثانی کرنے کی صورت میں عورت تیس ہزار مہر کی مستحق ہوگی، عبداللہ بن قدامہ کا بیان ہے:

"**وإن تزوجها وشرط لها أن لايتزوج عليها ۔ فلها فراقه إذا تزوج عليها**" (المغنی ۷/ ۷۱ طبع دار الفکر بیروت)۔

(اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اس عورت کے رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا، اگر شوہر نے دوسری شادی کر لی تو اس عورت کو اپنے شوہر سے علاحدہ ہو جانے کا اختیار ہوگا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے، اسی طرح حنفیہ کے یہاں بھی یہ بات ملتی ہے کہ مہر میں یہ شرط لگائی کہ اس عورت کے علاوہ اگر اس کی بیوی نہ رہی تو عورت کا مہر ایک ہزار ہوگا، اگر کوئی بیوی رہی، یعنی اس نے کوئی دوسرا نکاح کیا تو عورت کا مہر دو ہزار ہوگا، صاحبین نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۵) لہذا اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے والے مسئلہ میں موجودہ حالات و زمانہ کے لحاظ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ملازمت کی شرط

نکاح کے وقت اگر عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس کو نوکری کرنے سے نہیں روکے گا، تو یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ عورت پر ہر وقت مرد کا حق ہے، ملازمت کی شرط لگانے سے اس حق میں رکاوٹ پیدا ہوگی، نیز یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف بھی ہے، چنانچہ ایسی شرط لگانے سے نکاح تو درست ہو جائے گا، لیکن شرط باطل ہو جائے گی، اور اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں ہوگا، امام نوویؒ کا بیان ہے:

''عقد نکاح کے وقت عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس سے ہم بستر نہیں ہوگا، یا صرف رات میں (دن میں نہیں) ہم بستر ہوگا، یا ایک سال اس کے پاس نہیں جائے گا، تو اس کی وجہ سے نکاح باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو تقاضۂ عقد کے خلاف ہے، لیکن اگر مرد نے عقد کے وقت انہی کاموں کے کرنے کی شرطیں لگائیں تو نکاح باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا حق ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اس شرط سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا'' (المجموع شرح المهذب ۱۹/۸)۔

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا "**لأن النكاح لايبطل بالشروط الفاسدة**" (ہدایہ ۲/ ۲۹۳)۔

علامہ نوویؒ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اگر عورت سے سو درہم کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ جب چاہے عورت گھر سے باہر جاسکتی ہے تو نکاح صحیح ہے اور شرط و مہر فاسد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں (المجموع ۱۸/ ۱۸)۔

نکاح کی شرطوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ شرط تو باطل ہوجاتی ہے اور عقد صحیح رہتا ہے، جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ عورت کا کچھ بھی مہر نہیں ہوگا، یا شوہر اپنی بیوی پر کچھ بھی خرچ نہیں کرے گا، یا اس کا مہر اس کو لوٹا دے گا، یا عورت یہ شرط لگائے کہ مرد اس سے ہم بستر نہیں ہوگا یا عزل کرے گا، یا دوسری سوکن کا حصہ اس کو دیدے گا، یا اس کی باری میں اضافہ کرے گا، یا یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے پاس صرف دن میں رہے گا، رات میں نہیں رہے گا، تو یہ شرط باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں (المغنی ۷/ ۷۲)۔

عورت اگر دن میں ملازمت کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے، تو شوہر پر ایسی بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"**إذا تزوج المحترفات التی تکون عامة النهار فی الكار خانة والليل مع الزوج، لا نفقة لها**"۔

(اگر ایسی عورت سے شادی کی جو پورے دن کارخانہ میں کام کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے، تو شوہر پر ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا)۔

نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں

مولانا نعیم اختر قاسمی ☆

نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں تین قسم کی ہوسکتی ہیں:

(۱) ایسی شرائط جن سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں بلکہ عقد نکاح اس شرط کا متقاضی ہوتا ہے، مثلاً مرد کا یہ شرط لگانا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تو دوسرے کی بیوی یا دوسرے کی عدت میں نہیں رہے گی، یا تم کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، یا اس جیسی دیگر شرائط'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۸۵/۴) اور ان شرائط کے احکام جاننے سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کسی بھی شرط سے فاسد نہیں ہوتا (ہدایہ ۲۹۳/۲ کتاب النکاح) اگر شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو، یا شریعت کے مخالف نہ ہو تو درست ہے اور اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے اور اگر مقتضائے عقد کے خلاف ہو، یا اس سے شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، تو خود شرط ہی باطل ہو جاتی ہے اور نکاح درست قرار پاتا ہے۔

اس پہلی قسم کی شرطوں کی بابت علامہ مرغینانی تحریر فرماتے ہیں:

''قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایسی شرط جس کا خود عقد متقاضی ہو، مثلاً مشتری کیلئے ملکیت کی شرط لگانا تو اس سے عقد فاسد نہ ہوگا، یوں کہ اس کا ثبوت تو بلا شرط بھی ہوتا ہے'' (ہدایہ ۵۹/۳ باب البیع الفاسد)۔

☆ کوپا گنج، مئو

ظاہر ہے کہ ایسی شرائط سے جب عقد بیع فاسد نہیں ہوتا، تو عقد نکاح جس میں شرط فاسد مؤثر ہی نہیں ہوتی، کیسے فاسد ہوسکتا ہے؟

امام شافعیؒ کی رائے اس سلسلہ میں حنفیہ کی رائے کے موافق ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

''کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ دن اور رات دونوں کے اندر جماع کرے گا یا اس کو نفقہ اور کسوہ دے گا، یا اس کے ساتھ سفر کرے گا، یا عورت شوہر کے گھر سے بلا اجازت نہیں نکلے گی، تو نکاح درست ہوگا، اور شرط کا مہر پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ یہ شرائط مقتضائے عقد سے متعلق ہیں، اور اگر شوہر نے دوسری شادی کرنے یا باندی خریدنے کی شرط لگائی تو نکاح صحیح ہوگا، اور یہاں بھی شرط مہر کے اندر مؤثر نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے منافی نہیں ہے (المجموع شرح المھذب ۱۸/۱۸ طبع الارشاد)۔

دوسری قسم میں وہ شرائط آتی ہیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً اس شرط پر نکاح کرنا کہ شوہر مہر ادا نہیں کرے گا یا بیوی کو نفقہ اور سکنی نہیں ملے گا۔

اس قسم کی شرائط خود باطل ہوجاتی ہیں اور نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ دونوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، تو یہ شرط خود باطل ہوجائے گی اور دونوں کے مابین وراثت جاری ہوگی، کیونکہ وراثت حق شرع ہے اور اللہ کی جانب سے متعین کردہ ہے، اسے ساقط کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ علامہ اوزجندیؒ لکھتے ہیں:

''کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار درہم کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، تو نکاح درست ہوگا اور دونوں کے مابین وراثت بھی جاری ہوگی، اور مہر ایک ہزار ہی ہوگی خواہ مہر مثل اس سے کم ہو یا زائد'' (قاضی خاں علی الھندیہ ۱/ ۱۳۳ فصل فی النکاح علی الشرط)۔

اسی طرح اگر نفقہ یا مہر نہ دینے کی شرط لگائی تو بھی یہ شرط باطل قرار پائے گی، کیوں کہ

نفقہ کا سبب وجوب ''احباس'' ہے (ہدایہ ۲/ ۱۷۴ باب النفقہ ،خانیہ علی الھندیہ ۱/ ۴۲۴) یعنی شوہر کا بیوی کو اپنے پاس روکے رکھنے سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور یہ شرعی حق ہے اور مہر بھی شریعت کی جانب سے مقرر کردہ ہے، جس کے ابطال کا کوئی شخص مجاز نہیں۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ بیوی کو نفقہ نہ دے گا، جب کہ اس کا مہر مثل ایک سو ہے تو ایک ہزار ہوگا اور نفقہ کی بھی حقدار ہوگی (ہندیہ ۱/ ۳۰۹ الشرط فی المھر)۔

اور صاحب ''ہدایہ'' لکھتے ہیں:

''مہر کا وجوب شریعت کی جانب سے محل کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، لہذا نکاح ہونے کے لئے مہر کا ذکر ضروری نہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ نکاح کے وقت مہر نہ دینے کی شرط لگائی ہو'' (ہدایہ ۲/ ۳۰۳ باب المھر)۔

(۳) تیسر قسم کی شرطیں وہ ہیں جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوجاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی۔

اس قسم کی شرائط کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں:

(ا) پہلی قسم میں وہ شرائط داخل ہوں گی جن کی بجاآوری میں ایک مشروع اور جائز امر سے باز رہنا یا حکم شرعی کی خلاف ورزی لازم آئے، مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہیں نکالے گا، یا اسکے نکاح میں رہتے ہوئے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دیگا، تو ان تمام صورتوں میں یہ شرائط خود فاسد ہوجائیں گی اور نکاح کے بعد ان کا ایفاء لازم نہیں، چنانچہ صاحب ''عنایہ'' تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات پہلے مذکور ہوچکی کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا، لہذا اگر کسی عورت سے ایک ہزار کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ اس کو اس کے وطن سے نہیں نکالے گا، یا اس کی

موجودگی میں کسی عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دے گا، تو نکاح درست ہے اور شادی نہ کرنے، اس کو سفر میں نہ لے جانے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ اس میں جائز امر سے باز رہنا لازم آتا ہے (عنایۃ علی الفتح ۳/ ۲۳۱)۔

یہی رائے امام مالکؒ کی بھی ہے (مجموع ۱۸/ ۱۸ الارشاد)۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں کسی جائز اور مشروع امر سے باز رہنا یا شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، مثلاً عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، یا اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں مطلقہ ہوجاؤں گی، تو اس صورت میں شرط معتبر ہوگی اور طلاق کا اختیار مرد کے بجائے عورت کو حاصل ہوگا۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''اگر عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر شادی کررہی ہوں کہ میں مطلقہ ہوں گی، یا طلاق دینے کا اختیار مجھے حاصل رہے گا، جب چاہوں تم سے چھٹکارا حاصل کرلوں اور شوہر نے اس شرط کو قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا، طلاق واقع ہوگی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار بھی رہے گا (ہندیہ ۱/ ۲۷۳ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد)۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باندی سے نکاح کرے کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ آزاد ہوگی، تو یہاں بھی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد آزاد ہوگی۔

فخر الدین قاضی خاںؒ تحریر فرماتے ہیں:

''کسی نے دوسرے کی باندی سے بایں شرط شادی کی کہ پیدا ہونے والی اولاد آزاد ہوگی تو نکاح اور شرط دونوں درست ہیں، کیون کہ اگر شرط نہ لگائی جائے تو پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوگی، لہذا شرط نے ایک چیز کا فائدہ پہنچایا'' (قاضی خاں علی ھامش الہندیہ ۱/ ۳۳۰)۔

خلاصہ کلام یہ کہ تیسری قسم کی شرط میں اگر کسی حکم شرعی کی مخالفت ہورہی ہو تو وہ شرط باطل ٹھہرے گی، ورنہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

کیا بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد اس سے رجوع ممکن ہے؟

بیوی کو طلاق دے دینے کے بعد شوہر اگر اپنے اختیار کو واپس لینا چاہے، تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں، کیونکہ یہ اختیار دینا تملیک ہے توکیل نہیں، شامی میں ہے:

''طلاق کا اختیار بیوی کو دے دینے کے بعد شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کے اندر تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے، تفویض کی تینوں قسموں تخییر، امر بالید اور مشیئت کسی میں بھی شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں'' (ردالمحتار ۲/۵۱۶)۔

نکاح میں شرط لگانے کی صورتیں:

نکاح میں شرط لگانے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کی دستخط ہوجائے، ایسی صورت میں چونکہ پہلے سے شرائط نکاح طے شدہ ہیں، اس لئے بوقت نکاح ایجاب وقبول میں گو صراحتاً ان شرائط کا ذکر نہ کیا جائے تاہم ان کا ذکر سمجھا جائے گا، اور یہی مانا جائے گا کہ بوقت ایجاب وقبول ان شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت ان شرائط کا ذکر کیا جائے، اگر ایجاب مشروط ہو تو قبول گو مطلق ہو، مثلاً صرف ''قبلت'' کہہ دے تو بھی **''السوال معاد فی''** (جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے) کے قاعدہ کے بموجب قبول مشروط ہی سمجھا جائے گا۔

البتہ اگر ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط، تو اس صورت میں قبول چونکہ ایجاب کے موافق نہیں ہے، اس لئے عقد نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، ہاں اگر فریق اول یعنی ایجاب کرنے والا قبول مشروط کو مان لے تو پھر نکاح ان شرائط کے ساتھ منعقد ہوجائے گا، معروف فقیہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''نفس عقد سے متعلق شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو، پھر اگر مشتری نے بائع کے ایجاب میں سے بعض کو قبول کرلیا تو بائع کی جانب سے یہ دوسری بیع ہوگی، چنانچہ اگر اسی مجلس

میں بائع نے مشتری کی بات قبول کر لی تو اگر بعض حصہ مبیع کی قیمت متعین ہو تو بیع جائز ہوگی ورنہ نہیں'' (بدائع الصنائع ۱۳۶/۵ کتاب البیوع)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ نکاح بلا شرط منعقد ہوا ہے، بعد میں کوئی شرط لگانے سے وہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کی حیثیت ایک معاہدہ کی ہوگی۔

طلاق کا اختیار دینا مصلحت کے منافی نہیں:

طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دیا جانا شریعت ہی کا نہیں، عقل کا بھی تقاضا ہے، عورتیں طبعاً جذباتی، نازک اور عجلت پسند ہوتی ہیں، جس کی بناء پر بلا عواقب ونتائج پر غور کئے کوئی اقدام کر گزرتی ہیں، اس کے بالمقابل مرد کو اللہ تعالی نے سمجھدار، نتائج وعواقب پر نظر رکھنے والا اور زیادہ قوت برداشت کا مالک بنایا ہے، وہ کوئی بھی اقدام کرے گا تو اس کے مطمح نظر اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہوں گے، جس کی بناء پر طلاق جس کی شریعت نے شدید ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، اس کی نوبت کم آتی ہے۔ اور معاشرہ کسی بڑی تباہی سے دوچار ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کو ظالم مرد سے نجات پانے اور اس کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے، اسلام نے اس کی تین صورتیں نکالی ہیں:

پہلی صورت خلع کی ہے کہ عورت شوہر کو مال دیکر طلاق لے لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگادے کہ نکاح کے بعد اگر فلاں صورت پیش آئی تو مجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا۔

خلع میں کوئی ضروری ہے کہ مرد بدل خلع قبول ہی کر لے، ایسا ممکن ہے کہ شوہر اس پر راضی نہ ہو اور مظلوم عورت ظلم وستم کی چکی میں پستی رہے۔

جہاں تک اسلامی عدالت میں قاضی کے فسخ نکاح کا مسئلہ ہے تو ہندوستان جیسے ملک کی اکثر ریاستوں اور شہروں میں اس کا نظم نہیں ہے اور غیر مسلم جج کا فسخ نکاح معتبر نہیں، عورت اپنی داستان غم کسے سنائے اور کس کے پاس فریاد لے کر جائے؟ اس لئے ہمارے علاقے، زمانے اور معاشرے میں اس صورتحال کا بہترین حل یہی ہے کہ عقد نکاح کے وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق دینے کے اختیار کی شرط کو ایسی شرائط کے ساتھ وابستہ کیا جائے، جس میں مقاصد شریعت فوت نہ ہوں اور عورت کی بھی مصیبت اور تباہی سے دوچار ہونے سے حفاظت کی جاسکے، مثلاً مرد بیرون ملک میں رہتا ہے اور کافی دنوں کے بعد واپس آتا ہے اور ایسی صورت میں عورت کو کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو عورت بوقت نکاح یہ شرط لگاسکتی ہے کہ اگر شوہر اتنے دن تک مجھ سے دور رہا تو مجھے طلاق دینے کا اختیار ہوگا، بلاشرط طلاق کے اختیار کو عورت کے حوالہ کردینے میں مصلحت شرعیہ کا فقدان لازم آئے گا۔

مہر میں تفاوت کی شرط

اس شرط کے ساتھ نکاح ہو کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار روپیہ ہوگا اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار روپیہ ہوگا، اسی مسئلہ کو فقہ کے اس مشہور جزئیہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار روپیہ اور اگر باہر لے گیا تو دو ہزار روپیہ ہوگا، کیونکہ مسئلہ کسی خاص صورت میں محدود نہیں ہے، اس کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

چنانچہ ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''اگر ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ مرد کی پہلے سے کوئی بیوی نہ ہو اور دو ہزار مہر اس شرط پر مقرر کیا کہ اس کی پہلے سے کوئی بیوی موجود ہو، یا عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالنے پر ایک ہزار اور نکالنے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا، یا عجمی ہونے کی صورت میں ایک ہزار اور عربی ہونے کی صورت میں دو ہزار، یا اس طرح کی اور بھی جو صورتیں ہوں تو نکاح بلاشبہ جائز ہے، رہ گئی مہر تو پہلی شرط بالاتفاق جائز ہے، چنانچہ اگر شرط کو پورا کیا تو مہر مسمی لازم ہوگا

اور اگر شرط کی مخالفت ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا، جو اقل سے کم نہ ہوگا اور نہ اکثر سے زائد ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں‘‘ (الفتاوی الہندیہ ۱؍۳۰۸ الفصل الرابع فی المہر)۔

کیا صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟

طلاق کا جو آج کل بے جا ناجائز استعمال ہو رہا ہے، اس پر قابو پانے کے لئے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دینا چاہئے۔

ملازمت کی شرط لگانا

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ عورت گھر کی ملکہ ہو، کسی دفتر یا کارخانہ کی ملازمہ نہ ہو، گھر کی دنیا میں رہ کر وہ اپنے شوہر، بچے، والدین، بہن، بھائی کی خدمت کرے، دفتر اور کارخانوں میں ملازمہ بن کر اجنبی مردوں کی دلچسپی کا سامان نہ بنے، قرآن نے عورتوں کی تخلیق کا مقصد بایں الفاظ بیان کر دیا ہے: ”وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ “(سورۂ احزاب؍ ۳۳) (یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو)، وہی تمہارا مسکن ہے اور وہیں تمہیں کام کرنا ہے، رہ گیا نان ونفقہ اور سکنی کا مسئلہ، سو شریعت نے شادی سے پہلے اس کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم کیا، اور شادی کے بعد شوہر کے ذمہ عائد کی، اس لئے ملازمت وغیرہ کی شرط جو مغربی افکار ونظریات کی پیداوار ہے، اور جن کے نزدیک عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں، شریعت اسلامی کی رو سے جائز نہیں ہے، نکاح درست ہو جائے گا، اور شوہر گو اس کو قبول کرے تاہم اس کا پورا کرنا لازم نہیں اور شرط باطل ہو جائے گی، اگر شوہر سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا عورت کو حکم دے، یا نئی ملازمت سے روکے تو ایسا حکم دینے میں شوہر حق بجانب ہے، مسئلہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو باہر نکلنا ممنوع ہے، اگر چہ وہ علم کی مجلس ہو (قاضی خاں علی الہندیہ ۱؍ ۴۴۳) حتی کہ شوافع کے نزدیک شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے اپنے والدین کی عیادت، ان کے جنازہ میں شرکت اور ان کی تعزیت بھی ممنوع ہے (شرح المہذب ۱۸؍ ۹۷ طبع الارشاد)۔

نکاح کے موافق اور منافی شرائط

مولانا محمد نور القاسمی

مقتضیات عقد شرائط

جو شرائط مقتضیات عقد میں سے ہیں ان کا ایفاء واجب ہے، مثال کے طور پر عقد کے وقت یہ شرط لگا دینا کہ شوہر عورت کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرے گا، یا یہ کہ عورت کا نفقہ، کسوہ، اور سکنی سب شوہر پر لازم ہوگا، نیز بیوی کے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی شوہر نہیں کرے گا، اور اس بیوی کے لئے بھی وہی باری متعین کرے گا جو دوسری بیویوں کے لئے متعین کرے گا، یا یہ کہ عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہ نکلے گی، نہ شوہر کی نافرمانی کرے گی اور نہ ہی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھے گی، نہ شوہر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرفات کرے گی وغیرہ وغیرہ، ان تمام شرطوں کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا، یعنی نکاح کے انعقاد پر اس کا کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا، اور ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری ہوگا، یہ ایفا ان شرائط کے لگا دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ عقد نکاح ہی کی وجہ سے ان امور کا پورا کرنا واجب ہوگا، چنانچہ سید سابق صاحب فقہ السنہ لکھتے ہیں:

جن شروط کا پورا کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں، جو مقتضیات عقد اور مقاصد عقد میں سے ہوں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو بدلنا لازم نہ آتا ہو، مثال کے طور پر اچھی

طرح زندگی گزارنے کی شرط لگانا، عورت کے نفقہ کی شرط لگانا، اس کے پہناوے اور اس کو اچھی طرح رکھنے کی شرط لگانا، نیز یہ کہ شوہر اس کے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کرے گا، دوسری بیویوں کی طرح اس کی باری بھی مقرر کردے گا، اور یہ شرط لگادے کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہیں نکلے گی اور اس کی نافرمانی نہیں کرے گی اور بغیر اس کی اجازت کے نفل روزہ نہیں رکھے گی، کسی کو گھر آنے کی اجازت اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے گی، اور بغیر اس کی رضامندی کے اس کے مال واسباب میں تصرف نہیں کرے گی وغیرہ (فقہ السنہ ۲ / ۶۴)۔

غیر مقتضیات عقد اور منافی عقد شرائط:

شرط کی دوسری قسم جو مقتضیات عقد میں سے نہ ہوں اور منافی عقد ہوں، مثلاً نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگا دینا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ہوگا، یا یہ کہ عورت کا مہر شوہر پر نہیں ہوگا، یا یہ کہ عورت ہی شوہر کا نفقہ برداشت کرے گی، یا یہ کہ بیوی شوہر کو کچھ روپے پیسے دے گی یا شوہر یہ شرط لگادے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں تو رہے گا، مگر رات میں نہیں رہے گا وغیرہ، تو یہ تمام شرائط فاسد ہوں گی، اس لئے کہ یہ شرائط عقد نکاح کے منافی ہیں ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے، البتہ نکاح درست ہوجائے گا، چنانچہ ''المجموع'' میں ہے:

اگر کسی عورت سے ایک سو کے عوض میں شادی کی، بشرطیکہ وہ دوسری شادی نہیں کریگا، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری باندی سے وطی نہیں کرے گا، یا اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا، یا وہ بیوی کے ماں باپ سے بات نہیں کرے گا، یا یہ کہ وہ اس کو پہننے کے لئے کپڑا نہیں دے گا اور عورت کا نفقہ اس پر نہیں ہوگا، یا اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ جب چاہے گھر سے نکل جائے تو نکاح تو درست ہوجائے گا، البتہ شرط اور مہر دونوں فاسد قرار دئے جائیں گے، اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ ہیں (کتاب المجموع ۱۸ / ۱۸ طبع مکتبۃ الارشاد جدہ)۔

نیز علاء الدین سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

''کسی نے بغیر مہر کے نکاح کیا یا مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح کیا اور عورت نے قبول کرلیا، تو ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہوگا'' (تحفۃ الفقہاء ۱/۱۳۵ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

اس سے بھی واضح عبارت فقہ السنۃ کی ہے، جس سے مسئلہ منقح ہوجاتا ہے۔

''ان شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عقد نکاح کے درست ہونے کے باوجود اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا ہے، یہ مقتضاء عقد کے منافی شرط ہوتا ہے، مثال کے طور پر نفقہ اور وطی کے چھوڑ دینے کی شرط لگائی، یا اس کو مہر نہ دینے کی یا اس سے عزل کرنے کی شرط لگائی، یا یہ شرط لگائی کہ عورت ہی اس کا خرچ برداشت کرے گی یا وہ اس کو کچھ روپے دے گی، یا وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ شب باشی کرے گا، یا صرف دن میں تعلق قائم کرے گا، رات میں نہیں تو یہ تمام شرائط باطل ہیں، کیوں کہ عقد کے منافی ہیں'' (فقہ السنۃ ۲/۱۴۷)۔

مذکورہ بالا شرائط فاسد ہیں اور فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ شرائط فاسدہ کے پائے جانے کے بعد بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''**والنکاح لا تبطله الشروط الفاسدة**'' (بدائع الصنائع ۲/۲۷۷ دار الکتب العلمیہ)۔

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، امام شافعی کے نزدیک اگر عورت نے یہ شرط لگائی کہ مرد اس سے نکاح کے بعد وطی نہیں کرے گا، یا اس شرط پر نکاح کیا کہ شوہر کو صرف رات میں تعلق قائم کرنے کا اختیار ہوگا، یا یہ کہ وہ بیوی کے پاس ایک سال تک نہیں جائے گا، تو عورت کی جانب سے لگائی گئی ان شروط کی بناء پر نکاح باطل ہوجائے گا، جیسا کہ فقہاء شافعیہ لکھتے ہیں:

''جب عقد کے وقت عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگائی کہ وہ رات میں تو وطی کرے گا، لیکن دن میں نہیں، یا یہ کہ وہ اس کے پاس ایک سال تک نہیں

آئے گا، تو نکاح باطل ہوجائے گا (المجموع ۱۸/۱۹، حلیۃ العلماء ۶/۴۵۰)۔

غیر مقتضیات اور غیر منافی عقد شرائط:

تیسری قسم شرائط کی وہ ہیں جو نہ مقتضیات عقد میں سے ہیں اور نہ ہی منافی عقد، بلکہ بین بین ہیں، یہ وہ شرائط ہیں جن کے نتیجے میں کسی فریق پر ایسا کوئی حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتا، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، تو ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی نکاح درست ہوجائے گا، اس پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا، چنانچہ صاحب ''عنایۃ'' اکمل الدین بابرتیؒ فرماتے ہیں:

''ایک ہزار کے بدلہ اس شرط پر شادی کی کہ وہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس شرط پر کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس شرط کے ساتھ کہ شوہر فلاں کو طلاق دیدے گا تو نکاح درست ہے، گو کہ دوسری شادی نہ کرلے، سفر نہ کرنے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسد ہے، اس لئے کہ اس کے اندر امر مشروع کی ممانعت لازم آتی ہے (العنایہ مع فتح القدیر ۳/۳۵۰)۔

ان شرائط کا ایفاء واجب نہیں ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

''علماء میں سے بعض یعنی امام شافعی اور بہت سے اہل علم نے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے، گرچہ یہ شرط لغو و بے کار ہیں، ان کو پورا کرنا شوہر کے ذمہ واجب نہیں'' (فقہ السنہ ۲/۴۷)۔

ان لوگوں کا استدلال ایک حدیث شریف سے ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو شرائط پورا کرنا چاہئے، الا یہ کہ وہ ایسی شرطیں ہوں جس سے حرام کی حلت یا حلال شئی کی حرمت ثابت ہوتی ہو، ان شروط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، اور اوپر کی مذکورہ شرائط کا بھی یہی حال ہے کہ ان سے ایک حلال شئی کی حرمت لازم آتی ہے۔

اور ان لوگوں کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں پر شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے، الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جس سے کسی حرام شئی کی حلت

ثابت ہوتی ہو، یا حلال چیز کی حرمت لازم آتی ہو، فرمایا کہ یہ شرائط ایسی ہیں جو حلال چیز یعنی نکاح ، وطی اور سفر کو حرام کرتی ہیں، حالانکہ یہ سب حلال ہیں (دیکھئے: کتاب مذکور)۔

بین الفریقین طے شدہ اقرار نامہ:

وہ شرائط یا اقرار نامہ جو فریقین کے درمیان طے پاتے ہیں، وہ تین قسم کے ہوتے ہیں، اول یہ کہ نکاح سے پہلے ہی وہ شرائط طے ہوجائیں اور اس پر دستخط بھی ہوجائیں، ثانی وہ جو عقد نکاح کے وقت ہوں، مثلاً ایجاب ہی مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو، ثالث یہ کہ عقد نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرائط نامہ فریقین کے درمیان طے پائیں اور اس پر دستخط بھی ہوجائے۔

چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے، جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے، یا ملک حکمی کا ہونا، جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گزار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، یا ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو، جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا تم سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے، اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے (الدر المختار مع الرد المحتار ۳؍ ۳۴۴ طبع سعید کمپنی کراچی)۔

چنانچہ اگر نکاح کی جانب اضافت کو اس اقرار نامہ میں تحریر نہیں کیا گیا، تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا اور اس کے رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"فلغا قوله لأجنبية إن زرت زيدا فأنت طالق" (الدر المختار مع الرد المحتار ۳؍ ۳۴۵)۔

(سو کسی مرد کا کسی اجنبی عورت سے یہ کہنا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تجھے طلاق ہے، لغو ہے)۔

اس کے لغو ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ملک نکاح کی طرف اضافت نہیں پائی

جارہی ہے، یہاں یہ وضاحتاً عرض ہے کہ وہ صورت جس میں اقرار نامہ پہلے سے تیار ہو اور اس میں اضافت الی النکاح نہ پایا جاتا ہو، لیکن دستخط دولہا اور گواہان کی جانب سے عقد نکاح کے وقت ہو رہا ہو، وہ اقرار نامہ معتبر ہوگا، گو اس میں اضافت الی النکاح کا فقدان ہے، کیونکہ یہ صورت دوسری صورت کے حکم میں داخل ہے، جس کا تذکرہ چند سطروں بعد ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب وقبول کے وقت زبانی شرائط کا ذکر ہو، اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً عورت خود ایجاب کے وقت کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا عورت کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں دیتی ہوں (یا دیتا ہوں) اس شرط پر کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا فلاں فلاں کام تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا) یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے آپ کو طلاق دے کر اس نکاح سے الگ کر سکے گی، ان شرائط کے جواب میں مرد جو نکاح کر رہا ہو یوں کہے کہ میں نے قبول کیا یا یوں کہے کہ میں نے ان ساری شرائط کے ساتھ قبول کر لیا، تو عورت کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے اوپر شرائط کی خلاف ورزی کے وقت طلاق واقع کر کے شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

چنانچہ ''درمختار'' میں ہے:

''**نکحها علی أن أمرها بیدها صح**'' (الدر المختار مع الرد المحتار ۳/۳۲۹)۔

(نکاح کیا عورت سے اس شرط پر کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، تو یہ صحیح ہے)، اور علامہ شامیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مصنف کا ''صح'' کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب ابتداء عورت نے کیا اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو جائے گی، اس پر شوہر نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں (رد المحتار ۳/۳۲۹)۔

اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی یا لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگا دیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط کالعدم ہو جائے گی۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''اگر شوہر نے ابتداء کی تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا (دیکھئے: کتاب مذکور)۔

عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہو اور مرد قبول کرلے تو شرط باقی رہتی ہے، اور اگر مرد کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول مشروط ہو تو کالعدم ہو جاتی ہے، ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ ابتداء جب شوہر کی جانب سے ہوئی تو گویا طلاق اور تفویض طلاق، نکاح سے پہلے ہوا جو صحیح نہیں ہے، ہاں اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد سمجھی جائے گی، اس لئے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت (میں نے قبول کیا) کہا تو یہ بیوی کے قول کا جواب ہوا اور جواب سوال کے مضمون کو شامل ہوتا ہے گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تم کو طلاق ہوگی یا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے ذمہ ہوگا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگی'' (ردالمحتار ۳/۲۴۲)۔

اور اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو، لیکن غیر مشروط ہو اور مرد نے قبول کرتے ہوئے شرط تفویض ذکر کر دیا تب بھی یہ شرط صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ نکاح قبول کرنے کے بعد ہی تام ہوتا ہے، اور مرد نے جو قبول کی شرط لگائی ہے وہ گویا نکاح کے اندر لگائی، لہذا صحیح ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ نکاح سے پہلے شرط لگائی اور نہ عقد نکاح کے وقت، بلکہ نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرط لگائی جائے اور اقرار نامہ لکھا جائے اور فریقین اس پر راضی ہوں، تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی، اسلئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی حیثیت یمین وقسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرنا واجب ہے۔

تفویض کے بعد رجوع کا حکم:

جب شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیا تو اب شوہر کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ اس تفویض سے رجوع کرلے اور زوجہ کے اس حق کو فسخ کردے، اسلئے کہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بذات خود مالک ہوجاتی ہے، خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے، اور تملیک کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''شوہر کو اس سے نہ تو رجوع کرنے کا اختیار ہوگا اور نہ ہی اس چیز سے روکنے کا اختیار ہوگا جو معاملہ اس کے سپرد کرچکا ہے اور نہ ہی اس کو فسخ کرسکتا ہے، جیسا کہ جوہرۃ میں لکھا ہے'' (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۳۸۷)۔

نیز فقہ السنۃ میں ہے:

''شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے بیوی کو اس معاملہ کا مالک بنادیا ہے تو اب رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا'' (فقہ السنۃ ۱/ ۳۸۷)۔

علاء الدین سمرقندیؒ نے تو اس سے بھی زیادہ واضح اور لطیف عبارت پیش کی ہے۔

''ان فصلوں کے اندر یہ ہے کہ شوہر کا یہ ارادہ کرنا کہ بیوی کو اس کے اختیار کے استعمال سے باز رکھے اور اس کے معاملہ کو اس سے لے لے اور اس سے رجوع کرلے تو یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح اس کو اس سے روکنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تفویض طلاق ہے اور طلاق فسخ کا احتمال رکھتا ہے تو اس کا اختیار دیدینا بھی ایسا ہی ہوگا'' (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۹۲)۔

فتوی صاحبین کے قول پر ہے:

چونکہ آج کل کے مرد بھی سنجیدگی سے دور ہوکر جذباتی ہوگئے ہیں اور ذرا سی بات پر طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اور اس کا بے جا استعمال کرتے ہوئے طلاق دے بیٹھتے ہیں، اس سے طرح طرح کی خرابیاں لازم آتی ہیں، ان خرابیوں سے بچنے کے لئے اگر نکاح کے وقت یہ شرط

لگادی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیا تو بیوی کا مہر بیس ہزار ہوگا اور طلاق نہ دیا تو دس ہزار ہوگا، تو صاحبین کے قول پر فتوی دیئے ہوئے دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم کرنا چاہئے، یعنی ضرورت کے پیش نظر امام ابوحنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ مشائخ متقدمین نے بھی ضرورت زمانہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتوی دیا ہے۔

ملازمت کی شرط لگانا:

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شرائط کی تین قسمیں ہیں: مقتضیات عقد، منافی عقد اور غیر مقتضائے عقد، غیر منافی عقد، تینوں کے احکام شروع میں بیان ہو چکے ہیں، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ حل کیا جائے کہ اگر عورت اپنے شوہر سے نکاح کے وقت یہ شرط لگادے کہ اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا تو بھی اس کی پابندی نہیں ہے، یہ شرط لغو ہوجائے گی، اگر نکاح کے بعد ان شرائط کی رعایت نہ کرتے ہوئے عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے یا نئی ملازمت کرنے سے روکے تو عورت پر اسکے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اور عدم تعمیل کی صورت میں ناشزہ شمار ہوگی، یہ تو ملازمت کی بات ہے، اگر عورت علمی مجلس میں بھی جانا چاہتی ہے اور شوہر جو عالم ہے، اس کو وہاں جانے سے منع کردے تو عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہاں چلی جائے (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/۴۴۳)۔

''اگو عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علم کی مجلس میں جانا چاہتی ہے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا''۔

امام شافعیؒ نے تو بغیر اذن شوہر کے ماں باپ کے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی ہے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ شوہر بیوی کو باپ، ماں اور بیٹے کے جنازہ میں شرکت کرنے سے روک سکتا ہے (المجموع شرح المہذب ۱۸/۹۷)۔

طلاق کے واقعات کو روکنے کیلئے صاحبین کے قول پر فتوی

مولوی محمد یوسف خاں قاسمی

مہر میں زیادتی کی شرط:

طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے حضرات صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ صاحبین ایک طرف ہوں اور امام صاحب دوسری طرف تو اس وقت دونوں قولوں کی حیثیت تقریباً برابر کی ہوجاتی ہے اور حالات کے پیش نظر قاضی خاںؒ تو صاحبین کے قول کو ہی راجح قرار دیتے ہیں (رسم المفتی: ۲۰)۔

واضح رہے کہ اس طرح شرط لگا کر مہر طے کرنا جہاں عورت کے حق میں مفید ہے وہیں مرد کے حق میں نہایت مضر بھی ہے، کیونکہ بعض اوقات طلاق ایک ضرورت بن جاتی ہے جہاں شوہر کو طلاق دئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ اس طرح مہر طے کرنے کی صورت میں شوہر کو مزید پریشانی کا سامنا ہوگا، اس لئے شوہر اس شرط کو مطلق قبول کرنے کے بجائے کوئی قید لگادے، مثلاً شوہر اس کو بلا کسی معقول وجہ کے طلاق دے تو مہر اس طرح ہوگا۔

اور جب مہر اس طرح طے کرنے کا مقصد ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اقدام کو روکنا ہی ہے تو اس طرح کیوں نہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر اس کو طلاق غیر مشروع دے تو مہر بیس ہزار ہوگا ورنہ دس ہزار ہوگا، اگر اس طرح شرط لگائی جائے تو میرے خیال میں یہ عورت کے حق میں بھی بہتر ہوگا، اور شوہر کے حق میں بھی۔

ایک نقطہ: امام صاحبؒ سے جو یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک شرط اول صحیح ہوجاتی ہے اس لئے شرط ثانی باطل ہوجاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شرط ہی صحیح ہوتی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی صحیح ہوگی تو دوسری باطل ہوجائے گی، بلا کسی فرق کے اول ثانی کے درمیان، کیونکہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحت وعدم صحت کا مدار اول ثانی پر نہیں ہے بلکہ منجز اور غیر منجز پر ہے، لہذا دونوں میں سے جو ایک بھی منجز ہوگی صحیح ہوجائے گی، اور مطلق باطل ہوجائے گی، صاحب بحر نے اسی طرف توجہ دلایا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البحر الرائق ۳/ ۱۶۲)۔

۲-مہر کی کمی بیشی کی تعلیق دوسرے نکاح پر

اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے اگر دوسرا نکاح کرے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا، ورنہ دس ہزار ہوگا، ایسی صورت میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر و درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا اور امام صاحبؒ کے نزدیک منجز والی صورت (یعنی نکاح نہ کرنے والی) صحیح ہے، اس لئے اس کے پائے جانے کی وجہ سے مہر مسمی واجب ہوگا اور دوسری شرط کا اعتبار نہیں، لہذا اگر بعد میں دوسرا نکاح کر لیتا ہے تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ ایک شرط کے صحیح مان لینے کے بعد دوسری شرط لامحالہ باطل ہوجائے گی (اس میں امام صاحبؒ کے نزدیک جو منجز ہے وہ صحیح ہے اور جو شرط معلق ہے وہ باطل ہے) اس مسئلہ میں دلائل کے اعتبار سے امام صاحبؒ کا قول ہی مضبوط معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک اصول ہے کہ ایسے وقت میں جس کی دلیل قوی ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا تو مناسب ہے کہ امام صاحب کے قول کو ہی اختیار کیا جائے، بخلاف ماقبل کے کہ وہاں حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اپنانے کی گنجائش ہے۔

غرضیکہ ایسی شرطوں کا نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اس کا اثر مہر پر ضرور پڑتا ہے امام صاحب کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہونے کی وجہ سے پہلا مہر مسمی واجب ہوگا، بصورت دیگر مہر مثل واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ مہر مسمی اقل سے کم اور اکثر سے زائد نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک چونکہ دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا (فتح القدیر ۳/ ۲۳۳، بدائع ۲/ ۲۸۵، عالمگیری ۱/ ۳۰۸، البحر الرائق ۳/ ۱۶۱، رد المحتار ۲/ ۱۲۳، المبسوط للسرخسی ۵/ ۹۰)۔

۳-نکاح کے وقت عورت کا ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا

عقد نکاح کے وقت عورت کا اس طرح شرط لگانا کہ شوہر اس کو سلسلۂ ملازمت سے نہیں روکے گا یا آئندہ ملنے والی مناسب ملازمت سے نہیں روکے گا اور شوہر اس کو قبول کرلیتا ہے تب بھی اس شرط کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی ضروری ہے، بلکہ شوہر اگر اس کو سلسلۂ ملازمت ختم کرے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

اس لئے کہ روزی کمانے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالی نے مردوں پر رکھی ہے، عورت کے ذمہ گھریلو ذمہ داری ہیں عورت گھر کی ملکہ ہے، عورت چراغ خانہ ہے شمع محفل نہیں، نیز اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا اور ہر جائز حکم کی تعمیل عورت پر فرض کی گئی ہے، بچوں کی پرورش، امور خانہ داری کے فرائض اور گھر کی زندگی کو سکون وراحت کی جنت بنانا عورت کا کام ہے، اس کے ذمہ ملازمت کر کے روزی کمانا نہیں خاندان کے لئے روزی کمانا اور تمدن کی محنت طلب خدمات انجام دینا مرد کا کام ہے۔

حضرات فقہاء نے صراحت کردی ہے کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی ہے اور اجنبیوں کی زیارت وعیادت کے لئے ولیمہ وغیرہ کی مجلسوں میں شرکت کے لئے عورت شوہر کی اجازت کے باوجود نہیں نکل سکتی، بلکہ شوہر کی اجازت سے نکلتی ہے تو دونوں گنہگار ہوں گے اور عورت اگر بغیر اجازت کے نکل جاتی ہے تو شوہر کو پٹائی کرنے کا حق ہوگا (الاشباہ ۱۰۹/۲، فتح القدیر ۲۰۷/۴، ہدایہ ۴۴۱/۲)۔

صاحب فتح لکھتے ہیں:

”عورتوں کے نکلنے میں فتنے کا دروازہ کھلے گا، اس لئے سداللباب اس کی ممانعت کی گئی ہے“ (فتح القدیر ۲۰۸/۴)۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ پابندی شوہر پر واجب تو درکنار، بلکہ شوہر کو ملازمت سے روکنا واجب ہے، ورنہ دونوں گنہگار ہوں گے۔

نکاح کے وقت تفویض طلاق کی نوعیت

مولانا ہارون رشید مظاہری

تفویض طلاق کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اصل شریعت نے طلاق کا اختیار مردوں کو دیا ہے، عورت کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرے، کیوں کہ عورت ناقص العقل ہے اواس کا بے جا استعمال کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اس وجہ سے اس کو کلی طور پر اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا، اور مرد کو بھی اس وقت طلاق دینے کا حق ہے جب کہ حالت بالکل ناگزیر ہو اور طلاق کے بغیر چارہ کار نہ ہو، کیونکہ عام حالات میں طلاق بہت بری چیز ہے، اسی لئے طلاق کو ''أبغض الحلال '' کہا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد طلاق بھی نہ دے اور حقوق زوجہ کا لحاظ بھی نہ کرے اور ظلم کو اپنے لئے روا رکھے تو ایسی صورت میں شریعت نے طریقہ بتلایا کہ عورت مرد سے خلع کرے بہر حال! عورت کو بھی مجبوری کے وقت مرد سے چھٹکارا پانے کا راستہ بتلایا ہے، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد خلع کرنے کے لئے راضی نہیں ہوتا اور عورت پر ظلم بھی کرتا رہتا ہے، ایسی صورت میں عورت '' کالمعلقۃ '' ہو کر رہ جاتی ہے، تو اس صورت میں مقدمہ کرکے قاضی شریعت سے نکاح کو فسخ کرادے، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ، بہت سے لوگ مقدمہ کرنے اور قاضی کی عدالت میں جانے سے گریز کرتے ہیں ''وکم من واقع لایرفع'' کا مظاہرہ ہوتا ہے، ان سب باتوں کو

سامنے رکھتے ہوئے عقد نکاح ہی کے وقت کچھ ایسی شرائط لگائی جائیں جس سے عورت بوقت ضرورت طلاق کو اختیار کر سکے اور وہ عورت کے لئے وقت پر مفید بن سکے، اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک مولانا تھانوی کی کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

مختصراً یہ ہے کہ اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا جس میں عورت کو طلاق کا اختیار بوقت ضرورت حاصل ہو شرعاً جائز و درست ہے اور اس اختیار دینے کا نام تفویض ہے، اس کی تین صورتیں ہیں، اور تینوں جائز ہیں، چاہے وہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے یا عین نکاح کے وقت لکھوایا جائے یا نکاح کے بعد۔

پہلا طریقہ:

نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھوانے کی صورت میں ایک شرط کا خاص لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت کو ذکر کیا جائے، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور اس اقرار نامہ کے مرقومہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کسی وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، لیکن مذکورہ شرط میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو اقرار نامہ غلط ہوگا اور عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔

دوسرا طریقہ:

عین عقد کے وقت ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً عورت، یا اس کا ولی یا وکیل، یعنی قاضی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ تم نے یہ یہ کام کئے (سب شرائط ذکر کردئے جائیں) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے یا مسماۃ موصوفہ کے اختیار میں ہوگا، شرائط مذکورہ میں سے ایک کی بھی خلاف ورزی پر اسی وقت یا

کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گا، یا کر سکے گی، اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے قبول کیا، تو اب عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا، اور یہ کہہ کر الگ ہوجائے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں، لیکن اس میں اس شرط کو خاص ملحوظ رکھے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو۔

تیسرا طریقہ:

تیسری صورت میں عورت نکاح کے بعد بھی شوہر سے اقرار نامہ لکھوانا چاہے تو لکھوا سکتی ہے، یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، ان تمام صورتوں کے صحیح ہونے میں حنفیہ کو کوئی کلام نہیں ہے۔

انتباہ:

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے زن و شو ر بلکہ پورا خاندان متأثر ہوتا ہے، سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کے سلسلہ میں شریعت کا حکم اور اس کی قباحت کے متعلق آشنا کرایا جائے تین طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کر کے طلاق کو مشکل اور دشوار بنا دینا شریعت کی نگاہ میں نامناسب ہے، شریعت نے اس کو آسان بنادیا ہے تو ویسا ہی رکھا جائے، اس لئے کہ بعض دفعہ عورت کو طلاق دینا ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کے ڈر سے مرد طلاق نہیں دیتا، اس صورت میں عورت معلقہ بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر طلاق دے تو بیس ہزار ورنہ دس ہزار، یا میری موجودگی میں دوسری بیوی کرے تو دس ہزار ورنہ پانچ ہزار، اس طرح مہر طے کرنا درست ہے اور اس مسئلہ کو آبائی وطن سے اخراج اور عدم اخراج پر قیاس کر سکتے ہیں، اور اس کی موجودگی میں نکاح یا عدم نکاح میں دوسری عورت سے کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لئے جس

طرح صاحبین کے نزدیک اقامت واخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور درست ہوں گی۔

عورت کا ملازمت کی شرط لگانا:

گھریلو نظم ونسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے اور باہر کے امور کی انجام دہی مرد کے ذمہ ہے، نیز بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوہر اور باپ پر ہے، جس کی وجہ سے عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق میں تنقیص ہو رہی ہو، یا اس کو ضرر ونقصان پہنچ رہا ہو، یا اس کام کے لئے بیوی کو شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے، لہذا اگر شوہر گھریلو نظم ونسق سنبھالنے کے لئے اپنی بیوی کو ملازمت سے روکنا چاہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور منع کرنے کے باوجود وہ ملازمت کرے گی تو گناہ گار ہوگی، اور شرط ملازمت، شوہر کے قبول کرنے کے باوجود، شوہر بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے، نیز موجودہ زمانہ میں عورت کا ملازمت کرنا مرد کی آبگینۂ غیرت کو ٹھیس پہنچانا ہے۔

تیسرا باب

مختصر تحریریں

نکاح میں شرائط اور مصالح شرعیہ

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

(۲) یہ شرط لغو اور نان ونفقہ واجب ہوگا۔

(۳) امام احمدؒ کے یہاں معتبر ہے (معاشرتی مسائل ر ۱۱۴، بحوالہ زاد المعاد ۴ر۶)۔

(الف) نکاح منعقد ہوجاتا ہے، مگر شرط لغو ہوتی ہے۔

نکاح منعقد ہوجاتا ہے، لیکن اس قسم کی شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

(ب) اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام احمدؒ کے یہاں ان میں سے بہت سی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے (معاشرتی مسائل ر ۱۱۴ بحوالہ زاد المعاد ۴ر۶)۔

(ج) یہ مسائل معروف ہیں، فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) غیر مفید

(۲) (۳) صلب عقد میں مذکور شرطوں کا اعتبار ہوگا، بعد میں اگر شوہر اپنے حق طلاق کو جزءاً یا کلاً مشروط یا غیر مشروط طریقہ پر تفویض کردے تو (متعینہ قیود کے ساتھ جن کا تفصیلی ذکر کتب فقہ میں ملتا ہے) اسی کے بقدر حق منتقل ہوجائے گا۔

☆ استاذ حدیث فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مسئلہ کا ایک پہلو:

جب شریعت نے ہی تفویض کی اجازت دی ہے تو مصالح شرعیہ کے ضیاع کا سوال نہیں، اس لئے ایسی صورت کہ جس میں مصالح شرعیہ کے ضیاع کا خطرہ ہو، وہ معتبر نہ ہوگا۔

عورت کا مہر دس ہزار ہے:

(۴) عملاً اس صورت کا تحقیق کیونکر ہوگا؟ کیوں کہ ''طلاق نہ دی'' کی شرط کے وجود یا عدم وجود کا پتہ موت سے ہی ہوسکتا ہے، جب کہ مہر خلوت صحیح سے ہی پورا واجب ہوجاتا ہے۔

۲- اس میں صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

۳- یہ شرط لغو ہوگی، ضروری نہ ہوگی۔

نکاح میں شرطیں اور شرعی احکام

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ☆

نکاح میں شرطیں:

(۱) ایسی شرطیں جن کے ذریعہ زوجین پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو مؤکد کرنا ان شرطوں کا مقصود ہو، واجب التکمیل ہوں گی، اس لئے کہ خود شارع نے ان کو واجب قرار دیا ہے اور گویا یہ نکاح کے لوازم میں سے ہیں، اور قاعدہ ہے: "إذا ثبت الشئی ثبت بلوازمه"۔

(۲) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی لازمی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے نفقہ ادا کرنے کی شرط، تو گو ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ مقصد نکاح کے خلاف اور منشاء شریعت کے مغائر ہے، اور جب شریعت خود کسی بات کا اعتبار نہ کرے تو اس کے مقابلہ مکلّف کی شرط معتبر نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جو ان دونوں سے مختلف ہو اور اس کی وجہ سے کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہو، جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے اور یہی رائے حنفیہ کی ہے، میرے خیال میں یہی زیادہ درست ہے، نکاح کے وقت شرائط کا عائد کرنا بے اعتمادی کو جنم دیتا ہے اور اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے، اس

☆ بانی وسابق ناظم دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

لئے ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں۔

تفویض طلاق:

طلاق تو اصل مرد کا حق ہے، لیکن اس بات کی گنجائش ہے کہ شوہر علاحدگی کا حق بیوی کو بھی عطاء کردے، تفویض کی تینوں ہی صورتیں درست ہیں:

(۱) نکاح سے پہلے ہی تفویض کردے، البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو۔

(۲) عقد نکاح ہی میں تفویض کیا جائے، البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ پہل عورت کی طرف سے ہو۔

(۳) عقد نکاح کے بعد بھی تفویض کی جاسکتی ہے، البتہ اس صورت میں قبول کرنا اور نہ کرنا مرد کے اختیار میں رہے گا۔

مہر مشروط:

طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار بڑھا دی جائے، اس سے کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے نقصان ہی کا اندیشہ ہے، کیونکہ لوگ اس خوف سے طلاق بھی نہیں دیں گے اور بیوی کو معلق بنا کر رکھیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اور زیادہ مصائب میں مبتلا ہوجائے گی، اس لئے راقم سطور کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے اختیار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ملازمت کی شرط:

عورتوں کی طرف سے اس طرح کی شرط عائد کرنا کہ شادی کے بعد بھی وہ سلسلۂ ملازمت کو جاری رکھے شریعت کی روح اور اس کے مزاج کے خلاف ہے، اس لئے اگر عورت نے ایسی شرط لگائی اور شوہر نے اسے قبول بھی کرلیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکاح میں مفید شرائط اور طریقۂ کار

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

اشتراط فی النکاح میں اولاً یہ طے شدہ ہے کہ عقد نکاح میں جیسی بھی شرطیں لگائی جائیں فاسدہ ہوں یا صحیحہ کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کرنے سے نکاح کا انعقاد ونفاذ متاثر نہیں ہوتا نکاح بہر حال منعقد ہوجاتا ہے خود شرطیں ہی فاسد ولغو بن جاتی ہیں، ثانیاً یہ بھی طے شدہ ہے کہ کسی بھی عقود ومعاملات میں ایسی شرطیں لگائی جائیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور اس عقد کے نتیجہ میں شریعت نے جس فریق کے لئے جتنے حقوق وفرائض متعین کرکے جتنی ذمہ داری اس پر عائد کی ہے اس سے زائد ذمہ داری ڈالنا اور حقوق وفرائض میں کمی بیشی کرنا اور اسے بطور شرط عندالعقد ذکر کرنا، جائز نہیں یہ شرطیں لازم الایفاء نہیں اور نکاح کے سوا دوسرے عقود ومعاملات ایسی ناجائز شرطوں کے ساتھ مشروط ہوجانے پر صحیح نہیں رہتے فاسد یا باطل قرار پاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ عقود ومعاملات کو مشروط بالشرائط کرنا بنیادی طور پر گرچہ صحیح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس اشتراط سے تغیر شرع اور ابطال حق واتلاف غرض شرع لازم نہ آئے۔

ان کلمات کے بعد سوالوں کے جوابات بالترتیب یہ ہیں۔

۱۔ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں فریقین پر شرعاً لازم ہوا کرتی ہیں، مثلاً وجوب نفقہ

☆ ناظم اشرف العلوم، کنہواں، سیتامڑھی

اور تمکین علی النفس وغیرہ اسی کو بوقت نکاح بصورت شرط ذکر کرنا، بلاشبہ جائز ہوگا کیونکہ یہ مقتضائے عقد کی تصریح وتاکید، احکام شریعت کی تقریر، اور اس کے واجب العمل ہونے کا اعتراف اور اعلان وتشہیر ہونے کے ساتھ شریعت کے ان اغراض ومقاصد کی تکمیل کا عہد ہے جن کے لئے نکاح کی مشروعیت ہوتی ہے، اور یہ ساری چیزیں شرعا مطلوب ہیں۔

۲۔ نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے ان حقوق وفرائض کی ذمہ داری سے فرار وگریز لازم آئے جو فریقین پر شریعت نے لازم قرار دیا ہے، ایسی شرطیں جائز نہیں ہوں گی، بلکہ فاسد ولغو کہلائیں گی، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف تغییر شرع اور اتلاف غرض شارع کو مستلزم ہوگی، ایسی شرطوں کے اشتراط کے باوجود عقد نکاح صحیح، منعقد اور نافذ ہوگا، اور ان شرطوں کا ایفاء ہرگز ضروری نہیں رہے گا۔

۳۔ نکاح کو ایسی شرطوں سے مشروط کرنا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسے حقوق حاصل ہوجائیں، یا ایسی پابندیاں عائد ہوجائیں جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتے، تو ایسی شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہوں گی، کیونکہ اس کا حاصل یا تو التزام ضرر ہے یا اپنے بعض حقوق سے دست برداری اور اس کا اسقاط، اور یہ چیزیں شرعاً معتبر ہوا کرتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ ایسی شرطوں سے نکاح کی صحت، اس کا انعقاد ونفاذ کچھ بھی متاثر نہیں ہوتا۔

۴۔ اگر بوقت نکاح کوئی عورت اپنے لئے ایقاع طلاق کے اختیار ہونے کی شرط لگائے اور شوہر اسے تسلیم بھی کرے تو یہ تفویض طلاق کی ایک صورت ہوگی جو صحیح ہے اور نتیجۃً عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق واختیار حاصل ہوجائے گا، شوہر اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کرسکتا، "لأن التفویض تملیک لاتوکیل فلم یصح رجوعه" کتب فتاوی میں مصرح ہے۔

تفویض طلاق کی مختلف صورتوں کا حکم:

یہ تو ظاہر ہے کہ تفویض طلاق کی فی نفسہ دو صورتیں ہوسکتی ہیں

(۱) تفویض مطلق، مثلاً کوئی شوہر یوں کہے: "اختاری نفسک، طلقی نفسک

–یا– أمرک بیدک''۔

(۲) تفویض معلق ومشروط، مثلاً کوئی شوہر یوں کہے: ''إن کان کذا فطلقی نفسک'' وغیرہ، یہاں بعد نکاح تفویض طلاق سے بحث نہیں، بلکہ قبل النکاح تفویض طلاق کی شرط لگانے سے ہے، اور چونکہ عورت کا سریع الحس، مغلوب الغضب، ناقص العقل اور کثیر الانفعال ہونا ایک مسلم حقیقت ہے، اس لئے بوقت نکاح تفویض مطلق کا اشتراط تو خلاف مصلحت ہوگا، ہاں معلق ومشروط تفویض کی شرط لگائی جاسکتی ہے، تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے۔

اب بوقت نکاح اس معلق ومشروط تفویض کے اشتراط کی تین، بلکہ اس سے زائد صورتیں بھی ممکن ہیں، لیکن اس تفویض طلاق کی اشتراط سے مقصود، اگر عورت کے لئے بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ کھولنی ہے تو اس مقصد کے لئے صد فیصد مفید صرف دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، استیعاب صورت کے لئے تمام صورتوں کی تفصیل مع احکام درج ذیل ہے:

(الف) عقد نکاح سے پہلے شرائط تفویض طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں، اس صورت کے معتبر ومفید ہونے کیلئے ضروری یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت ہو، کیونکہ جیسے ایقاع کے لئے ملک یا نسبت الی الملک ضروری ہے، ویسے ہی تفویض طلاق یا تو فی الملک ہو یا منسوب الی الملک ہو تب ہی معتبر ومفید ہوگا، مثلاً عقد سے پہلے شرائط نامہ کی تحریر اس طرح مرتب ہو اور یہ لکھا جائے کہ ''اگر میں فلاں ابن فلاں، فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ تحریر ہذا میں سے کسی ایک یا فلاں فلاں متعدد شرطوں کی ایک دفعہ یا مثلاً تین دفعہ کی خلاف ورزی کروں، تو اس منکوحہ فلانہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت فلاں فلاں اپنوں کے مشورہ واجازت کے بعد اپنے اوپر طلاق واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اور اس تحریر پر فریقین دستخط کرکے ایجاب مطلق اور قبول مطلق کے ذریعہ بھی نکاح کرلیں گے وہ تحریری تفویض مشروط صحیح ومفید ہوگی، عورت حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے۔

نکاح کو مشروط بہ تفویض طلاق کرنے کی یہ صورت جامع مفید اور متعدد احتیاط ومصالح پر مشتمل ہونے کے سبب مناسب ہے۔

اس میں عورت طلاق کی مختار ہونے کے باوجود پابند بھی رہے گی، کہ جب تک شرطوں کی متعدد بار خلاف ورزی نہ ہوجائے اور فلاں فلاں کی اجازت بھی حاصل نہ کرلے طلاق واقع نہیں کرسکتی۔

(ب) عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا زبانی ذکر ہو تو اس کے مفید وصحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو، مثلاً عورت یا اس کا ولی ووکیل یوں ایجاب کرے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلانہ بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا یا نہ کیا (یہاں مناسب شرطوں کی تعداد اور شرطوں کی خلاف ورزی کی تعداد اور دیگر مصالح کی بنیاد پر جتنی احتیاطی قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہوں سب کا سب ذکر کردیا جائے) تو مجھ کو یا اس فلانہ بنت فلاں منکوحہ کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرکے نکاح سے الگ ہوجانے کا حق ہوگا۔

اس کے بعد مرد چاہے تو قبول مطلق کرتے ہوئے صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کیا یا مشروط کرتے ہوئے یوں کہے کہ میں نے شرائط قبول کیا، دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا، عورت حسب شرائط ایقاع طلاق کی مختار ہوجائے گی۔

(ج) اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر بلا ذکر شرائط تفویض، یعنی ایجاب مطلق، اور مرد نے قبول میں شرائط تفویض کا اضافہ کرکے قبول مشروط کیا تب بھی تفویض صحیح اور معتبر ومفید ہوجائے گی، عورت حسب شرائط مالک طلاق بن کر ایقاع طلاق کرسکتی ہے، مگر یہ صورت چونکہ صرف مرد کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ مرد قبول مطلق ہی کرے، اپنے قبول ہی میں شرائط کا ذکر نہ کرے تو پھر عورت کچھ نہ کرسکے گی، اس طرح یہ صورت اختیار طلاق کی طالب عورت کے لئے صد فیصد مفید نہیں ہو پائے گی۔

(د) اس کے برعکس اگر ایجاب مطلق بلا ذکر شرائط تفویض مرد ہی کی جانب سے ہو اور پھر عورت شرائط تفویض ذکر کرکے قبول مشروط کرے تو اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا، بلا شرط یہ نکاح منعقد ہو جائے گا تفویض طلاق نہ ہوگی، عورت بے اختیار و بے بس ہی رہ جائے گی۔

(ہ) عقد نکاح کے بعد طرفین تفویض اور شرائط تفویض کی تحریر مرتب کریں اور شوہر رضامندی کا دستخط تحریر پر ثبت کردے تو یہ صورت بھی صحیح اور مفید ہوسکتی ہے کیونکہ بعد النکاح بالکلیہ مرد کے دائرہ اختیار میں چلا جاتا ہے، ممکن ہے مرد اس تحریر پر راضی نہ ہو اس لئے صد فیصد مفید مطلب صورتیں وہی پہلی اور دوسری ہی ہوسکتی ہیں، اور اس میں حسب مصالح احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھتے ہوئے جتنی شرطیں اور قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہوں بڑھائی جاسکتی ہیں تا کہ عورت کے مطلق العنان ہونے اور بے جا تصرف کر لینے کا سد باب ہو جائے۔

۵۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوقت نکاح تسمیہ مہر کو مختلف شرطوں کے ساتھ مشروط کرکے قدر مسمی کو مختلف بنانا جائز ہے، اس کے بعد کس شرط کا اعتبار ہوگا کس کا نہیں، اور مرد پر کس صورت میں کون سا قدر مسمی لازم الا دا ہوگا اور کس صورت میں مہر مثل وغیرہ، یہ مسئلہ ائمہ حنفیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے جس کی قدرے تفصیل و وضاحت سوالنامہ میں بھی درج ہے۔

مگر یہاں حل طلب سوال صرف اتنا ہے کہ کثرت طلاق کے واقعہ کو کم کرنے کی تدبیر کے طور پر اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ فائدہ حاصل ہو جائے کہ کثرت مہر کے سبب اس کی ادائیگی کو نا قابل تحمل بوجھ سمجھ کر طلاق نہ دے، مگر اس میں دوسرا ضرر یہ بھی ممکن و مستور ہے کہ پھر اس عورت کو مرد کالمعلقہ بنا کر چھوڑ دے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے سے "إذا ابتليت ببليتين" سے واسطہ پڑ سکتا ہے تو پھر "فاختر أهو نهما" کو تلاش کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قول صاحبین کو برائے فتوی اختیار کرنے کا کوئی فائدہ

ہماری سمجھ میں نہیں آسکا، بلکہ ایسے میں ''**فرار من المطر وقرار تحت المیزاب**''ہی سمجھتا ہوں،''**لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا**'' (سورۂ طلاق:۱)۔

۶۔اگر نکاح کرتے وقت تسمیہ مہر اس طرح ہو کہ اگر اس منکوحہ کی سوکن نہیں لائے گا، تو تیس ہزار، ورنہ پندرہ ہزار مہر دینا ہوگا، یہ مسئلہ بھی بین الائمہ مختلف فیہ ہی ہوگا، امام ابوحنیفہ کے یہاں پہلی شرط معتبر ہوگی اور اس کے ایفاء کی صورت میں تیس ہزار ورنہ مہر مثل بشرائط مہر دین قرار پائے گا، جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی جس شرط کا ایفاء ہوگا اس کے مطابق کم وبیش مقدار مسمی مہر دین ہوگا، یہ تو دونوں شرطوں کے معتبر ہونے نہ ہونے کے متعلق اختلاف ائمہ کی وضاحت ہوئی، باقی دونوں شرطوں کے لازم العمل ہونے نہ ہونے کا سوال، تو ظاہر ہے کہ دونوں شرطیں بیک وقت ممکن العمل ہی نہیں ہوسکتیں، لازم العمل ہونا چہ معنی دارد؟

۷۔کوئی تعلیم یافتہ ملازمت سے وابستہ، یا وابستہ ہونے کی امیدوار عورت بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ شوہر لگی ہوئی ملازمت یا ملنے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ایسی شرط کو اگر شوہر قبول بھی کرلے گا تاہم اس کے لئے یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی، چنانچہ اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شوہر اگر اس عورت کو ملازمت سے روکے گا تو اس حکم کی تعمیل عورت پر لازم ہوگی۔

کیوں کہ عقد نکاح سے شرعاً حاصل ہونے والے حقوق میں سے ایک حق شوہر کے لئے اپنی بیوی کو منع عن الخروج کا بھی ثابت ہوجاتا ہے، اس لئے مقتضائے عقد کے خلاف عورت کا یہ شرط لگانا شروط فاسدہ کے قبیل سے ہوگا جس کا واجب التعمیل نہ ہونا مسلم ہے، کیونکہ اس کی تعمیل سے جہاں بعض مقاصد نکاح فوت ہوتے ہیں وہاں حکم شریعت کی تغییر وتنسیخ لازم آتی ہے۔

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں تو نکاح کی طرف نسبت ضروری ہوگی۔ مثلاً اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو۔

(۲) یا قبول مشروط ہو، تب بھی تفویض درست ہوگی۔

(۳) عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ لکھا جائے تو نکاح کی طرف نسبت ضروری نہ ہوگی

اور یہ تفویض درست ہوگی۔

تفویض واختیار کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں کہ ان کے خلاف شرط تسلیم کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق ہوگا تاکہ عورت اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکے، کچھ ایسے لوگوں کے نام درج کرنے سے کہ ان کے تسلیم کرنے پر اختیار طلاق عورت کو ہو تو مصالح شریعت کی حفاظت بھی ہوسکے گی۔

تین طلاقیں بیک وقت دینے یا بے جا طور پر طلاق سے روکنے کے لے ایک تدبیر ہوسکتی ہے کہ جہیز کا رواج ختم کرنے اور مہر معجّل کو رواج دینے کی سعی کی جائے، کیونکہ اس صورت میں مرد کو کافی مالی نقصان ہوگا اور وہ طلاق سے بچے گا، تجربے میں یہ آیا ہے کہ مرد کے پاس جہیز کا سامان آجاتا ہے اور مہر وہ جلدی ادا کرتا نہیں ہے اور قانونی طور پر اس کی وصولیابی بھی عورت کے لئے دشوار ہوتی ہے، اس لئے مرد طلاق دینے میں شیر ہوجاتے ہیں۔

۲- نکاح ثانی پہ پابندی لگانے کے لئے مہر کا تفاوت معتبر نہیں ہے۔

۳- صرف یہ شرط لگانے سے عقد نکاح متاثر نہ ہوگا اور شوہر کی عدم پابندی کی صورت میں عقد نکاح ختم نہ ہوگا۔

شرائط نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

(الف) نکاح کے وقت عاقدین میں سے کسی کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو، ایسی صورت میں نکاح تو درست ہوگا، مگر ایسی شرط باطل ہوگی، جیسے نفقہ کی ذمہ داری۔ "وبما أنفقوا من أموالهم" (سورۂ نساء: ۲۴)۔ سے گریز۔ ایسی شرط صحیح نہ ہوگی، کیونکہ مرد کی قوامیت جو قوانین نکاح کے بنیادی اصول میں ہے، اسی انفاق کا نتیجہ ہے۔

(ب) تیسری قسم کی شرائط، ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن اگر شوہر اس کا ایفاء نہیں کرتا تو یہ نکاح ختم نہ ہوگا۔

(ج) تفویض طلاق کی صورت میں عورت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہوگا، شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا، وکالت واپس لی جاسکتی ہے، تفویض واپس نہیں لی جاسکتی۔

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں تو نکاح کی طرف نسبت ضروری ہوگی، مثلاً اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو......۔

(۲) یا قبول مشروط ہو، تب بھی تفویض درست ہوگی۔

(۳) عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ لکھا جائے تو نکاح کی طرف نسبت ضروری نہ ہوگی اور

☆ جامعہ دار السلام، پنجاب

یہ تفویض درست ہوگی۔

تفویض واختیار کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں کہ ان کے خلاف شرط تسلیم کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق ہوگا تاکہ عورت اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکے۔ کچھ ایسے لوگوں کے نام درج کرنے سے کہ ان کے تسلیم کرنے پر اختیار طلاق عورت کو ہو تو مصالح شریعت کی حفاظت بھی ہوسکے گی۔ اس طرح کا ایک نمونہ ساتھ منسلک ہے۔

تین طلاقیں بیک وقت دینے یا بے جا طور پر طلاق سے روکنے کے لئے ایک تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ جہیز کا رواج ختم کرنے اور مہر معجّل کو رواج دینے کی سعی کی جائے، کیونکہ اس صورت میں مرد کو کافی مالی نقصان ہوگا اور وہ طلاق سے بچے گا۔

تجربے میں یہ آیا ہے کہ مرد کے پاس جہیز کا سامان آجاتا ہے اور مہر وہ جلدی ادا کرتا نہیں ہے اور قانونی طور پر اس کی وصولیابی بھی عورت کے لئے دشوار ہوتی ہے، اس لئے مرد طلاق دینے میں شیر ہوجاتے ہیں۔

سوال-۲: نکاح ثانی پر پابندی لگانے کے لئے مہر کا تفاوت معتبر نہیں ہے۔

سوال-۳: صرف یہ شرط لگانے سے عقد نکاح متاثر نہ ہوگا اور شوہر کی عدم پابندی کی صورت میں عقد نکاح ختم نہ ہوگا۔

نکاح شرائط کی حیثیت

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی☆

کسی بھی عقد سے واجب ہونے والے حقوق سے متعلق عقد میں شرط لگانا بالاتفاق جائز ہے، اس میں نہ کسی زائد چیز کی شرط ہوتی ہے اور نہ عقد کے خلاف کسی چیز کی، لہذا نفقہ وغیرہ کے وجوب کی شرط درست ہے۔

الف ۔ اس قسم کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی ہے، اس قسم کا حکم دوسرے حضرات کے یہاں بھی ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں کچھ وسعت ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۴، ۵۵)۔

ب ۔ ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح تو بالاتفاق صحیح ہے، البتہ یہ شرطیں حنفیہ کے یہاں لازم الایفاء نہیں ہیں، حنابلہ کا اس میں بھی اختلاف ہے، اور آج کل دوسری شادی کے بعد عموماً جو بے اعتدالیاں ہوتی ہیں ان کے پیش نظر حنابلہ کے مذہب پر عمل کو سوچا جا سکتا ہے۔

ج ۔ بیوی کے لئے تفویض طلاق کی شرط وصورت کی بابت ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں آنے والی تفصیل پر اعتماد کیا جائے، اس لئے کہ وہ محقق ومدقق ہونے کے ساتھ اہل نظر علماء کی ایک اجتماعی کاوش ہے، مختصر یہ ہے کہ اس قسم کا معاملہ کچھ شرطوں و پابندیوں کے ساتھ جائز ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ خالص عورت کی صوابدید پر کہ اس قسم کا معاملہ کچھ شرطوں و پابندیوں کے

☆ شیخ الحدیث، جامعہ عربیہ اسلامیہ، ہتھورہ، باندہ (یوپی)۔

ساتھ جائز ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ خالص عورت کی صوابدید پر طلاق نہ رکھی جائے، بلکہ جانبین کے کچھ لوگ بھی شامل کر دئے جائیں کہ وہ طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرلیں۔

۱۔ اگر چہ صاحبین کے قول پر کسی کے فتوی وعمل کی تصریح نہیں ملی، تاہم اصولی طور پر اس کی گنجائش یوں معلوم ہوتی ہے کہ ضرورت میں قول ضعیف پر فتوی دینے کی اجازت ہے، مگر حالات کو دیکھتے ہوئے مہر کی کمی وبیشی، تین طلاق یا کثرت طلاق کو روکنے کا مؤثر ذریعہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۲۔ دوسری شادی کی وجہ سے پہلی بیوی کے حقوق ضیاع کا یہ پورا حل نہیں ہے، اس لئے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ نکاح کی وجہ سے بیوی پر شوہر کے حقوق جس طرح ثابت ہوتے ہیں، ان کی بنا پر اس قسم کی شرط غلط وباطل ہے اور بعد میں بھی اس کو منع کر دینے کا ہمہ وقت حق ہے، حنابلہ کے یہاں اس میں بھی کچھ گنجائش ہے، لیکن کام کرنے کی مروج صورتوں کے جو مفاسد ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں ان سے عام لاپرواہی کی وجہ سے اس کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا (ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۹۷، بحث ونظر شمارہ/۱۱، فقہی مقالات ۱/۲۴۸، ۲۴۹، ۲۰۹)۔

نکاح شوہر پر عائد کئے جانے والے شرائط

مفتی محفوظ الرحمٰن اعظمی

(الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً درست نہیں، نکاح صحیح ہوگا ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری نہیں، یہ شرطیں شروط فاسدہ میں سے ہیں، اس شرط میں حق زوجہ کا اسقاط بھی ہے ''فتح الباری'' (۱۸۹/۴) میں ہے:

أما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لایقسم لها أولا یتسری علیها أولا ینفق أو نحوها فلایجب الوفاء به، وقال النبی ﷺ: کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل، وقال النبی ﷺ: المسلمو ن علی شروطهم إلاشرطا أحل حراما أو حرم حلالا (فتح الباری ۱۸۹/۴)۔

نمبر ایک میں ذکر کردہ شرط ترغیب للمراۃ فی النکاح ہے اور یہ شرط ایسی ہے کہ بلاشرط کے بھی عورت اس چیز کی مستحق ہے جس کو شوہر نے عقد کے ساتھ اپنے اوپر لازم کرلیا، نکاح درست ہے اور شرط کی پابندی لازم ہے۔

(ب) تیسری قسم کی شرط لگانا درست نہیں ہے، ان شرطوں کے باوجود نکاح صحیح ہوتا ہے، ان شرطوں کا پورا کرنا یعنی پابند رہنا ضروری نہیں (عرف الشذی علی الترمذی ۲۱۶/۱)۔

(ج) نکاح کے بعد تفویض طلاق نافذ ہوگا اور عورت کو طلاق کا حق اور اختیار ہوگا، شوہر حق تفویض واپس نہیں لے سکتا (شامی ۴۹۴/۲) ''**شرطه الملک حقیقة**''، تعلیق اور اضافت کے ساتھ شرائط طے ہوں تو طلاق واقع ہوگی۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں:

عقد نکاح کی پہلی شرائط تعلیق اور اضافت کے ساتھ ہوں اور نکاح کے مقتضی کے خلاف نہ ہوں تو نکاح درست ہوگا، اوران شرطوں کی پابندی بھی ضروری ہوگی اوراگر نکاح سے پہلے یا بعد میں شرط طے ہوتو وہ شرط نہیں، بلکہ وعدہ ہے، اگر یہ وعدہ خلاف شرع، یعنی عقد کے خلاف نہ ہوتا اس کی پابندی لازم ہےاور شرائط کا اضافہ بشرطیکہ خلاف حقوق زوجین نہ ہو، درست ہے۔

تفویض سے مصالح شریعت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اگر تفویض کے ساتھ مصالح کی حفاظت میں شرطوں کا اضافہ کردیا جائے تو درست ہے۔

۱۔ طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے نکاح کے مہر کا طلاق دینے کی صورت میں زیادہ بتانا اور عدم طلاق کی صورت میں کم بتانا، یعنی تعلیق کے ساتھ مہر مقرر کرنا نکاح کو درست رکھتا ہے، لیکن فتوی کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کرنا طلاق کے سد باب کے لئے مفید نہ ہوگا، بلکہ بعض صورتوں میں جب کہ نشوز شوہر کی طرف سے ہوتو اس میں عورت کو مسلسل دشواری کا سامنا ہوگا، اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول فتوی کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

۲۔ مذکورہ صورت میں مہر کی کمی وزیادتی نکاح وعدم نکاح کی شرط پر درست نہیں ہے، شرط نکاح کی پابندی ضروری نہیں، کیوں کہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور نکاح کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

۳۔ نکاح کے بعد شرعاً زوجین میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر متعین ہیں، ذکر کردہ شرائط کی صورت میں حقوق زوجین متاثر ہوتے ہوں تو کوئی بھی شرط پوری کرنے کا پابند نہیں۔

حق زوج یہ ہے: عورت کا اس کے حکم کی پابندی کرنا، اس کے مال کی حفاظت کرنا، بغیر اجازت گھر سے نہ نکلنا، عصمت کی حفاظت کرنا وغیرہ۔

حق زوجہ یہ ہے: شوہر پر اس کا نفقہ، کسوہ، سکنی وغیرہ لازم ہونا، جب شریعت نے زوجین کو الگ الگ حقوق کے ساتھ مربوط کردیا ہے تو عورت کی ملازمت ان حقوق کی پابندی کے لئے زبردست حائل واقع ہوگی، خصوصاً عصمت کے لئے۔

نکاح میں شرائط اور ائمہ کی آراء

مولانا عبداللہ جولم

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرط کی پابندی بالاتفاق واجب ہوگی، کیونکہ یہ ایسی ذمہ داری ہے، جسے شریعت نے مجرد عقد نکاح سے واجب کیا ہے، یعنی یہ شرط نہیں بھی ہوتی ہو اس کی ادائیگی ضروری تھی، اس کے وجوب کی دلیل قول اللہ تعالی "**وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**" (سورہ بقرۃ:۲۳۳) "**لينفق ذوسعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لايكلف الله نفسا إلا ما آتاها**" (سورہ طلاق:۷)۔

وقوله رسول ﷺ **فى حجة الوداع:"ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف"** (صحیح مسلم کتاب الحج ۸/ ۴۲۰، رقم الحدیث:۱۲۷)۔

نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں علماء کی تین رائیں ہیں:

ا۔ جمہور علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

ان کا استدلال قصۂ بریرہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عقد کو درست رکھا اور شرط کو باطل قرار دیا، اور فرمایا:

"ما بال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله ۔ ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل " (صحیح البخاری کتاب البیوع باب إذا اشترط فی البیع شروطا لاتحل ۳۷۶/۴)۔

امام مالکؒ کے نزدیک ایسی شرط مبطل نکاح ہے اور فسخ واجب ہے الا یہ کہ دخول ہو چکا ہوتو نکاح صحیح ہوجائے گا، اور شرط باطل ہوگی، ان کی دلیل بیع فاسد پر قیاس کرنا ہے جو بازار کی قیمت تبدیل ہونے سے نافذ ہوجاتی ہے (بدایۃ المجتهد ۴۹/۲، الفقہ الاسلامی ۵۵/۷)۔

(۲) علامہ ابن حزمؒ کے نزدیک اگر ایسی شرط نکاح کے وقت رکھی گئی ہے تو نکاح باطل ہوگا، اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نکاح کی بنیاد شرط باطل پر رکھی گئی ہے، اس لئے نکاح بھی باطل ہوگا، (المحلی ۵۱۷/۹) ہاں اگر شرط بعد میں رکھی جائے تو چونکہ نکاح کی بنیاد صحیح ہے، اس لئے نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اور اگر یہی شرط بعد میں رکھی جائے تو شرط باطل ہوگی، اور نکاح صحیح رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شرط بالاتفاق باطل ہے، اختلاف اس میں ہے کہ نکاح باطل ہوگا یا نہیں۔

۳۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا، جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو۔

مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں:

ا۔ نکاح جائز ہے، اور شرط لازم ہے، اس کے قائلین صحابہ میں سے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنھم ہیں اور اسی طرف شریح، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی، اسحاق، اور امام احمد گئے ہیں (المغنی ۶/ ۵۴۸، سنن الترمذی ۳/ ۴۳۴)۔

۳۔ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے، الا یہ کہ شرط معلق ہو طلاق یا عتاق کے ساتھ، اس کے قائل امام ابوحنیفہؒ ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۸۵) امام مالکؒ اس میں مزید یمین کی قید لگاتے ہیں، یعنی نکاح اگر مشروط ہو یمین بالطلاق یا عتاق کے ساتھ تو نکاح بھی جائز ہوگا اور شرط بھی لازم ہوگی (المؤطا ر ۳۶۰)۔

۴۔ اگر ایسی شرط نکاح کے ساتھ رکھی گئی ہو تو نکاح باطل اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہو تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی، یہ امام ابن حزمؒ کا قول ہے۔

الادلۃ

پہلے قول کی دلیل:

(ا) "**قول الله تعالى (يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود**") (سورہ مائدہ:۱)۔

(۲) "**عن عقبة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج**" (صحیح البخاری باب الشروط فی النکاح۔ ج ۹۔ ص ۲۱۷)

۴۔ اجماع صحابہ، ابن قدامہ کہتے ہیں یہ رائے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنھم سے منقول ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان کے زمانے میں کوئی ان کا مخالف نہیں تھا، تو صحابہ کا اجماع ہوا (المغنی ۷/ ۵۴۹)۔

۶۔ یہ ایسی شرط ہے جس سے عورت کو ایسا فائدہ اور مقصد حاصل ہوتا ہے جو نکاح کے مقصد کے منافی نہیں ہے، تو یہ اسی طرح لازم ہوگی جیسے زیادتی مہر کی شرط (المغنی ۶/ ۵۴۹)۔

دوسرے قول کی دلیل

۱۔ ”قول النبی صلی الله علیه وسلم فی واقعة بریرة "مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله ۔ ماکان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل وإن کان مائة شرط ،قضاء الله أحق وشرط الله أوثق وإنما الولا لمن اعتق“(البخاری کتاب البیوع۔باب اذا اشترط شروطا فی البیع لاتحل ۳۷۶/۴)۔

۲۔”روی ابن وهب باسنادجید عن عبید بن السباق أن رجلا تزوج امراة فشرط لها أن لا یخرجها من دار ها فارتفعوا إلی عمر فوضع الشرط وقال: المرأة مع زوجها“(فتح الباری ۲۱۹/۹)۔

تیسرے قول کی دلیل:

شروط کے بطلان کی وہی دلیلیں ہیں جو دوسرے قول کی،اور طلاق وعتاق کے استثناء کی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔قول النبی صلی الله علیه وسلم " ثلاث جدهن جد وهزلهن جد ۔ النکاح والطلاق والرجعة“ (اخرجہ الترمذی ۱۴۹/۳ قال حسن غریب)۔

چوتھے قول کی دلیل:

ابن حزم کی وہی دلیل ہے جو اس سے سابق والے مسئلہ میں ہیں۔

مناقشۃ الادلۃ:

پہلے قول کی دلیلوں پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آیت وحدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایفاء عقد یا شرط اسی صورت میں واجب ہے، جبکہ عقد یا شرط صحیح ہو، یہ شرطیں صحیح نہیں ہیں، اس لئے کہ اس سے تحریم ما احلہ اللہ لازم آتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”إنما یوفی من الشروط مایبین أنه جائز ولم تدل سنة رسول الله ﷺ علی أنه غیر جائز“۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی کی یہ شرط کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا، اسے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، اور شوہر کی جانب سے یہ شرط کہ وہ نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں اس اعتبار سے کہ دونوں میں دوسرے کے شرعی حق کو سلب کرنا ہے جو جائز نہیں ہے (الام ۵/ ۷۳، ۷۴)۔

اور شروط جائزہ سے ان لوگوں کی مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد کے مطابق ہوں، جیسے انفاق، کسوہ، اور سکنی کی شرط، نہ کہ وہ شرطیں جو مقتضیات عقد کے منافی ہوں۔

مگر علامہ ابن دقیق العیدؒ حدیث کی اس شرح سے متفق نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں مقتضیات عقد کے ذریعہ واجب ہیں ان کے اشتراط کا کیا فائدہ (فتح الباری ۹/ ۲۱۸، معالم السنن علی ھامش سنن ابن داؤد ۲/ ۲۰۴)۔

اور ابن قدامہ: کہتے ہیں کہ اس شرط سے تحریم حلال لازم نہیں آتا، بلکہ وعدہ وفاء نہ کرنے کی صورت میں عورت کو صرف خیار فسخ حاصل ہوتا ہے (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۵۴۹)۔

پہلے قول کی دلیل میں اجماع کا دعوی درست نہیں ہے، کیونکہ خود حضرت عمرؓ کی رائے اس مسئلہ میں متردد تھی اور حضرت علیؓ بھی اس کے مخالف ہیں (المحلی ۹/ ۵۱۸، فتح الباری ۹/ ۲۱۸)۔

دوسرے قول کی دلیل "**ماكان من شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل**" سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اس سے مراد "**كل شرط خالف كتاب الله**" ہے جیسا کہ عمر اور ابن عمرؓ نے سمجھا (ملاحظہ ہو: صحیح البخاری کتاب الشروط باب المکاتب ۵/ ۳۵۳) اور بالاتفاق بیع میں ایسی شرطیں رکھ سکتے ہیں، جو شرعی حکم کے منافی نہ ہوں، اگرچہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہ ہو۔

دوسرے قول کی دلیل حدیث جابر سے استدلال درست نہیں، کیوں کہ اس میں ایسی شرط رکھی گئی ہے جس سے شرط رکھنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، تو وہ شرط لغو ہے۔

خلاصۂ کلام:

اصل سبب خلاف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ان شرطوں سے تحریم حلال لازم آتا ہے یا نہیں؟ ہمارا رجحان اس سلسلہ میں پہلے قول کی جانب ہے، یعنی تحریم حلال لازم نہیں آتا۔

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافۂ مہر

مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی ☆

نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا، اس لئے نکاح میں کوئی اگر ایسی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا، شرط کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جائے گی، مثلاً اگر شرط لگائی کہ مہر نہیں دے گا تو بھی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا، اگر وطی کرے یا مرجائے (ہدایہ ۲/ ۳۲۴)۔

اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کے لئے چھوڑ دیا، تو اس کو اس میں رجوع کا حق ہے (ہدایہ ۲/ ۳۴۹)۔

اسی طرح نفقہ بھی شیئاً فشیئاً واجب ہوتا ہے، اگر کسی عورت نے نفقہ معاف کردیا یا معافی کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو میرے خیال میں اس کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا (فتح القدیر ۴/ ۳۹۴، ۳۹۵)۔

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو، جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہو، جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ

☆ قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

نہیں لے جائے گا، ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یعنی نکاح صحیح ہوجائے گا، اگر ایسی شرط جس سے صرف اس عورت کو فائدہ ہے، کسی دوسرے کو نقصان نہیں ہے تو مناسب ہے کہ شوہر اس وقت تک اس شرط کی پابندی کرے جب تک کہ مقاصد نکاح فوت نہ ہوں، مثلاً اگر عورت نے شرط لگایا کہ اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا ایسی صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی، یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہوگیا جہاں رہ کر بیوی کے حقوق ادا کرنا انتہائی دشوار اور پریشان کن ہو تو شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو شوہر بیوی کو طلاق دے کر الگ کردے یا اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل ہوجائے، ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان اور بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جائے۔

لیکن قضاءً ایسی شرط کے پورا کرنے کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے، اور اگر ایسی شرط لگائی گئی ہے کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو ضرر پہنچے تو ایسی شرط کا پورا کرنا ضروری تو کیا میرے خیال میں جائز بھی نہیں ہوگا، مثلاً کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلاں بیوی کو طلاق دیدے گا۔

ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کو مہر مثل ملے گا (فتح القدیر ۳؍۳۵)۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"وهذه الشروط تمنع التزوج والتسرى لووجب الجرى على موجبها فكانت باطلة" (فتح القدیر ۳؍۳۵۱)۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"إذا تزوجها على ألف أن لايخرجها من البلدة أوعلى ألايتزوج عليها أخرى فإن وفى بالشرط فلها المسمى ۔ وإن تزوج عليها أخرى أو أخرجها فلها مهر مثلها" (ہدایہ ۲؍۳۲۹)۔

نکاح کے وقت تفویض طلاق کے سلسلہ میں تھانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے، میرے نزدیک وہ بہت کافی ہے، میں اس میں اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اس کے لئے دیکھئے (الحیلۃ الناجزۃ/۳۱ تا ۳۸)۔

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے، لیکن بعض حالات میں ناگزیر بھی ہے، مسلم معاشرہ میں طلاق کی کثرت اتنی نہیں ہے جتنی مشہور ہے، تین طلاق یا کثرت طلاق کو (واقع میں کثرت ہو) روکنے کے لئے پابندیاں عائد کرکے طلاق کو دشوار بنانا میرے خیال میں صحیح اور مناسب نہیں ہے، جس طرح شریعت نے طلاق کو آسان بنایا ہے اس کو آسان ہی رہنے دینا مناسب ہے، عملی طور پر ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زوجین میں تعلقات خوشگوار نہیں ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ دونوں میں علیحدگی ضروری ہے، لیکن مہر زیادہ ہے اور شوہر مہر دینے کے ڈر سے طلاق بھی نہیں دیتا، اس طرح عورت کالمعلقۃ ہوکر رہ جاتی ہے، یا مجبور ہوتی ہے کہ مہر معاف کرکے طلاق حاصل کرے، ممکن تھا کہ اگر مہر کی مقدار کم ہوتی تو شوہر طلاق دیدیتا اور عورت مہر پانے کی حقدار رہتی۔

تین طلاق یا کثرت طلاق جہالت کا نتیجہ ہے، اس کے بے جا استعمال سے روکنے کیلئے مہر میں اضافہ میرے نزدیک مسئلہ کا حل نہیں ہے، بلکہ اس کا حل معاشرہ اور سماج میں اس بارے میں لوگوں کو مسائل سے واقف کرانا اور اس سے پرہیز کرنے کی ترغیب دلانا مفید اور مناسب ہوگا۔

اس کے باوجود اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار روپے ہوگا، اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا، میرے خیال میں یہ شرائط صحیح ہوں گے اور جو حالت ہوگی اروسی کے مطابق مہر واجب ہوگا۔

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے، اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح

میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا، میرے خیال میں یہ دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی۔

بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہوتو حضرات صاحبین فرماتے ہیں:

"الشرطان جائزان حتى كان لها الألف إن أقام بها والألفان إن أخرجها" (ہدایہ ۲/۳۲۹)۔

میری رائے میں بیوی کے اقامت واخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لئے جس طرح صاحبین کے نزدیک اقامت واخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں، اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور جائز ہوں گی۔

شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کردے، جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہوسکتا ہو، البتہ ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا اس کے بعد ایسی ملازمت کی اجازت دے دی جس سے اس کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے، تو ضروری نہیں کہ وہ اس اجازت کو واپس نہ لے، چاہے شادی کے مقاصد ختم کیوں نہ ہوجائیں (الاحوال الشخصیۃ: ۲۳۹، ردالمحتار ۲/ ۶۶۵ باب النفقۃ)۔

نکاح اور شرائط

مولانا ممتاز عالم مصباحی

عقد نکاح سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسی کو شرط بنا کر عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا جائے تو یہ شرط صحیح ہے، نکاح بھی صحیح ہے، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے، اور وہ شرط جو مقتضائے عقد کے موافق ہو، صحیح ہوتی ہے مفسد عقد نہیں ہوتی، البتہ اس طرح کی شرط لگانا بے سود ہے، کیوں کہ جو ذمہ داری کسی فریق پر عقد نکاح ہی سے عائد ہوگئی، وہ واجب الایفاء ہوگی، خواہ وقت نکاح اس کی شرط ہو یا نہ ہو، لہذا وقت نکاح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا صحیح ہے، مفسد نکاح نہیں، لیکن بے سود ہے، بیوی کا نان ونفقہ بہر حال شوہر پر لازم ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

''نکاح صحیح کے بعد بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اس لئے کہ نفقہ بیوی کو قابو اور قبضہ میں رکھنے کا بدل ہے اور ہر وہ شخص جو کسی غیر کے قابو میں اس کے فائدہ کے لئے ہو، تو قابو میں رکھنے والے پر اس کا نفقہ واجب ہے''۔

(الف): نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز نہ ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، ایسی شرط فاسد ہے، کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف اور احد المتعاقدین کے لئے نافع ہے ''**کل شرط شانه هذا فهو فاسد**''، لیکن اس شرط سے نکاح کی صحت پر کچھ بھی حرف نہیں آئے گا، کیو

کہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شروط باطل اور بے اثر ہوکر رہ جاتی ہیں۔

''درمختار'' میں ہے:

''نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا شرط ہی باطل ہوجاتی ہے نکاح نہیں، یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ نکاح ہوا تو نکاح باطل نہیں ہوگا''۔

اس شرط کی پابندی ضروری نہیں بلکہ اس سے گریز ضروری ہے۔

(ب): وقت نکاح بھی فریق کی جانب سے کوئی ایسی شرط لگانا، جو نہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے دائرہ میں آتی ہو اور نہ اس کے ذریعہ نکاح سے عائد شدہ کسی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو، بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی اور ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط فاسد ہے، نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اس شرط کو وعدہ کی حیثیت حاصل ہوگی جس کو پورا کرنا لازم نہیں'' بدائع الصنائع'' میں ہے:

''وقت نکاح اگر شوہر نے ساتھ طلاق دینے اور عورت کو شہر سے باہر لے جانے کی شرط لگادی، تو عندالشرع شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں''۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق اسکو حاصل ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو یہ شرط عندالشرع معتبر ہے، عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، شوہر اس تفویض طلاق کو ختم کرنا بھی چاہے تو ختم نہیں کرسکتا۔

''فتاوی عالمگیری''میں ہے:

''عورت نے مرد سے کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا اختیار مجھے رہے گا، جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا مجھے قبول ہے، تو نکاح جائز ہوجائے گا، اور طلاق کا اختیار عورت ہی کو حاصل رہے گا''۔

''جوہرنیرہ'' میں ہے:

''اگر مرد نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے کو طلاق دے لو تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا''۔

(ج) ۲-عورت کا نقصان عقل ودین، کثرت طعن ولعن اور سرعت غضب جیسی صفات سے متصف ہونا، عقلاً ونقلاً ثابت ہے، اس لئے تفویض کی صورت میں نکاح سے متعلق شرعی مصالح کے ضائع ہونے کا قوی خدشہ ہے، لہذا احتیاطاً چند قیود وحدود بڑھائی جاسکتی ہیں (۱) شوہر تفویض کے وقت، وقت کی تعیین کردے، (۲) شوہر تفویض طلاق کی تعبیر اس طرح کرے کہ عورت کو صرف طلاق رجعی کا اختیار حاصل ہو، مثلاً یہ کہے کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے اور اس سے طلاق رجعی کی نیت کرے۔

(ج) ۳-نکاح کے غلط استعمال سے روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار، اس طرح مہر طے کرنا جائز ومعتبر ہوگا، اب رہا یہ سوال کہ دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہے، اور اس شکل میں مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری شرط فاسد ہے، اس میں مہر مثل واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ مہر مثل سے متجاوز نہ ہو، صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، لیکن امام زفرؒ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں، دونوں شکلوں میں مہر مثل واجب ہوگا جو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم اور مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ قول امام سے عدول کے

لئے کسی سبب کا تحقق نہیں۔

۲- نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے، کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تین ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک اگر شوہر نے منکوحہ کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر مسمی پندرہ ہزار دینا ہوگا، اور اگر دوسری عورت سے شادی کر لی تو مہر مثل دینا ہوگا، مہر مسمی نہیں۔

۳- عورت جائز ملازمت کر سکتی ہے، جس میں کوئی شرعی فساد نہ ہو، اگر وقت نکاح جائز ملازمت کی شرط لگا دی گئی تو اس کی حیثیت وعدے کی ہوگی جس کی پابندی شوہر پر لازم نہیں، شرط منظور کر لینے کے بعد بھی شوہر عورت کو معاملہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے، اور عورت پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

نکاح میں مفید ومعتبر شرائط

مولانا محمد رفیق ابن آدم فلاحی

جواب (۱) پہلے نمبر کی شرطیں لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، یہ حقوق اللہ تعالی کی طرف سے عائد کردہ ہیں، وہ ذکر کئے جائیں یا نہ کئے جائیں، بہر صورت ان حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔

دوسرے نمبر کی شرط لگانے سے نفقہ کا یا عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داری کا سقوط نہ ہونا چاہئے (درمختار ۲/ ۶۵۳) میں ایک جزئیہ ہے جس سے اس مسئلہ میں مدد لی جاسکتی ہے:

"حتی لوشرط فی العقد أن النفقة تكون من غير تقدير والكسوة كسوة الشتاء والصيف فلها بعد ذلک طلب التقدير فيهما"۔

مسئلہ مذکورہ میں بوقت عقد عدم تقدیر کی شرط لگائی ہے، اس کے باوجود عورت کے لئے نفقہ میں طلب تقدیر کا حق باقی رہتا ہے۔

البتہ ایسی شرائط سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

عقد نکاح سے شوہر کے ماتحت ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں برابری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جس سے شوہر بذریعہ شرط سبکدوش ہونا چاہ رہا ہے جو باطل ہے اور شرط غیر معتبر ہے، لہذا اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

تیسرے نمبر کی شرط اگر عاقدین میں سے کسی کے حق میں مفید ہو اور وہ شرط شریعت کے خلاف نہ ہو تو ایفاء لازم ہوگا، ورنہ نہیں۔

ج۔ایسی شرط لگانے اور مرد کے قبول کر لینے سے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہو جائے گا، جس کو مرد ختم نہیں کر سکتا (درمختار ر ۴۸۵)۔

نکاح میں تینوں قسم کی شرائط کا حکم اس طرح ہوگا:

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اضافت الی النکاح لکھا جائے، مثلاً یوں لکھا جائے کہ اگر میں اس عورت سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہوگا، اور عورت اسی مجلس میں قبول کر لے تو طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہو جائے گا۔

(۲) دوسری صورت میں تفویض درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت یا اس کے ولی، وکیل یا نکاح پڑھانے والے کی جانب سے ہو، مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ فلاں فلاں صورت میں مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرے نکاح سے الگ ہونے کا اختیار ہوگا، اور مرد قبول کر لے تو تفویض درست ہوگی (الدرمختار ۲ر ۴۸۵)۔

(۳) تیسری صورت میں شوہر عقد نکاح کے بعد کہے کہ فلاں فلاں صورت میں تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے اور عورت قبول کر لے تو تفویض درست ہوگی، مذکورہ تین صورتوں میں جس صورت پر بھی اس کے شرائط کے مطابق عمل کیا جائے گا، تو طلاق کا اختیار عورت کو ہوگا، جس کو شوہر ختم نہیں کر سکتا۔

تفویض اور اختیار میں مزید احتیاط کے لئے اس طرح کی قیدیں بڑھائی جائیں تو جانبین کے حق میں مفید ہوگا:

(۱) جس مجبوری کی بناء پر اختیار رہوگا اس کو دس آدمیوں میں سے کم از کم دو مجبوری تسلیم کر لیں اور وہ دونوں عورت کی علیحدگی کو مناسب قرار دیں، اور ان دس افراد کے نام طرفین کی

رضامندی سے درج کردئے جائیں۔

(۲) اس کے بعد عورت ایک ہفتہ غور کرے گی۔

(۳) اپنے خیرخواہوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

(۴) اور حاصل شدہ مجبوری سے ملا ہوا اختیار ایک مہینہ تک رہے گا، لہذا جب جب وہ مجبوری پیش آئے گی، ایک ایک مہینہ کا اختیار ملتا رہے گا۔

ایک قید شوہر کے لئے مفید ہے جو اس طرح لگائی جائے کہ عورت جب اختیار کا استعمال کرے گی، تو مہر معاف کرکے اپنے اوپر طلاق واقع کرے گی۔

مذکورہ قیودات کے ساتھ جب اختیار دیا جائیگا تو انشاء اللہ عورت اپنی کم عقلی اور جلد بازی کی بناء پر اس کا بے جا استعمال بھی نہ کرے گی اور شریر شوہروں سے بدرجہ مجبوری بسہولت چھٹکارا بھی حاصل کرسکے گی۔

اولاً تین طلاق دینا ایک ناجائز امر ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مفاسد سامنے آرہے ہیں، وہ بے حد ہیں، مرد خود ہی ایسی جلد بازی سے کام لے کر پوری زندگی پچھتا تا پھرتا ہے اور حیلے ڈھونڈتا پھرتا ہے، پھر طلاق کے بعد عورت خود یا اس کے اولیاء کورٹ کا سہارا لیتے ہیں، جہاں بے شمار لوگوں کی موجودگی میں طرفین ایک دوسرے پر غلط قسم کے الزامات تھوپتے ہیں، اس منظر کو دیکھ کر ہندو وکلاء اور جج مسلمانوں کو خفت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور کورٹ کے تئیں ایک چکر کاٹنے کے بعد شوہر پر ناقابل برداشت خرچ کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے، جس کا لینا اور دلوانا سب ناجائز ہے، اس کے باوجود مال طیب سمجھ کر برضائے قلب لیا جاتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے وصول کیا جاتا ہے۔

مذکورہ مفاسد پر نظر کرتے ہوئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں صاحبان کے قول پر فتوی دیا جائے، جیسا کہ ”باب مزارعۃ“ میں بوجہ ضرورت صاحبان کے قول پر فتوی دیا گیا ہے (ردالمحتار ۱؍۴۹)۔

۲- میں ذکر کردہ دونوں شرائط صاحبان کے قول پر معتبر ہیں اور امام صاحب کے یہاں دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا، جو مسمی سے متجاوز نہ ہو۔

چونکہ اس مسئلہ میں ضرورت کا تحقق نہیں ہے، اس لئے امام صاحبؒ کے قول پر فتوی ہوگا۔

جواب نمبر ۳: موجودہ زمانہ میں عورت کو ملازمت پر باقی رکھنے میں قوانین اسلام کی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے ہونے والا شوہر ایسی غیر مفید شرط کا پابند نہ رہے گا، اور ملازمت پر جانے سے عورت کو روک سکتا ہے (بحوالہ قواعد فقہیہ ر ۱۸۴ قاعدۃ ۱۴۹)۔

نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں اور احکام کا مسئلہ

مفتی محمد اسلم

عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو زواج کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں، یعنی مقتضاء عقد کے مطابق ہوتی ہیں، جیسے نفقہ، کسوہ، سکنی وغیرہ، ان کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے، اگرچہ ان کی تصریح نہ کی گئی ہو۔

(۲) جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنی کی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرط باطل ہو جائے گی اور نکاح درست ہو جائے گی۔

(۳) ''**وما ليس من القسمين**'' مثلاً دوسری عورت سے نکاح نہ کرے کی شرط، یا دوسرے گھر نہ لے جانے کی شرط، یا اس جیسی دوسری مباح شرائط، اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے۔

امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شروط کی اس تیسری نوع کو پورا کرنا قضاءً ضروری نہیں، البتہ دیانتاً ضروری ہے، اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وعدہ کرے تو پورا کرے اور فرمان باری تعالیٰ: ''**وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا**'' (سورہ اسراء: ۳۴) کا تقاضا بھی یہی ہے (درس ترمذی ۳/ ۴۱۲، الکوکب الدری ۲/ ۲۳)۔

(الف)۔دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً باطل ہے۔

"روی عن علی ابن أبی طالب أنه قال شرط الله شرطها" (ترمذی ۲۱۴/۱)

"وفی الهدایه: شرط قبول الخمر شرط فاسد فیصح النکاح ویلغو الشرط" (ہدایہ ۳۳۱/۲)۔

جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنی کی شرط، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ شرط باطل ہوجائیگی اور نکاح درست ہوجائے گا (درس ترمذی ۴۱۲/۳)۔

تیسری قسم کی شرائط، یعنی ایسی شرط لگانا جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے یا دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، جیسے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی شرط یا دوسری جگہ نہ لے جانے کی شرط یا اس جیسی دوسری مباح شرائط، اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

"ومالیس من القسمین (ای اولیین) فهی مباحة اتیانها وترکها فهذه یجب الإیفاء بها إذا اشترط وإن لم یشترط لا" (الکوکب الدری ۲۳۸/۳)۔

(ج) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں) (الفتاوی الہندیہ ۲۶۱/۶)۔

اور فتاوی رحیمیہ میں ہے کہ جب عورت کو طلاق کا اختیار دینے کی غرض سے کہا گیا کہ جب تم چھٹی ہونا چاہو تو بچوں کو بددعا دینا تو عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگیا، جب عورت بچوں کو بددعا دے گی تو چھٹی ہوجائے گی، یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی، اگر چہ لفظ "چھٹی ہونا" کنایہ ہے مگر غلبہ استعمال سے صریح کے حکم میں ہے، اسلئے طلاق رجعی واقع ہوگی (فتاوی رحیمیہ ۲۷۸/۵)۔

رہی بات کہ اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض کو ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ شوہر کو تفویض

طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے شرائط میں مرد کو غور خوض اور اہل علم وفہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی وپشیمانی ہوگی (الحیلۃ الناجزۃ/۳۰، الہدایہ ۲/۳۸۱، الدرالمختار ۳/ ۲۳۳)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جائے، چاہے بعد میں لکھوایا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح ومعتبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے۔

(۱) پہلی صورت میں شرط ہے کہ کابین نامہ میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ بے کار ہوگا، اسکی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (الردالمختار ۳/ ۳۴۴)۔

(۲) دوسری صورت کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کے جانب سے ہو ،یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا، اسکے جواب میں مرد ناکح کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم ومصیبت دیکھے، اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کے جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی، خوب سمجھ لو (ماخوذ مع الحذف من الناجزۃ/ ۲۵، الردالمختار ۳/ ۳۲۹)۔

(۳) نکاح میں شرط کی تین صورتوں میں سے تیسری صورت کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جائے، یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

رہا سوال کہ کیا تفویض واختیار کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں، جو جانبین کے لئے مفید ہوں اور بے جا استعمال کا سدباب کریں تو اس کے جواب میں ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی عبارت درج ذیل ہے۔

''چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دیدینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے، جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر روپے کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلی جائے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا، جبکہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے، اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اگر اس سے زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو یہ جملہ بھی بڑھالیں ''اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں'' (یہ سب کچھ حذف واختصار کے ساتھ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے جزء اول تفویض طلاق بوقت نکاح'' سے لیا گیا ہے (ص ۲۷،۲۴)۔

طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا تو یہ شرط جائز ومعتبر نہیں، طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر مسمی (دس ہزار) ادا کرنے ہوں گے اور طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ مہر مسمی

متجاوز نہ ہو، جیسا کہ امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں شرطیں لازم العمل نہیں، بلکہ یہ بات صاحبین کے نزدیک ہے۔

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا اصول کی روشنی میں صحیح نہیں، اس کی چند وجوہات ہیں:

(۱) غیر مجتہد کے لئے اصولیین کے نزدیک ایک جزئیہ کا قیاس دوسرے جزئیہ پر جائز نہیں، لہذا اس بناء پر قیاس صحیح نہ ہوا (رسم المفتی: ۷۹)۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث یعنی مشروط بالطلاق کو مہر مشروط باخراجھا من الوطن پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ مقیس کا تعلق قطع نکاح سے ہے جو اشد ہے اور مقیس علیہ کا تعلق قطع نکاح سے نہیں ہے، بلکہ ایک جزئی مسئلہ سے ہے جو اھون ہے، لہذا مقیس علیہ میں تفاوت ہونے کی بناء پر قیاس صحیح نہیں ہے۔

(۳) ارباب متون معتبرہ کے قول کو ارباب شروح کے مقابلہ میں اختیار کیا جائے گا، بشرطیکہ مشائخ نے اس کے خلاف کو راجح نہ قرار دیا ہو (رسم المفتی: ۸۰)۔

اور یہاں پر مشائخ نے ارباب متون کے قول کو ہی اختیار کیا ہے، کیوں کہ اس کے خلاف تصحیح موجود نہیں۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں مرد سے وہ آزادی سلب کرنی لازم آئے گی، جو اس کو شریعت نے ودیعت کی ہے، خصوصاً جب کہ یہ معاملہ وعظ ونصیحت اور سمجھانے بجھانے سے سلجھ سکتا ہے اور خرابیاں دور ہوسکتی ہیں، نیز یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بعض طبائع پر ضابطہ کارگر ہوتا ہے، اسی طرح یا اس سے زیادہ اکثر طبائع پر رابطہ مؤثر ہوتا ہے لہذا "**للأکثر حکم الکل**" کے تقاضے سے بجائے ضابطہ کے رابطہ اختیار کرنا چاہئے، نیز شوہر کو اگر کسی ضابطہ یا غلاء مہر کے واسطہ سے ذہنی طور پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ طلاق واقع نہ

کرسکے تو اس صورت میں مفاسدہ کثیرہ کے باب کے کھلنے کا قوی اندیشہ ہے، اس میں ایک بات یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا اور یہاں قید و بند کی وجہ سے چھوڑ بھی نہیں سکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عورت پر ظلم وستم ڈھانا شروع کردے گا جس کا ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ مجبور ہوکر عورتیں لاعلمی اور کم عقلی کی وجہ سے خودکشی کرنے لگیں گی یا مرد خفیہ قتل کی سازش بنائیں گے جو بالخصوص سفلہ اور فاسق وفاجر لوگوں کے یہاں کوئی بعید از امکان نہیں۔

نیز مہر کو اگر قلیل وکثیر دو شق کی طرف دائر کیا گیا تو ظاہر بات ہے کہ شق ثانی یا تو رقم خطیر ہوگی جو مانع طلاق ہے یا رقم خطیر نہیں ہوگی، اگر رقم خطیر نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس شرط کے لگانے سے کوئی حاصل نہیں اور اگر رقم خطیر ہے تو کوئی بعید نہیں کہ سرے سے شوہر نکاح سے رک جائے اس لئے کہ لڑکیوں کی کثرت اور فراوانی کا ہونا ظاہر ہے، اس سے نہیں تو کسی اور سے نکاح کرلے گا اس صورت میں وہ لڑکی نفس نکاح سے ہی محروم رہی، پھر اس شرط کا کیا حاصل، اور اگر اس نے اس کے باوجود نکاح کا اقدام کرلیا تو وہ مفاسد کثیرہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، اس مبینہ مصلحت اور ضرورت سے زیادہ ان مفاسد سے بچنے کی ضرورت ہے، جو اہم اور اشد ہے، اس وجہ سے ظاہر الروایہ سے انحراف کرکے نادر کی طرف جانا، ہمارے خیال میں لاحاصل ہے۔

لہٰذا ظاہر الروایۃ ہی کو اختیار کرتے ہوئے علماء کرام اگر وقت کی نزاکتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی پند ونصیحت کا دائرہ اور زیادہ وسیع کردیں تو یہ ہمارے خیال میں قرینہ مصلحت ہوگا، گو وہ اپنے فرض منصبی کو تو ادا کرتے ہی رہتے ہیں۔

۲- ایسی صورت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل نہیں ہوں گی، جیسا کہ امام اعظمؒ کا مذہب مذکورہ بالا سطروں سے معلوم ہوا، لہذا اس صورت میں بھی اگر شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر مہر مثل ہوگا (فتح القدیر ۲/۴۵۹)۔

۳- اس شرط کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے عورت کی ملازمت کا شرعی حکم معلوم کرلینا

ضروری ہے، تاکہ شرط کی شرعی حیثیت معلوم ہوجائے ،لہذا اس سلسلہ میں ''فتاوی رحیمیہ'' کے ایک استفتاء کا جواب حذف واختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ بے حجاب ہوکر دکان میں بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ تجارت کریں، ان کے مرد تبلیغی جماعت میں جائیں یا حج کو، یا کسی بھی وجہ سے غائب رہیں، بے حجابی اور بے پردگی کسی بھی حالت میں جائز نہیں، قرآن پاک کی آیتیں اور حضور ﷺ کے ارشادات اور خود سید الانبیاء ﷺ کا عمل، حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین یعنی جملہ سلف کی روایات کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے، قرآن پاک کی آیات لاتبرجن، دکھاتی نہ پھرو، سامنے نہ آؤ وقرن فی بیوتکن گھروں میں قرار سے رہو، ارشادات رسول اللہ ﷺ: ''المراة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان'' (ترمذی) ان ہی فتنوں کی بناء پر حکم یہ ہے، ''ليس لنساء نصيب فى الخروج الامضطرة'' (طبرانی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کو دکان پر بیٹھنے کی، بے پردہ ہونے کی، اور غیر محرم سے باتیں کرنے کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۶۷)۔

جب عورتوں کی ملازمت کا محظور شرعی ہونا معلوم ہوگیا تو اس شرط کا باطل ہونا بھی معلوم ہوگیا، کیونکہ ہر وہ شرط جو محظور ہو وہ باطل ہے، اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے (الکوکب الدری ۴/ ۴۳۷)۔

اور ''المراة بين الفقه والقانون'' میں انہیں شمار کیا گیا ہے (المرأة بین الفقہ والقانون/ ۶۸)۔

طلاق کے اختیار کی شرط کا مسئلہ

مفتی ریاست علی قاسمی

مذہب اسلام میں انسانی خواہشات کا غایت درجہ احترام اور لحاظ کیا گیا ہے، اسی وجہ سے نکاح کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے، بلکہ حکم دیا گیا ہے بعض صحابہ کرام نے عبادات اور نوافل میں مشغول ہونے کی خاطر تبتل اور عورتوں سے علیحدہ رہنے کی نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے صاف طریقہ سے منع فرمادیا، اور مذہب حنفی کے اندر تخلی بالنوافل سے نکاح کو افضل قرار دیا گیا، اسی وجہ سے نکاح کرنا عام حالت میں مسنون اور حالت تو قان میں واجب ہے، نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایسا قابل احترام عقد ہے، جس کے ذریعہ جائز تعلق استوار ہوتے ہیں اور جہاں سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اسلام کا مطمح نظر یہ ہے کہ رشتہ نکاح پائیدار اور مضبوط رہے، اسی لئے جا بجا قرآن وحدیث میں ایسی ہدایات اور شرائط کا فریقین کو پابند بنایا گیا ہے جس سے رشتہ میں استحکام اور دائمی رفاقت کا بندھن مضبوط سے مضبوط ہو جائے، اور زوجین کے عائلی حقوق کا پورا تحفظ ہو سکے۔

عقد نکاح میں شرط لگانے کا حکم:

عقد نکاح کے اندر لگائی جانے والی شرط کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، بعض شرائط مقتضاء عقد کے مطابق ہوتی ہیں، بعض شرائط مقتضاء عقد کے خلاف ہوتی ہیں، مقتضاء عقد کے مطابق

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی شرائط فریقین ایک دوسرے پر عائد کریں کہ شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی فریقین پر ضروری ہو، شرط لگانے سے صرف ان حقوق کی تذکیر اور یاددہانی مقصود ہوتی ہے، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان ونفقہ رہائش وغیرہ شوہر پر لازم ہوگا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ بیوی میرے تمام شرعی حقوق واجبہ ادا کرے گی میرے گھر پر رہے گی، پردہ کے ساتھ رہے گی اور میری اولاد اور گھریلو اشیاء کی مکمل دیکھ بھال کرے گی، عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرائط عائد کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس سے عقد نکاح کے انعقاد پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا

مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے پر ایسی شرائط عائد کریں جن کے ذریعہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر مجھ سے صحبت اور مباشرت نہیں کرے گا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہوگی وغیرہ، عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرطیں لگانا شرعاً ناجائز ہیں، اگر عقد نکاح میں اس قسم کی شرطیں لگادی گئیں تو نکاح درست ہوجائے گا، اور شرائط لازم الایفاء نہیں ہوں گی، کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے (الفتاوی الہندیہ ۱؍۲۷۳)۔

عقد نکاح میں مذکورہ دونوں قسم کی شرائط کے علاوہ شرائط کا حکم:

بعض شرائط ایسی ہیں جو مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے کسی کے زمرہ میں نہیں آتی ہیں، بلکہ مشروط نکاح کی صورت میں فریقین کے اوپر نئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط کی صورت میں عائد نہیں ہوتی ہے، اس قسم کی شرائط کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) عقد نکاح سے قبل ہی شرائط طے ہوجائیں اور عقد نکاح کی طرف اضافت نہ کی جائے۔

(۲) عقد نکاح سے قبل شرائط طے کی جائیں اور نکاح کی طرف اضافت کردی جائے

(۳) عقد نکاح سے قبل شرائط مقرر کی جائیں، لیکن فریقین کے دستخط عقد نکاح کے وقت کرائے جائیں۔

(۴) عقد نکاح ہی میں شرائط کا تذکرہ ہو، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

(۵) عقد نکاح کے بعد فریقین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

ان تمام صورتوں میں اول الذکر صورت کی شرائط لازم الایفاء نہیں ہیں اور نہ ہی ان شرائط سے عقد نکاح کے بعد کوئی جدید ذمہ داری فریقین پر عائد ہوگی، اور باقی تمام صورتوں میں حسب شرائط نامہ فریقین کے لئے ان شرائط کی جو مقتضائے عقد کے مناسب ہوں پابندی کرنا شرعاً لازم اور ضروری ہے، کیوں کہ یہ ایک قسم کا عہد ہے اور عہد کی پابندی مسلمان پر لازم ہے، اور حدیث پاک میں اس کو مسلمان کی امتیازی علامت بتلایا گیا ہے اور بدعہد کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے، "**وأوفوا بالعهد**" (بنی اسرائیل) (قواعد فقہیہ/ ۱۲۱)۔

"بخاری شریف کتاب الشروط" میں ہے:

"**قال عمر: إن مقاطع الحقوق عند الشروط ولک ما اشترطت**" (بخاری ۱/ ۳۷۶)۔

عقد نکاح میں عورت کی طرف سے طلاق کے اختیار کی شرط لگانے کا حکم:

اگر عقد نکاح میں عورت شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے طلاق کا اختیار رہے گا اور شوہر اس کو منظور کرلے، یا شوہر ہی صلب عقد میں عورت سے یہ کہہ دے کہ تم کو طلاق دینے کا اختیار ہے، تو اصطلاح فقہ میں اس کو تفویض طلاق کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ فریقین نے صلب عقد میں عورت کے اختیار طلاق کی شرط لگادی ہے، یا عقد نکاح کے بعد عورت کو اختیار طلاق تفویض کیا گیا ہے، یا عقد نکاح سے پہلے شرط لگائی گئی ہے اور اس کی نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہے، مثلاً یہ کہا کہ اگر میرا تجھ سے نکاح ہوجائے یا تو میری بیوی بنے تو تجھ کو طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا تو ایسی صورت میں عورت کو حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہے، لیکن اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط نامہ بابت اختیار طلاق طے کیا جائے اور اس میں اضافت الی النکاح

نہ ہوتو یہ شرط لگانا محض لغو اور کالعدم ہوگا، اور اس کی وجہ سے عورت کو کسی قسم کا اختیار طلاق نہ ہوگا (ردالمحتار علی الدر المختار ۴/۳،۷ ۵۳۶، ہدایہ ۲/ ۳۶۵، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۴۲۰)۔

تفویض طلاق میں مصالح شرعیہ کے ضیاع کا اندیشہ اور اس کا حل:

عورت چونکہ ناقص العقل اور کج فطرت واقع ہوئی ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے حوالہ کردینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ بوقت تفویض کوئی مناسب قید لگادی جائے ،جس سے اس خطرہ کا سدباب ہوسکے، مثلاً لڑکی یا لڑکی کا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں کو تمہارے نکاح میں بعوض مہر اس شرط پر دیا کہ اگر اس کو تمہاری طرف سے کوئی گزند پہنچے گی جس کو فلاں فلاں ذمہ دار اشخاص تسلیم کرلیں (اس جگہ کم از کم دس ذمہ دار اشخاص کا نام تراضی طرفین سے لکھا جائے) تو اس کے بعد طلاق کا معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائنہ واقع کرکے علیحدگی اختیار کرلے، اس صورت میں یہ اشخاص صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد تفریق ناگزیر ہوتو کرنے کا اختیار ہوگا، اور عورت کے لئے مناسب یہ ہے کہ اختیار حاصل ہونے کے بعد بھی طلاق واقع کرنے ء میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان سے سوچ سمجھ کر کام کرے، اور تین امور کا کم از کم التزام کرے اول یہ ہے کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک خاص مدت تک غور وخوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو دوسرے اپنے خیر خواہ لوگوں سے مشورہ کرے تیسرے سنت کے موافق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے پھر جو دل میں آئے اس پر توکلا علی اللہ عمل کرے، اس طریقہ سے تفویض مطلق کی صورت میں پیش آمدہ ممکنہ خطرات سے تحفظ ممکن ہوگا (الحیلۃ الناجزۃ/ ۵۳) تفویض طلاق کے مسئلہ میں مولانا اشرف علیؒ ’’کتاب الحیلۃ الناجزۃ‘‘ کے باب اول بابت تفویض طلاق کو رہنما بنایا جاسکتا ہے

تفویض طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا حکم:

اگر شوہر بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کردے تو پھر شوہر کے لئے اس سے رجوع کرنا

درست نہیں ہے، البتہ اگر شرائط نامہ میں شوہر رجوع کی بھی شرط لگالے اور طرفین اس کو منظور کرلیں تو رجوع کرنے کا حق ہوگا (ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/ ۵۲۸)۔

شوہر کے طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں اختلاف مہر کا حکم:

اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس طرح شرط لگادی جائے کہ اگر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر بیس ہزار روپے ہوگا، اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار روپے ہوگا، یا اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور منکوحہ کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہر پندرہ ہزار روپے ہوگا، تو اس طرح شرائط عائد کرنے میں نکاح کے انعقاد کے اندر شرعاً کوئی شبہ نہیں ہے، مگر مہر کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے، صاحبین حسب شرائط نامہ مہر مسمی کے وجوب کے قائل ہیں، اور امام صاحب شرط اول کو پورا کرنے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط اول کو پورا نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں، تمام ہی فقہاء کرام نے امام صاحب کے قول کو مفتی بہ اور قابل عمل قرار دیا ہے

صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کثرت طلاق کی وباء عام ہوتی جارہی ہے، اور عوام الناس معمولی معمولی باتوں پر بلاخوف وخطر طلاق دیتے ہیں جو ایک تشویشناک امر ہے، جس کا سد باب وقت کی اولین اور اہم ضرورت ہے، اس سلسلہ میں علماء کرام اور زعماء ملت کی اولاً ذمہ داری یہ ہے کہ معاشرہ کو نکاح کی عظمت ووقعت اور طلاق کی مذمت وقباحت سے روشناش کرائیں، اور اس موضوع سے متعلق قرآن وحدیث کی صراحتات سے عوام الناس کو واقف کرایا جائے تاکہ کثرت طلاق سے رکاوٹ ہوسکے، جب معاشرہ اسلامی ہوگا، اور نکاح کی عظمت قلوب میں جاگزیں ہوگی تو اس قسم کے امراض قبیحہ سے خود ہی رکاوٹ ہوجائے گی، بصورت دیگر ارباب افتاء کی معتد بہ

جماعت تمام حالات کی نزاکتوں پر غور کر کے صاحبین کے قول پر فتوی دینے کے مجاز ہیں (ردالمحتار علی الدر المختار ۱/ ۳۴۵، ہدایہ ۴/ ۳۰۹، ہندیہ ۱/ ۳۰۷، تاتارخانیہ ۳/ ۱۰۱، ۱۰۲، بحر الرائق ۳/ ۱۵۹)۔

ملازمت کی شرط کا حکم:

نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عفت وعصمت اور حیاء کے ساتھ زندگی گزارنا بھی ہے، اگر نکاح کرنے کے بعد بھی عفت وعصمت اور حیاء کا لحاظ نہ کیا گیا تو یہ مقاصد کے خلاف ہوگا، اس لئے کہ اگر عورت عقد نکاح میں شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے میرا شوہر اعلی تعلیم، مثلاً عورتوں کے امراض مخصوصہ کی ماہر ڈاکٹر خاتون ہونا، جو وقت کی ضرورت ہے، اور سرکاری ملازمت سے نہیں روکے گا، تو اگر اس شرط کو پورا کرنے میں بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہو اور شوہر عورت کی عزت وآبرو اور عصمت وعفت کو محفوظ نہ سمجھتا ہو تو یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے اور شوہر کو اس کی خلاف ورزی کرنی چاہئے ورنہ گنہ گار ہوگا اور اگر اعلی تعلیم کے حصول اور سرکاری ملازمت سے وابستہ ہونے کی صورت میں شرعی پردہ اور حیاء کا مکمل لحاظ کیا جاتا ہو اور شوہر مطمئن بھی ہو تو اس شرط کو پورا کرنا جائز ہوگا۔

نکاح میں ایسی شرائط جن سے ذمہ داریاں عائد ہوں

مولانا عبدالرحمٰن قاسمی ☆

(۱) پہلی قسم (یعنی ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا وغیرہ) کی شرط لگانے یا نہ لگانے میں شرعاً کوئی فرق نہیں ہے، دونوں صورتوں میں نکاح صحیح منعقد ہوجائے گا اور شرائط کا پورا کرنا شرعاً لازم ہوگا (الکوکب الدری: ۱/ ۳۳۶)۔

۲ الف: دوسری قسم، یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا وغیرہ کی شرائط لگانا جائز نہیں ہے، اگر وقت نکاح اس قسم کی شرائط لگا دی گئیں تو شرعاً نکاح صحیح ومنعقد ہوجائے گا اور شرط باطل ولغو ہوجائیں گی، ان کا پورا کرنا لازم وجائز نہیں ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۱۸۷، رد المحتار ۳/ ۵۳)۔

۳ ب: تیسری قسم (یعنی نکاح کے وقت ایسے شرائط عائد کرنا جو مذکورہ بالا دونوں قسم کے شرائط کے علاوہ ہوں، ان کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے، جو غیر مشروط نکاح کی

☆ مفتی ومدرس دار العلوم چھاپی، گجرات

صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائیگا وغیرہ) کی شرط کا حکم یہ ہے کہ ایسے شرائط کے ساتھ نکاح شرعاً صحیح و منعقد ہوجائیگا، اور جو شرائط مقتضاء عقد یا شرع کے خلاف نہ ہوں ان شرائط کو لگانا صحیح اور پورا کرنا واجب ہوگا، اور جو شرائط مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، انکو لگانا صحیح نہ ہوں اور ان کا پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے، حضرت تھانوی ؒ ایک سوال کے جواب تحریر میں فرماتے ہیں: جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۱۸۷) دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو آبائی وطن سے نہ نکالنے کی شرط پر علامہ زیلعی نے کافی اچھی بحث کی ہے، جسے ''تبیین الحقائق'' (۱/ ۱۴۹) پر دیکھا جاسکتا ہے۔

لہذا دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالنے کی شرط شرعاً لازم الایفاء نہیں ہے، کیوں کہ یہ شرطیں شرع کے خلاف ہیں (الکوکب الدری ۱/ ۳۳۶)۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کرتا ہے تو شرعاً عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، درمختار میں ہے: ''**نکحها على أن أمرها بيدها صح**'' (شامی ۳/ ۳۲۹) اور شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے (الحیلۃ الناجزۃ ۳۷، الرد المحتار ۳/ ۳۳۲)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط

اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اس کی وجہ رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (الحیلۃ الناجزۃ ۳۱)۔

۲ اگر عقد نکاح میں ہی ان شرائط کو زبانی ذکر کیا جائے تو ان کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور قبول مرد کی جانب سے ہو اور اگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ ابتدائے کلام، یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور عورت کی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرائط لگائی گئیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط بالکل بے کار و لغو ہوں گی (ردالمحتار ۳/۳۲۹)۔

اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو اور شرط تفویض نہ لگائی ہو، پھر مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کر دیا، تب بھی تفویض صحیح ہوگئی (الحیلۃ الناجزۃ ۳۳)۔

تفویض طلاق واختیار کے بے جا استعمال کے سدباب اور مصالح شرع کی حفاظت کے لئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے۔

(۱) طلاق کے غلط استعمال کو روکنا امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلی شرط کے ساتھ کیا گیا ہو، اس کا تسمیہ صحیح ہوتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو، لہذا جس شرط پر زیادہ مہر مقرر ہوا اس کو پہلے ذکر کیا جائے، یعنی اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر پچاس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے، تو اس صورت میں چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر میں پہلی شرط معتبر ہے اور شوہر اگر پہلی (عورت کو طلاق دیتا ہے) شرط پوری کرتا ہے تو

عورت (کثیر رقم) مہر مسمی کی حقدار بنے گی اس لئے شوہر کثیر رقم (مہر مسمی) سے بچنے کیلئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا، اس طرح دوسری شرط پائی جائے گی اور عورت کو مہر مثل ملے گا، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے زیادہ نہ ہو۔

۲-اس صورت میں پہلی شرط معتبر و لازم العمل ہوگی، یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو عورت تیس ہزار مہر (مہر مسمی) کی حقدار ہوگی اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی، جو پندرہ ہزار سے کم نہ ہو اور تیس سے زیادہ بھی نہ ہو۔

۳-اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ اس کو کوئی ملازمت ملے تو شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا، ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ شرعاً واجب ہے، لہٰذا اس کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود اس شرط کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو شرعاً نکاح صحیح ومنعقد ہوجائے گا اور شرط باطل ولغو ہوجائے گی اس کا پورا کرنا شوہر کے ذمہ لازم وجائز نہیں ہے اور اگر ۴ شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل واجب ہے، ورنہ گنہگار ہوگی۔

نکاح میں مختلف نوع کے شرائط عائد کئے جانے کے احکام

مولانا عبدالقیوم پالنپوری قاسمی

ایسی شرائط عقد نکاح کے وقت لگانا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے، اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کر دینا، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر رہے گا، اس قسم کی شرط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد نکاح صحیح ہو جائیگا، اور اس قسم کی شرائط لگائیں یا نہ لگائیں ہر حال میں ان کا پورا کرنا ضروری رہے گا، چنانچہ ''الکوکب الدری'' (۱/۳۳۶) پر لکھا ہے:

''جن چیزوں کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے، جیسے بیوی کے لئے نفقہ اور سکنی، پس ان چیزوں کو پورا کرنا ضروری ہے اگر چہ شرط نہ لگائی ہو''۔

(الف) نکاح کے وقت ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، (مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ نہیں ہوگا) درست نہیں ہے، اگر اس قسم کی شرائط کے ساتھ کیا گیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ یہ شرائط لغو ہو جائیں گی اور ان کو متعلقہ فریق پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے (ردالمحتار ۴/۳۱۷-۳۱۶، أوجز المسالک ۴/۲۶۵)۔

(ب) اور تیسری قسم (یعنی اوپر مذکورہ شرائط کے علاوہ ایسی شرط لگانا کہ جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً مرد اس عورت کی

موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، وغیرہ) کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرائط کے ساتھ نکاح بھی صحیح ومنعقد ہوجائے گا، اور جو شرائط خلاف شرع نہ ہوں ان کو لگانا اور پورا کرنا واجب ہے اور ان میں جو شرائط خلاف شرع ہوں ان کو عقد نکاح میں لگانا جائز نہیں اور ان کو پورا کرنا بھی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی نے ایک فتوی کے جواب میں لکھا ہے، جو شرط خلاف شرع نہ ہو اوس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، غیر مشروع ٹھہرانا جائز نہیں، او ر مشروع واجب الوفاء ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۰۰) اور حضرت مولانا یحیی صاحب کاندھلویؒ حضرت گنگوہیؒ کے درسی افادات ''الکوکب الدری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ شرائط کی تین قسمیں ہیں: اول وہ شرائط جن کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے، جیسے بیوی کا نفقہ اور سکنی، ان کا پورا کرنا ضروری ہے اگر چہ شرط نہ لگائی گئی ہو، اور دوم وہ شرائط جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہوں ان پر عمل کرنا جائز نہیں اگر چہ شرط لگائی گئی ہو، سوم وہ شرائط جو ان دو قسموں میں سے نہیں ہیں، ان کا لگانا اور ترک کرنا دونوں مباح ہیں، اگر ان کی شرط لگائی گئی تو پورا کرنا واجب ہے اور اگر ان کی شرط نہیں لگائی تو پورا کرنا واجب نہیں''۔

اور تیسری قسم کی شرط پوری کرنے کی صورت میں شوہر پر مہر مسمی واجب ہوگا، البتہ اگر ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا یا مہر مسمی، اس بارے میں تفصیل ہے کہ اگر مہر مسمی مہر مثل کے مساوی یا زیادہ ہے، یا مہر مسمی مہر مثل سے کم ہے، لیکن عورت یا اس کے ذی رحم محرم کے علاوہ کے لئے منفعت کی شرط لگائی یا مہر مسمی کم ہے اور عورت کے لئے نقصان کی شرط لگائی ہے تو ان تین صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا (البحر الرائق ۳/ ۱۷۲)۔

اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو اور عورت یا اس کے کسی ذی رحم محرم کے لئے کسی منفعت کی شرط لگائی گئی ہے اور وہ منفعت شوہر کے فعل پر موقوف ہو اور مباح الانتفاع ہو، اور اس منفعت کی شرط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا (البحر الرائق ۳/ ۱۷۱)۔

(ج) اس قسم کی شرط لگانا شرعاً صحیح اور معتبر ہے، اور اس صورت میں عورت کے لئے اختیار ہوگا کہ ان شکلوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اس کو ختم کرنے اور رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے (الدر المختار ۲/ ۵۷، الحیلۃ الناجزۃ: ۳۷)۔

سوالنامہ میں مذکورہ تینوں صورتوں میں تفویض طلاق درست ہے، اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' نے دس صفحات میں تینوں صورتوں کے احکام مع شرائط اور مزید احتیاطی قیود کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے، جو کافی اور شافی ہے، اس لئے اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۲) عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے، یا اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، ان دونوں صورتوں میں مذکورہ طریقہ سے مہر طے کرنا درست اور معتبر ہے، البتہ امام صاحبؒ کے راجح قول کے مطابق شرط اول کے پائے جانے کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا، اور شرط ثانی کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ کثرت طلاق کے واقعات کو روکنے کا مقصد امام صاحب کے قول پر عمل کرنے میں بھی حاصل ہوسکتا ہے، اس طرح سے کہ امام صاحب کے نزدیک اول ذکر کردہ شرط صحیح ہوتی ہے اور بعد میں ذکر کی ہوئی شرط باطل ہوتی ہے، لہذا جس شرط پر کثرت مہر مقرر ہے اس شرط کو شوہر سے پہلے کہلوائی جائے اور دوسری شرط بعد میں ذکر کرلے، اس صورت میں شوہر زیادہ مہر سے بچنے کے لئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا، اور دوسری شرط پائی جائے گی، لہذا عورت کو مہر مثل ملے گا، اور اگر پہلی شرط پائی گئی تو زیادہ مہر عورت کو ملے گی (المبسوط ۵/ ۹۰)۔

(۳) ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو اور نہ باپ ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتہ دار ہے جو

اس کی معاشی کفالت کرسکے اور نہ خود اس عورت کے پاس اتنا مال ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات پوری کرسکے، اس صورت میں عورت کیلئے بقدر ضرورت کسب معاش کے لئے شرعی پردہ کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلنا جائز ہے، اگر ایسی صورت حال نہیں ہے تو عورت کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسب معاش و ملازمت کے لئے گھر سے نکلے (فقہی مقالات ۲۴۹/ مولانا تقی عثمانی)۔

لہذا اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ کوئی ملازمت مل گئی تو شوہر منع نہیں کرے گا، تو شرعاً ایسی شرائط باطل اور لغو ہوں گی، جن کا پورا کرنا شوہر پر جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر شوہر سلسلۂ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو شوہر کے حکم کی تعمیل عورت پر واجب ہے۔

نکاح میں قابل ایفا شرائط عائد کرنا

مفتی معز الدین

۱- ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، درست نہیں ہے۔

الف اسی طرح مرد کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا، شرعاً درست نہیں ہے، اور اگر کوئی یہ شرط لگا بھی دے تو وہ قابل ایفاء نہ ہوگی، اور مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہو جائے گا، البتہ شروط فاسدہ باطل ہوجائیں گی، "**النکاح المؤبد الذی لاتوقیت فیه لاتبطله الشروط الفاسدة**" (بدائع ۲/ ۲۸۵)۔

ب- تیسری قسم کی وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں صورتوں میں نہ پائی جاتی ہوں، اگر وہ وقت نکاح ذکر کی جاتی ہیں تو اس سلسلہ میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف ہے، صاحبین کے پاس وہ شرطیں بھی قابل ایفاء ہیں اور امام زفر کے پاس دونوں شرطیں قابل اعتبار نہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجائے گا (ہدایہ، عالمگیری وغیرہ)۔

جو عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اسکو تسلیم کر لے تو یہ صورت شرعاً تفویض طلاق کی ہے جو ائمہ حنفیہ کے نزدیک درست ہے اور عورت کو اس صورت

میں ایقاع طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اور اگر شوہر طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے (عالمگیری، جوہرہ، درمختار)۔

نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں، وہ تینوں بھی درست ہیں، البتہ ان کی کچھ شرائط ہیں جو ذکر کی جاتی ہیں۔

۱ مثلاً عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہوجائیں اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں اضافت الی النکاح ہو، یعنی اگر فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور حسب ذیل شرائط میں سے کسی ایک کے بھی خلاف کروں، تو مسماۃ فلاں بنت فلاں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلے (شامی ۲/ ۸۱۳ عالمگیری ۲/ ۲۲۱)۔

۲ عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، عقد نکاح سے پہلے ہی سے شرائط وغیرہ کو طے نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں لازم یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور وہ مشروط ہو تفویض طلاق کے ساتھ، تب ہی تفویض صحیح ہوگی، ورنہ تفویض طلاق صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو، لیکن مشروط نہ ہو یا ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور قبول مشروط ہو، ہر دو صورتوں میں تفویض طلاق صحیح نہیں ہوگی (درمختار، عالمگیری وغیرہ)۔

۳- عقد نکاح کے بعد طرفین کی جانب سے کوئی طلاق نامہ تحریر کریں اور اس پر شوہر سے دستخط لے لیں، جسے شوہر منظور کرتے ہوئے دستخط کردے تو یہ تحریر بھی شرعاً تفویض طلاق کی ہوگی، لیکن اس میں تمام اختیار شوہر کو ہوگا نکاح پہلے صحیح ہو چکا ہے، اب اگر شوہر اس کو تسلیم کرے تو نکاح کے صحیح ہونے پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوگا، لہذا یہ شکل اس عورت کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہے جو وقت نکاح شرائط تفویض نکاح نہ لگاسکی ہو، چنانچہ اس صورت میں اگر شوہر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اب ان مذکورہ تینوں صورتوں کے اختیار میں چند شرائط وضوابط کا لحاظ کرنا ضروری ہے، تاکہ مصالح نکاح کی حفاظت ہو اور مصالح شرعیہ ضائع نہ ہونے پائیں۔

شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ تحریر میں جو شرائط تحریر کرائے اور س کے بارے میں خود بھی

غور وخوض کرے۔

اور اہل علم وفہم سے مشورہ کرلے تا کہ بعد میں پریشانی وپشیمانی نہ ہو، چونکہ شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا اور تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک بن جاتی ہے اس طرح مہر کے معاف کرنے کی شرط کا بھی کابین نامہ بطور خاص تحریر کروادے (عالمگیری ۲/۵۷)۔

اسی طرح عورت اور اس کے ولی یا وکیل کے لئے لازم ہے کہ معلوم کرلے کہ اس کابین نامہ کی شرائط قانوناً معتبر ہیں یا نہیں، نیز اس کابین نامہ کی رجسٹری کرلے تا کہ اس کی قانونی حیثیت ہوجائے، اسی طرح دونوں خاندانوں کے ان افراد پر بھی لازم ہے جو اس کابین نامہ کو ترتیب دلوانے والے ہیں کہ وہ جب قاضی صاحب سے یا کسی بھی قاری النکاح سے یہ کابین نامہ تحریر کرائیں تو اس میں حسب ذیل باتوں کا بطور خاص خیال رکھیں:

ا جس وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا وکیل وولی ایجاب کرے، یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی شدید تکلیف پہنچے گی، جس کو فلاں فلاں (اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام بہ اتفاق آراء تحریر کریں) اشخاص میں سے دو تسلیم کرلیں اور طلاق دینا مناسب سمجھیں، یہ دونوں شرطوں کا بڑھا دینا ضروری ہے۔

۲- اسی طرح تعلیق طلاق کی تحریر میں ''اگر چاہے'' کا لفظ استعمال نہ کیا جائے، ورنہ تفویض خاص اسی مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی، اور مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق باقی رہے گا اور ایسے ہی ''جب کبھی چاہے'' کے الفاظ بھی استعمال نہ کریں، ورنہ ہمیشہ کے لئے حتی کہ اعادہ نکاح کے بعد بھی اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہوجائیں، جب کہ عورت کو ایسا اختیار دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے۔

۳- ایسے ہی تعلیق طلاق کی جو تحریر ہو، اس میں عورت کو جو ایقاع طلاق کا حق دیا جائے

اس کو موقت بالوقت کر دینا چاہئے، یعنی ایک ماہ یا دو ماہ، جیسے مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم ہوجانے سے ایک ماہ تک جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے۔

۴- نیز تفویض طلاق میں ہمیشہ طلاق بائن لکھوائی جائے، طلاق ثلاثہ کبھی بھی نہ لکھوائی جائے۔

تفویض طلاق بوقت نکاح:

عورت و مرد کے باوقار سمبندھ کو نکاح کہتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے اس سمبندھ کو برقرار رکھنے اور پروان چڑھانے کو باعث اجر عظیم قرار دیا ہے، چنانچہ صلہ رحمی ایک بڑی نیکی ہے تو قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حالات میں انسانی معاشرہ کے لئے اصلاحی پہلو کے اعتبار سے اس کو لازم و واجب قرار دیا گیا ہے۔

جب یہ پہلو واضح ہو گیا کہ نکاح کا شریعت اسلامیہ ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام صحیح ادیان کی تعلیمات میں بلند مقام ہے اور اس کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تو اس سے یہ بھی بات صاف ہوگئی کہ اس کو ختم کرنا اور سلسلہ مناکحت کو قطع کرنا عام حالات میں کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”إن **أبغض الحلال عند الله الطلاق** “اللہ کے رسول ﷺ کے اس بابرکت قول سے جہاں طلاق کا عام حالات میں ابغض ہونا معلوم ہورہا ہے وہیں یہ بات بھی ”المباحات“ کے لفظ سے معلوم ہورہی ہے کہ یہ عمل طلاق مخصوص حالات میں مخصوص الفاظ وکلمات کے ذریعہ انجام دینا، نہ صرف مباح، بلکہ ایک لازمی ولابدی امر بن جاتا ہے، نیز بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کی نیرنگیوں نے اور انسانی طبقہ کی بے مہاری اور خیالات وتفکرات کی آزادی نے پورے انسانی طبقہ او رخاص طور پر اسلامی معاشرہ کو ایسا متاثر کیا ہے کہ وہ بیان سے باہر ہے، چنانچہ یہ صنف نازک جو مرد کے پہلو بہ پہلو رہ کر تو یقیناً بہت سے عظیم کارنامے انجام دے سکتی ہے، لیکن جب میاں اور بیوی میں کسی وجہ سے ناچاقی ہوجائے اور دونوں کا مزاج آپس میں میل نہ کھائے تو مرد اس صنف نازک پر ظلم وزیادتی کے پہاڑ توڑتا ہے جو نہ صرف ناقابل برداشت، بلکہ ناقابل بیان ہیں، کبھی

بے رخی سے پیش آتا ہے تو کبھی زدوکوب کرتا ہے، کبھی نان ونفقہ کے لئے اسے تڑپاتا اور ترساتا ہے تو کبھی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے، اور رسالہا سال کے لئے لاپتہ ہوجاتا ہے، اگر اس کا پتہ مل جاتا ہے تو قاضی صاحب کے یا اہل خانہ کے بار بار اصرار پر نہ تو طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلاصی کو منظور کر کے مسئلہ کی یکسوئی کرتا ہے، بعض مرتبہ یتیم بچیوں کا نکاح اس کے چچا یا دوسرے اولیاء مال کی لالچ میں یا اس بوجھ کو سر سے جلد اتار پھینکنے کے ارادہ سے کسی نامناسب اور غیر موزوں جگہ پر کر دیتے ہیں، جس کو لڑکی ناپسند کرتی ہے، اسی طرح بعض مرتبہ مرد کو جنون یا کوئی ایسا مرض لاحق ہوجاتا ہے جس سے علیحدگی شرعاً لازم ہوجاتی ہے، یہ وہ مسائل ہیں جن سے آج مسلم معاشرہ دوچار ہے، جن کا حل تھا اور آج بھی ہے وہ دارالقضاء (شرعی اسلامی عدالت) لیکن ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی، اور اس کے طویل وعریض رقبہ کے اعتبار سے ان دارالقضاؤں کا وجود ناکافی ہے، بلکہ بعض علاقے تو ان سے آج بھی خالی ہیں، جبکہ مذکورہ مسائل کسی خاص علاقہ یا خطۂ ارض سے ہی متعلق نہیں ہیں، اب اگر وہ اپنے نکاح کو فسخ کروانے کی غرض سے عدالت میں دعوی دائر کرے، تو بعض دفعہ غیر مسلم حاکم اس کا فیصلہ کرتا ہے، جو شرعاً نافذ نہیں ہوتا ہے اس لئے شرعی قواعد کا لحاظ کئے بغیر ہی فیصلہ صادر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا فیصلہ قابل اطمینان نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر اس قسم کی تحریر وقت نکاح لکھ کر اس پر زوجین وشاہدین سے دستخط کروالی جائیں جس میں طلاق کا اختیار عورت کو بعض شرائط کے ساتھ دیدیا جائے تاکہ وہ ظلم وزیادتی کی صورت میں اس دئے ہوئے طلاق کے حق کو استعمال کر کے شوہر کی مرضی نہ ہوتے ہوئے بھی آزاد ہوسکے، چنانچہ اوس تحریر کو کابین نامہ کہتے ہیں اور ضرورت کے تحت اس قسم کی تحریر سے کام لینا شرعاً جائز ہے، بعض حضرات نے اس کو نکاح معلق میں داخل کر کے اس پر شبہ کیا ہے، حالاں کہ یہ نکاح معلق ہرگز نہیں ہے، بلکہ تفویض معلق ہے اور جو نکاح تفویض معلق سے مشروط ہو وہ نکاح بھی صحیح ہوجاتا ہے اور اس تفویض معلق کی شرط بھی لاگو ہوجاتی ہے، جب کہ شوہر نے اسے قبول کرلیا ہو۔

البتہ ایک خاص بات کا اس جگہ خیال رکھا جائے چونکہ عورت ناقص العقل والدین

ہوا کرتی ہیں اور اس میں دور اندیشی اور انجام سے بے خبری ایک امر مشاہد ہے اس لئے ایقاع طلاق کو مطلقاً اس کے قبضہ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہوگا اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تفویض طلاق میں کوئی قید ایسی لگادی جائے جس سے یہ خطرہ نہ رہے، مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں اپنے آپ کو یا میری مؤکلہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر پانچ ہزار روپے سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی، جس کو فلاں فلاں (اس جگہ تقریبا دس آدمیوں کے نام بتراضی طرفین دونوں خاندانوں کے تحریر کئے جائیں) اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو بالاتفاق مناسب بھی سمجھیں تو اس کے بعد معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا (اس جگہ مرد کے لئے ایک مفید بات یہ ہے کہ وہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے) کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہوگا جب کہ وہ دونوں آدمی بالاتفاق تکلیف شدید کو تسلیم کرلیں اور طلاق کو مناسب سمجھیں (الحیلۃ الناجزۃ)۔

اب یہ کہ تفویض طلاق کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

''تفویض طلاق کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نکاح سے قبل کابین نامہ مع شرائط لکھوالیا جائے اور نکاح کے وقت اس پر دستخط لے لئے جاویں، دوسری صورت یہ کہ عین وقت عقد زبان سے کہلوالیا جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ بعد نکاح ان شرائط کو لکھوا کر بعد میں دستخطیں حاصل کرلی جائیں''۔

اب پہلی صورت کے مفید اور معتبر ہونے کے لئے اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت ضروری ہے، مثلاً یہ تحریر کیا جائے کہ اگر میں فلاں بن فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرکے نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں

اضافت نہ ہو تو یہ شرط بے کار و بے فائدہ ہوگی۔

دوسری صورت کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو (چاہے خود عورت یا اس کا وکیل ولی) عقد نکاح کے وقت تمام شرائط ذکر کرے اور شوہر کی جانب سے قبول ہو۔

ان مذکورہ صورتوں میں آسان صورت جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے، وہ صرف پہلی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی ایسی تحریر لکھوالی جائے، البتہ اس میں لازم یہ ہے کہ اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے، یعنی یہ الفاظ ضرور لکھوائے جائیں کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرائط کے خلاف کروں، اگر یہ اضافت نہ پائی گئی تو یہ تحریر کالعدم ہوگی

اب رہی بات ان شرائط کی جو تحریر میں ذکر کی جائیں تو اس سلسلہ میں اہل فہم وتجربہ کار، نیز قانون داں حضرات سے مشورہ کرلیا جائے، اور ان سے یہ معلوم کرلیا جائے کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں، اور حسب صراحت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کابین نامہ کی رجسٹری بھی ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ بعد میں اس کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ بھی موضوع بحث نہ بن سکے۔

آخری بات

کابین نامہ کی جو صورتیں ذکر کی گئیں ہیں ان پر عمل ان علاقوں میں جہاں پہلے سے نکاح کے وقت زوجین کو سیاہ جات دئے جاتے ہیں اور نکاح کا باضابطہ رجسٹرڈ ادارے منضبط ومنظّم ریکارڈ رکھتے ہیں بہت آسان ہے، جیسے علاقہ مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ اور اس کی ضرورت ملک کے ان مقامات پر زیادہ محسوس کی جارہی ہے جہاں سرے سے دارالقضاء کا کوئی باضابطہ نظم نہیں ہے، البتہ ملک کے وہ علاقے جہاں الحمدللہ دارالقضاء قائم ہیں اور جو اصول شرعیہ کے مطابق مصروف خدمت ہیں، عام لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے مسائل جس میں قضاء قاضی شرط ہے اس کو وہیں لے جائیں، اور قاضی صاحب کے شرعی فیصلوں پر عمل پیرا ہوں۔

مہر کی زیادتی وکمی کی شرط پر نکاح

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

"النكاح لايبطل بالشروط الفاسدة (المختصر القدورى مع حاشية التنقيح الضرورى" (ص ۱۶۴) کے تحت:

(الف) سوال نمبر (۱) اور (۲) کا نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، بہر کیف عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوجاتا ہے۔

(ب) سوال نمبر (۳) ان شرائط سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مگر لازم الایفاء ہیں۔

(ج) تفویض طلاق سے مصالح شرع ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کے ساتھ احتیاط کے طور پر مزید شرائط لگائی جاسکتی ہیں تاکہ بیجا تصرف نہ ہو۔

(۱) اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار رہے، کے سلسلہ میں طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے، **"لأن كل واحد منهما مفيد فيصحان جميعا "** (شرح وقایہ حاشیہ الچلپی کتاب النکاح ۲۸)۔

(۲) سوال نمبر دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

(۳) اگر عورت نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہ روکے گا، یا آئندہ کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ہندوستان کے موجودہ اقتصادی اور سماجی مصالح کے پیش نظر شوہر کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوگی، اور اگر عورت کی جملہ ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں، اس پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

نکاح میں مقتضائے عقد کے موافق شرائط

مولانا نذر توحید مظاہری

۱- عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط جس کا خود عقد مقتضی ہو، لگانے سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور جائز ہوگا اور اس شرط کو بطور صراحت شمار کیا جائے گا۔

۲- نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضاء عقد کے منافی ہو تو شرط باطل اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

۳- عقد نکاح میں کوئی شرط لگانا جو نہ مقتضاء عقد کے مطابق ہو نہ منافی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، تو ایسی شرط کی پاسداری شوہر پر لازم ہوگی (ہدایہ ۱/۳۲۹)۔

(الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً لغو ہے، اس طرح کی شرط لگانے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور ایسی شرط کا ایفاء متعلقہ فریق کے لئے لازم وضروری نہیں۔

(ب) تیسری قسم کی شرط معتبر ہے لازم الایفاء ہے اور عقد نکاح جائز ہے۔

(ج) عقد نکاح کے وقت عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار مانگتی ہے اور شوہر اس کو تسلیم کرلے تو شرعاً ایسی شرط کو تفویض طلاق کہتے ہیں، تفویض طلاق کا مسئلہ حضرت تھانوی نے اپنی مشہور تالیف ''الحلیۃ الناجزۃ'' میں ذکر فرمایا ہے، سوال میں مذکورہ تمام شقوں کا

تقریباً کافی وشافی جواب اس میں موجود ہے اس سلسلہ میں کابین نامہ کے مسودے تحریر فرمائے ہیں اور اس رسالہ پر تقریبا تمام علماء کی تصدیقات موجود ہیں اور مہریں بھی ثبت ہیں اس زمانہ کی رہنمائی کے لئے مسائل مذکورہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کافی ہیں، تاہم سوالات کے اجمالا جوابات عرض ہیں۔

ا عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اس میں شرط یہ ہے کہ اضافت الی النکاح ہو تو وہ تحریر شرعاً معتبر ہوگی (الحیلۃ الناجزۃ ۳۱)۔

۲ عین عقد کے وقت اگر شرائط ذکر کئے جائیں تو صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط ہو اور قبول مطلق (الحیلۃ الناجزۃ ۳۲)۔

۳ عقد نکاح کے بعد بھی مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کی جاسکتی ہیں ''الحیلۃ الناجزۃ'' (۳۳) ہر سہ صورتوں کی شرائط وقیودات ''الحلیۃ الناجزۃ'' میں موجود ہیں۔

اطلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، جن سے سارے خاندان والے اور میاں بیوی متأثر ہو جاتے ہیں، لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی تو عورت کا مہر ایک لاکھ روپے اور طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپے، جزئیات فقہ کو دیکھتے ہوئے اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا اور طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے اس مسئلہ کی نظیر صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جائے

۲- اگر نکاح کرتے وقت شوہر نے منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر ۳۰ ہزار روپے ہوگا اور نکاح نہ کیا تو پندرہ ہزار روپے ہوگا، اس صورت میں صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے فتوی دیا جائے، اور ان کے قول کے مطابق شریعت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہیں

۳- عورتوں کا یہ شرط لگانا کہ اسے شوہر ملازمت کرنے سے نہ روکے یا آئندہ ملازمت

ہوجائے تو نہ روکے، اگر شوہر اس شرط کو قبول بھی کرلیتا ہے تو شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں، عورت کو اگر شوہر اس کے بعد بھی سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت سے منع کرتا ہے تو عورت کو اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، کیونکہ ملازمت کا اہم مقصد معاوضہ میں رقم حاصل کرنا ہے اور یہ چیز تزویج کے ذریعہ عورت کو حاصل ہے، چونکہ نفقہ وکسوہ ومہر شوہر پر لازم ہے، اگر شوہر نہ دے تو جبراً بذریعہ عدالت عورت کو حاصل کرنے کا اختیار ہے، اس لئے عورت کو ملازمت کی کوئی حاجت نہیں۔

ذمہ داریاں عائد نہ ہونے والے شرائط

مولانا محمد اختر قاسمی

(۱) ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ وہ بلاشرط کے بھی ضروری ہیں اور بعد شرط کے بدرجہ اولی ضروری ہیں (فتاوی دار العلوم جدید)۔

(۲) نکاح کے وقت ایسے شرائط لگانا جس کا مقصد نکاح میں خلل ڈالنا ہو تو ان بیہودہ شرائط پر عمل کرنا ضروری نہیں، ایسی شرائط کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، شرط باطل ہو جاتی ہے

''**لایبطل بالشروط الفاسدة**'' (شامی ۲؍۳۵۳) نکاح میں کوئی فساد اور بطلان نہیں آتا (امداد الفتاوی ۸۱۱) مشروط نکاح درست ہیں اگرچہ شرائط پورے نہ کرے۔

(۳) جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کو پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کو پورا کرنا واجب نہیں، شوہر پر ان کو دیانتاً پورا کرنا ضروری ہے: ''**یاایھاالذین آمنوا أوفوا بالعقود**'' (سورہ: مائدہ:۱) (اے ایمان والو اپنے عہد کو پورا کرو) شوہر پر وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، یہ الگ چیز ہے ''**قال رسول الله ﷺ أحق الشروط أن توفوا به**'' (الحدیث) اگر شرط عین ایجاب وقبول کے وقت پیش کی گئی اور پیش بھی لڑکی کی جانب سے کی گئی اور خاوند نے منظور کرلیا تو درصورت خلاف ورزی عورت کو اختیار رہے گا۔

اگر شروط قبل از نکاح پیش ہوئیں یا بوقت نکاح خود شوہر نے پیش کیں اور لڑکی کے اولیاء نے قبول کرلیا تو اس صورت میں خلاف ورزی کرنے پر کسی قسم کی طلاق نہیں پڑے گی (فتاوی دارالعلوم قدیم ۳/ ۳۴۵)۔

(ج) عقد نکاح کے وقت طلاق دینے کا اختیار شوہر اپنی عورت کو دیدیتا ہے، یا کسی غیر کو دیتا ہے، جس کو اختیار دیا ہے اسے اختیار استعمال کرنے کا حق ہے (کفایت المفتی ۶/ ۳۱۶)۔

اور اپنی عورت کو اختیار دیا ہے تو اس سے رجوع نہیں کرسکتا (شرح نقایہ ۲/ ۳۳)۔

اور اگر عورت کے علاوہ کسی تیسرے کے ہاتھ میں اختیار طلاق دیدیا ہے تو اس سے رجوع کرسکتا ہے (شرح نقایہ ۲/ ۳۴)۔

اس لئے کہ یہ توکیل ہے اور توکیل سے اس کو علاحدہ کرسکتا ہے۔

(د) عورتوں پر شوہر کی اطاعت لازم ہے اور وہ عورت کے باہر نکلنے پر اور ملازمت کرنے پر پابندی لگاسکتا ہے اور شوہر پر عورت کا نفقہ اسی وقت لازم ہے جب کہ وہ فرمانبرداری کرے اور بغیر اس کے حکم کے گھر سے نہ نکلے (شامی باب النفقۃ ۲/ ۶۴۴)۔

جو عورت بلا کسی حجت شرعیہ کے مرد کی نافرمانی کرے، ساتھ سونا چھوڑ دے، یا سخت کلامی کرے یا ستر پردہ اور غیر محارم کے روبرو ہونے میں کہا نہ مانے، یا والدین کے گھر رہنا پسند کرے خاوند کے یہاں نہ آئے، اس عورت کو ناشزہ کہتے ہیں، اس کو نان ونفقہ دینا واجب نہیں (تفسیر حقانی ۲/ ۱۲)۔

شرائط کے ذریعہ خواتین کو اختیارات دینا

مولوی نوشاد عالم

ایسی شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہ ہو، بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو تو ایسی شرائط لگانے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایسی شرطیں عقد نکاح سے وجود میں آتی ہیں، چاہے اس کا تذکرہ ہو یا نہ ہو (الشرح الکبیر ۷/۵۲۶)۔

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگائے جو مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری کے خلاف ہو مثلاً شوہر نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، ایسی تمام شرطیں باطل ہو جائیں گی، اور نکاح منعقد ہو جائے گا، نیز جو تقاضے ہیں، فریقین پر اس کی تکمیل لازمی ہوگی (المغنی لابن قدامہ ۷/۲۵۰)۔

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دونوں صورتوں میں کسی شرط کے دائرے میں نہ آتی ہو مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اس کی موجودگی میں شوہر دوسری شادی نہ کرے گا، یا اس کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا، ایسی شرطوں کا بھی شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جس کی تکمیل شوہر پر لازم نہیں (الشرح الکبیر ۷/۵۲۶)۔

ج عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے

کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کر لیتا ہے، تو عورت کو اب طلاق کا حق ہوجائے گا، اور عورت کے اس اختیار کو ختم کرنے کا حق مرد کو نہ ہوگا، لیکن ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد نکاح کی طرف کی گئی ہو، ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا (ردالمحتار ۲/۵۲۶)۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں:

عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہوجائے ، ایسی شرط اس وقت قابل قبول ہوگی جب اس کی نسبت ناکح کی طرف کی جائے اور بوقت نکاح اس کی توثیق کی جائے (الردالمحتار ۲/۵۳۶)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بوقت نکاح شرط لگائی جائے ، ایسی شرط کے صحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد کی طرف ہو، نیز اس میں لازمی چیز یہ ہے کہ ایجاب مشروط اور قبول مرد کرے، یعنی عورت شرط لگائے اور مرد اس کو قبول کرے ، ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا (الردالمحتار ۲/۵۳۶)۔

عقد نکاح کے بعد طرفین کی طرف سے کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے ، یہ شرط بھی قابل قبول ہے، لیکن چونکہ نکاح ہو چکا ہے شوہر کو تمام اختیارات حاصل ہو چکے ہیں اس لئے کسی بھی شرط کی تکمیل وتوثیق کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے (فتاوی ہندیہ ۶/ ۲۶۲)۔

لیکن چوں کہ عورت جلد باز ہے اس لئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جائیں جو کہ مفید اور طلاق کا بے جا تصرف نہ ہوسکے (الحیلۃ الناجزۃ /۳۴-۳۵)۔

قابل التفات پہلو:

دور حاضر میں عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کوئی مخفی چیز نہیں ، اسلئے بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگائی جائے جس سے شوہر کے مظالم میں کمی ہوسکے، مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر طلاق دی گئی تو مہر ۱۵ ہزار، ورنہ دس ہزار، تو ایسی شرطیں اگر تکمیل کر دی گئیں تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر اس کی

تکمیل نہ کی گئی تو پھر صاحبین اور امام ابوحنیفہ کے مابین اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی مہر مسمی (۱۵ ہزار) ہی لازم ہوگا، فقہ کی کتابوں میں اس قسم کا جزئیہ موجود ہے، مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر اس کو آبائی وطن میں رکھے گا، تو مہر ۱۰ ہزار، ورنہ ۱۵ ہزار اسی طرح اور دوسری شرطیں۔

جہاں تک احقر کا ناقص خیال ہے کہ صاحبین کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے، کیونکہ وقت وحالات میں تبدیلی اس کی متقاضی ہے، اور ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ مرد کی طرف سے دی جانے والی طلاق کے طوفان میں کمی ہوسکتی ہے (فتاوی قاضی خاں ار ۳)۔

اگر بوقت نکاح بیوی یہ شرط لگائے کہ نکاح کے بعد اس کو سفر کرنے کا حق ہوگا، یا پھر اور کوئی دوسرے خلاف شرع کام کرنے کی اجازت ہوگی، اور شوہر کو روکنے کا قطعی اختیار نہ ہوگا، جسے شوہر قبول بھی کرلیتا ہے، تو یہ شرط بھی فاسد ہے، نکاح منعقد ہوجائے گا، اور ذکر کردہ شرطوں کی تکمیل مرد پر لازم نہ ہوگی۔

اقتباسات

عقد نکاح کو نئی شرائط سے مؤکد کرنا

مولانا محمد شہباز عالم ندوی

نکاح کے ذریعہ عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو مشروط کرنا:

زوجین کے درمیان رشتہ نکاح کی بنا پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور جس کا ادا کرنا ہر ایک کے ذمہ لازم ہے، شریعت کی جانب سے یہ متعین ہے، خواہ نکاح کے وقت ان ذمہ داریوں کا تذکرہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، محض نکاح کی وجہ سے وہ تمام تر ذمہ داریاں ادا کرنا ازخود ضروری قرار دی جاتی ہیں، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، خواہ شرط لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو، قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس کی مؤید ہے، ارشاد باری ہے: ''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (البقرۃ: ۲۳۳)۔

محض عقد سے یہ ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے، جبکہ بیوی اس لائق ہے کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی متحمل ہو، لہذا اگر اس قسم کی ذمہ داریوں کو مشروط کر دیا جائے تو اس کا پورا کرنا جس طرح پہلے ضروری تھا، یہ اب بھی ضروری رہے گا (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۵۴)۔

فریقین اپنی ذمہ داریوں سے گریز کریں:

نکاح ایک معاہدہ ہے، اس کے ذریعہ زوجین میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں اور کچھ فرائض کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، ان میں سے کوئی بھی ان ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں

ہوسکتا، اس لئے شریعت نے اپنی جانب سے ان ذمہ داریوں کو اس رشتہ کے قائم اور بامقصد بنانے کے لئے ضروری قرار دیا۔

لہذا اگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنا چاہیں، تو اس سے آزاد نہیں ہو سکتے، مثلاً شوہر اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ نکاح کے بعد نان ونفقہ کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی اور عورت خود اپنی روزی کا انتظام کرے گی، تو اب شرط کے ساتھ مربوط نکاح کو تمام ارکان عقد پائے جانے کی وجہ سے درست قرار دیا جائے گا اور جو شرط لگائی گئی ہے، وہ لغو ہوگی، اس لئے کہ شریعت کی جانب سے عقد نکاح ان ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط ہے، ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا کہ عقد تو ہوجائے اور نفقہ کی ذمہ داری سے بری ہو (فتاوی الہندیہ ۱/۳۰۹)۔

امام نوویؒ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۱۸/۱۸)۔

لہذا جب ایجاب وقبول کی بنا پر عقد درست ہوگیا تو اب اس کے منافی شرائط کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا (عنایۃ علی الفتح ۳/۳۰۴ باب المہر)۔

اگر احکام شریعت کے موافق شرائط لگائے گئے تو پورا کرنا درست ہے، ورنہ شرط باطل اور عقد درست قرار پائے گا۔

نئی ذمہ داری کی شرط لگانا:

زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے ایسی شرط لگانا جو نکاح کی ذمہ داری میں سے نہ ہو، بلکہ اگر نکاح کے وقت اس کا تذکرہ نہ ہوتا تو یہ حق حاصل نہ ہوتا، اگر اس طرح کی شرط عقد نکاح کے وقت لگائی جائے تو اس سے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور نکاح ہوجائے گا

لیکن اگر اس میں شریعت کی جانب سے کسی امر مشروع کا انکار لازم آرہا ہے اور اپنے اوپر ایسی چیز کو حرام قرار دینا لازم آرہا ہے، جس کو اللہ تعالی نے حلال قرار دیا ہے، شریعت کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ہے کہ جس چیز کو مشروع کیا گیا ہو اور بندہ اسے اپنی طرف سے قید وبند لگا کر حرام قرار دے، چنانچہ سورہ تحریم میں ہے۔

لم تحرم ماأحل الله لک (سورۂ تحریم:۱)۔

لہٰذا ایسی شرطوں سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اس کو پورا کرنا بھی شوہر کے لئے لازم وضروری نہیں ہوگا۔

صاحب ''عنایہ'' نے وضاحت کی ہے کہ امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع کرنا، چونکہ ایک اعتبار سے شریعت سے ٹکراؤ کی صورت پائی جاتی ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہوگا اور عقد نکاح درست ہوگا (عنایہ علی الفتح ۲۳۱/۳)۔

بعض فقہاء کرام اس کی اجازت دیتے ہیں کہ جب شوہر نے شرط قبول کر لی، اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا اپنے آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا، تو اب اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہوگیا، چونکہ نکاح دوسرے عقود کی طرح شرط فاسد سے ختم نہیں ہوتا، لہذا جب معاملہ درست ہوگیا تو اس شرط کو بھی درست قرار دیں گے جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو نفع حاصل ہو رہا ہے (فقہ السنۃ ۴۷/۲)۔

لیکن چونکہ اس سے امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع وحرام قرار دینا لازم آرہا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی، اور اگر کسی امر مشروع کو حرام قرار دینا لازم آتا ہو پھر ایسی شرط کی پابندی میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

مشروط نکاح کی شرعی حیثیت

مولانا انور حسین چترا وی

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کی تینوں قسموں کے جوابات نقل کئے جارہے ہیں۔

ایسی شرط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ نفس عقد نکاح سے ہی وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا تھا، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یہ بیوی کی طرف سے ایسی شرط ہے جو بغیر ذکر کئے بھی شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے، ایسی شرط لگانا اور نہ لگانا برابر ہے، چونکہ عدم شرط کی صورت میں بھی یہ حق شوہر پر شرعاً لازم ہوتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: "**لینفق ذوسعة من سعته**" اور دوسری جگہ "**وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف**" اور رزق وکسوت دوہی صورت میں ہے، ایک بعد نکاح، جبکہ بیوی اپنے اوپر شوہر کو قدرت دیدے دوسرا عدت میں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فقہاء کرام کے آراء سے استفارہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ زوجات کا نفقہ شوہروں پر شریعت نے لازم کیا ہے، لہذا ہر حال میں شوہر پر لازم ہوکر رہے گا، شرط اس کی لگائی جائے یا نہ لگائی جائے (تفصیل کے لئے: المغنی لابن قدامہ ۷ / ۵۶۳، البحر الرائق ۴ / ۱۸۸ کا مطالعہ مفید ہوگا)۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی

کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یہ ایسی شرط ہے جس سے قرآن وحدیث کے حکم کا تغیر لازم ہوتا ہے اور ہر ایسی شرطیں جو اللہ ورسول کے حکم کو بدل ڈالتی ہوں باطل اور فاسد ہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجائے گا اور اس پر نفقہ بھی واجب ہوگا، چنانچہ (زادالمعاد فی ھدی خیر العباد ۲/۱۷۶، ۲/۱۷۷) پر قاعدہ بیان کی گیا کہ انہی شرطوں کو پورا کرنا ہوگا، جو تغیر حکم اللہ ورسولہ نہ ہو۔

الحاصل عدم وجوب نفقہ یا کوئی بھی ایسی شرط جس سے شرعاً لازم کردہ چیزوں سے گریز ہو فاسد ولغو ہوں گی، اور نکاح صحیح ہوگا، اور ایسی چیزوں کا لزوم بھی برقرار رہے گا، جیسا کہ اس جگہ کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ رہے گا۔

تیسری قسم نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اوس کے آبائی وطن سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، بلکہ وہیں رکھے گا، یہ تمام شرطیں فاسد ہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجائے گا، چونکہ شروط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اور وہ شرطیں لازم الایفاء نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان شروط فاسدہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اور نہ یہ لازم الایفاء ہوں گی، بلکہ نکاح اپنی جگہ صحیح وسالم منعقد ہوجائے گا (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاھب الفقہاء ۶/۴۴۹، ہدایہ ۱/۱۵۱)۔

فریقین کا تقاضۂ عقد کے مطابق شرط لگانا

مولانا محمد شہاب الدین سبیلی

نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں:

زوجین میں سے کسی نے ایسی شرط لگائی جس سے فریقین پر نئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو، بلکہ عقد نکاح ہی سے وہ حقوق وفرائض فریقین پر لازم ہوجاتے ہوں، یا نئی ذمہ داری تو عائد ہورہی ہو، مگر ان شرائط کو شریعت مقتضیات عقد کے خلاف نہیں سمجھتی ہے، مثلاً شوہر کہتا ہے کہ میں اس شرط پر نکاح کررہا ہوں کہ میری بیوی کا رہنا سہنا میرے ساتھ ہی ہوگا، یا پھر عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کے قیام گاہ کا انتظام شوہر کرے گا، اور اس کا خاوند حسن معاشرت یا اچھا برتاؤ کرے گا تو متذکرہ تمام شرطوں سے نکاح میں کوئی خرابی نہ آئے گی، اور صورت بالا میں جانبین سے لگائی گئی شرائط بھی واجب العمل ہوں گی، حاحب ''فقہ السنہ'' فرماتے ہیں:

''وہ شرطیں جو مقتضیات عقد اور مقاصد نکاح میں داخل ہوں ان کا پورا کرنا واجب ہے، لیکن اس شرط پر کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہوں، جیسے حسن سلوک، نان ونفقہ اور معقول لباس وپوشاک کی شرط لگانا، اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر حقوق زوجیت کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کرے گا، دوسری بیویوں کی طرح اس کے لئے بھی دن متعین کرے گا، اور شوہر یہ شرط لگائے کہ محترمہ گھر سے بلا اجازت باہر نہیں جائے گی، نافرمانی نہیں کرے گی، بلا اجازت نفلی روزہ

نہیں رکھے گی ، کسی اجنبی کو بلا اجازت گھر نہیں بلائے گی ، یا یہ شرط لگانا کہ اس کے مال میں اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرے گی، اسی طرح دوسری شرطیں'' (فقہ السنۃ ۲/ ۴۷-۴۷۳)۔

میاں بیوی عقد نکاح میں باہمی مشورہ سے ایسی شرائط آپس میں طے کرلیں جن میں مذہبی اعتبار سے قباحت پائی جاتی ہو، یا کوئی فریق نکاح کے وقت ایسی شرط لگائے جس کا منشاء اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثال کے طور پر شوہر بیوی کے قیام گاہ کا انتظام اپنے ذمہ لینے سے انکار کرے، یا شوہر اپنی بیوی کو نان ونفقہ فراہم نہ کرنے کی شرط پر نکاح کرے، تو ان شکلوں میں شوہر کی لگائی ہوئی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا، اور شوہر پر قیام گاہ کا انتظام، نان ونفقہ کی فراہمی لازم ہوگی، کیونکہ صورت مذکورہ میں شوہر اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے گریز کررہا ہے، جبکہ یہ عمل شرعی ہدایات کے سراسر خلاف ہے، ہاں عقد نکاح کی صحت پر اس طرح کی ناقابل اعتناء شرائط کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد نکاح اپنی جگہ بالکل صحیح ہوگا، اوران شرائط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے غیر ضروری رہے گی، اس سلسلہ میں فقہاء کی صراحت موجود ہے (الاحکام الفقہیہ ۲/ ۳۱۷)۔

عقد نکاح کی متقاضی شرائط جیسے عورت کا شرعی موانعات سے عاری ہونا، تو اس قسم کی شرطیں واجب العمل ہیں، لیکن وہ شرطیں تقاضۂ عقد کے خلاف ہوں تو وہ لغو اور ناقابل عمل ہوں گی، مگر نفس عقد درست ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے عورت کا مہر متعین نہیں کیا، یا مہر ادا کرنے سے انکار کردیا اور عورت شوہر کے عمل پر ناراضگی کا اظہار بھی کرتی ہے، پھر بھی مہر مثل شوہر کے ذمہ لازم ہوجائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے عورت کو مہر معاف کردینے کا حق، مہر کے طے پاجانے یا ثابت ہوجانے کے بعد دیا ہے اور اس شکل میں عقد نکاح کے وقت مہر کا وجوب ہی ساقط ہورہا ہے، جبکہ نفس مہر کا وجوب فریقین کی اتفاق رائے سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے (البحر الرائق ۳/ ۱۵۰)۔

اگر شوہر مہر متعین نہ کرے یا مہر دینے سے انکار کردے، تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا،

اس لئے کہ یہ حق شرعی ہے، ہر حالت میں عورت کا حق ہے، لہذا عورت شوہر کو بری الذمہ کر سکتی ہے لیکن مہر کی نفی نہیں کر سکتی ہے (وضاحت کے لئے: فقہ السنۃ ۲/ ۷۳ دیکھنا مفید ہوگا)۔

بعض شرطیں ایسی ہیں جن کو عقد کے درست ہونے کے باوجود پورا کرنا واجب نہیں اور اس قسم کی شرائط تقاضہ عقد کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً نفقہ یا جائز جنسی تعلقات کو قطع کرنے کی شرط عائد کرنا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ عورت نکاح کے بدلے کچھ دے گی، یا یہ کہے کہ ہفتہ میں ایک ہی شب بیوی کے پاس قیام کرے گا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں رہے گا، یہ ساری شرطیں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ تمام شرائط تقاضۂ عقد کے منافی ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی زیر بحث مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہاء کرام نے ان شرطوں کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو تقاضاء عقد میں داخل ہیں، اور ان شرائط کو باطل قرار دیا ہے جن سے مقاصد نکاح فوت ہوتے ہوں، یا مذکورہ شرطیں احکام شریعت کے خلاف ہوں'' (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۷/ ۵۹)۔

تیسری قسم کی شرائط کا حکم

اگر زوجین ایسی شرطیں لگائیں جن سے شرعی مصالح کے ضائع ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے، البتہ متذکرہ شرطوں کے باعث شوہر و بیوی پر ایسی ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہوں کہ غیر مشروط نکاح کی صورت میں ایسی پابندیاں لازم نہیں آتی ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کرے گا، یا وہ اپنی بیوی کو آبائی وطن سے نہیں لے جائے گا، یا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسفار نہیں کرے گی، مذکورہ تمام صورتوں میں عورت کی شرائط شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں ہیں، شوہر کو بھرپور اختیار ہے وہ چاہے تو بیوی کے مطالبات پورا کرے، یا بیوی کے منشاء کی تکمیل نہ کرے، یعنی بیوی کی عائد کردہ ساری شرطیں شوہر کے لئے نا قابل اعتناء ہوں گی اور نکاح کا انعقاد عمل میں آجائے گا۔

''ایسی شرائط جو عورت کے حق میں نفع رساں اور فائدہ بخش ہوں، جیسے عورت یہ شرط

لگائے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی، وہ اسی شہر میں رہے گی، وہ اسفار میں شوہر کے ساتھ نہیں جائے گی، شوہر اس کی موجودگی میں نیا نکاح نہیں کرے گا، اسی قسم کی اور دوسری شرطیں، تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ عقد نکاح صحیح ہوگا، اور مذکورہ شرطیں لغو قرار دی جائیں گی، شوہر کے لئے یہ شرطیں واجب الایفاء نہیں ہوں گی، یہ مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور بہت سارے دوسرے مقتدر علماء کرام کا ہے'' (فقہ السنۃ ۲/۴۷)۔

نکاح میں نفقہ، سکنی اور کسوہ کی شرط لگانا

مولانا محمد عارف مظہری

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے ہی وہ لازم ہوجاتیں ہیں، ان کے ذکر سے نکاح صحیح ہوگا اور ان شرائط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ نفقہ، سکنی اور کسوہ جیسی ذمہ داریاں خود ہی منجانب شرع شوہر پر لازم ہیں، فرمان خداوندی ہے:

''وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (سورہ بقرۃ: ۲۳۳)۔

(بچے کے والد پر ان کی ماں کا نفقہ اور کسوہ رواج کے مطابق واجب ہے)۔

اور ''وَاسْكُنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' (سورۂ طلاق: ۶)۔

(بیویوں کو بھی وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو)۔

اسی نان ونفقہ کے مسئلہ میں اگر عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس پر ماہانہ سو دینار بطور نفقہ خرچ کرتا رہے گا، تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نکاح جائز ہوگا، اور عورت کو رواج کے مطابق نفقہ ملے گا (قاضی خاں علی ھامش الھندیہ ۱/۳۳۱، فصل فی النکاح علی الشرط)۔

کسی ذمہ داری سے گریز کی شرط:

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری

سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اور اس طرح کی شرطوں سے نکاح فاسد نہیں ہوگا اور شرط کالعدم قرار پائے گی، بیوی یا شوہر میں سے کسی نے یہ شرط لگائی کہ مرنے کے بعد ان میں کا کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

علامہ فخر الدین قاضیؒ فرماتے ہیں:

''کسی آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ نہ ہی بیوی وارث ہوگی اور نہ وہ بیوی کا وارث ہوگا، تو یہ نکاح جائز ہوگا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے'' (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱؍ ۲۳)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''کسی آدمی نے ایک عورت سے ایک ہزار مہر پر شادی کی، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفقہ نہیں دے گا اور اس عورت کا مہر سو ہے تو عورت کو مہر کے ایک ہزار اور نفقہ بھی ملے گا'' (فتاوی ہندیہ ۱؍ ۳۰۹)۔

اسی طرح شوہر نے اگر یہ شرط لگا دی کہ نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہونا چاہئے تو اس طرح کی شرط کے بارے میں صاحب ''مجمع الانہر'' شیخ محمد بن سلیمانؒ فرماتے ہیں:

''وكذا مع نفيه أى يصح النكاح مع نفى المهر ويكون النفى لغوا''

(مجمع الانہر ۱؍)۔

مباح اور قابل ایفا شرائط لگانا

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

(۱) وہ شروط جو بالاتفاق مقتضیات عقد میں سے ہوں، مثال کے طور پر عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ اس کا نان ونفقہ، کپڑا اور مکان وغیرہ شوہر کے ذمہ ہوگا ان شروط کا ایفاء شوہر کے ذمہ بالاتفاق واجب ہوگا، چنانچہ فقہ السنۃ میں ہے:

''بعض شرطیں وہ ہیں جن کا ایفاء شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے، یہ وہ شرطیں ہیں جو مقتضاء عقد میں سے ہوں اور اس طرح کی شرطیں لگانا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف نہ ہوں گے، جیسے عورت کی طرف سے اچھا سلوک، نفقہ، مکان اور کپڑا کی شرطیں لگائی جائیں اسی طرح یہ شرط لگائی جائے کہ شوہر اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا، اس کا مال غیر کی طرح بے دریغ تقسیم نہیں کرے گا، اسی طرح شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ عورت بدون اس کی اجازت گھر سے نہیں نکلے گی، اس کے سامنے نازیبا حرکت نہیں کرے گی، نفلی روزہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی، اور اس کی رضا کے بغیر اس کے مال میں بے جا تصرف نہیں کرے گی اور اسی طرح دوسری شرط لگائے (فقہ السنۃ ۲/۲۶)۔

اس طرح کی شرائط کی پابندی فریقین میں سے ہر ایک کو لازم ہوگی، جیسا کہ فقہ السنہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، نیز قرآن میں ہے:

''ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، لينفق ذو سعة من سعته''

(سورۂ طلاق: ۷)۔

(اور ان کے لئے تم پر عمدہ کھانا اور اچھا کپڑا فرض ہے، چاہئے کہ خرچ کرے وسعت

والا اپنی وسعت کے مطابق)۔

(۲) وہ شروط جو عقد کے منافی ہوں جیسے شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اسی طرح عورت کا شرط لگانا کہ شوہر سوتن کو طلاق دیدے، اس طرح کے شرطوں کی پابندی فریقین میں سے کسی پر واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس طرح کی شرط لگانا باطل ہے، لیکن نکاح صحیح ہوجائے گا، اس کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ زحیلی رقم طراز ہیں:

”شروط باطلہ کا ایفاء صحیح نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ نکاح صحیح ہوجائے گا اور وہ شرط یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے ایسی قید لگائی جائے کہ جو نظام شرعی کے منافی ہو، جیسے عدم مہر یا انفاق کی شرط لگانا (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۶۲)۔

نیز سید سابق لکھتے ہیں:

”بعض وہ شرط ہے جس کی تکمیل واجب نہیں ہوتی ہے، لیکن عقد صحیح ہوجاتا ہے اور وہ شرط عقد کے منافی ہوتا ہے، جیسے ترک انفاق اور عدم وطی کی شرط لگانا، اور اسی طرح عورت کے لئے مہر نہ ہونے کی شرط لگانا، پس یہ تمام شرطیں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ عقد کے منافی ہیں، اور اس لئے بھی کہ وہ شرطیں عقد کے ذریعہ واجب ہونے والے حقوق کے اسقاط کو لازم ہوتی ہیں انعقاد عقد سے پہلے، لہذا صحیح نہیں، لیکن عقد صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ ان شرطوں کی وجہ سے عقد نکاح میں ایک امر زائد کا اضافہ ہوتا ہے جس کا بیان کرنا ضروری بھی نہیں، لہذا نکاح باطل نہیں ہوگا، جیسا کہ نکاح میں حرام چیز کی تعیین مبطل نکاح نہیں (فقہ السنۃ ۲/ ۴۷، المغنی لابن قدامہ ۷/ ۷۲، الروض المربع ۱/ ۳۴۱)۔

اسی طرح عورت کے لئے جائز نہیں کہ سوتن کے طلاق کی شرط لگائے، چنانچہ اس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے (فتح الباری ۹/ ۲۱۹)۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

”لا تشترط المراۃ طلاق أختھا“

(عورت بوقت نکاح اپنی بہن کے طلاق کی شرط نہ لگائے)۔

(۳) کچھ شرطیں ایسی ہیں جو صرف عورت کے حق میں ہیں، جیسے عورت کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ اس کا شوہر اس کے گھر یا اس کے شہر سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرے گا، یا عورت کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جائے گا، اسی طرح یہ شرط لگانا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا، ان شرطوں کے پورا کرنے کے بارے میں فقہاء کے یہاں قدرے اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی) کے یہاں اس قسم کی شرطیں لگانے سے نکاح صحیح ہوجائے گا اور شوہر ان شرطوں کے پورا کرنے کا پابند نہیں ہوگا، بلکہ یہ شرطیں ختم ہوجائیں گی، ان حضرات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے شروط (پابند) پر ہوتے ہیں، مگر ایسی شرط نہ ہو جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردے''۔

اس لئے ایسی شرط لگانا درست نہیں، نیز آپ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وإن کان مأة'' (فقہ السنۃ ۲/ ۷۴، حلیۃ العلماء ۶/ ۴۴۹)۔

(جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے گرچہ سو ہی کیوں نہ ہو)۔

امام احمدؒ وغیرہ کے یہاں شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا، عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، ان کا مستدل عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شرطوں میں سے زیادہ ایفاء کے قابل وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تمہارے لئے فرج حلال ہو''۔

حدیث میں وہ شروط مراد ہیں جو مقتضاء عقد میں سے ہیں، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

''امام شافعیؒ اور اکثر علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث محمول ہے ایسی شرطوں پر جو مقتضاء نکاح کے منافی نہیں، بلکہ مقتضیات عقد میں سے ہیں، جیسے اچھا سلوک اور نفقہ کی شرط لگانا (عون المعبود ۷/ ۱۷۶، فتح الباری ۹/ ۲۱۸)۔

تفویض طلاق کا مسئلہ

تفویض طلاق کا مسئلہ

مولوی محمد مجتبیٰ مظاہری

جس طرح انسان خود سے یا دوسرے کو وکیل بنا کر عورت کو طلاق دیتا ہے، اسی طرح شریعت نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ شوہر عورت کو اپنے اختیار طلاق کا مالک بنادے میسا کہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"لأن الزوج مالک لأمرها فإنها يملكها بهذا اللفظ ماهو مملوک فيصح عنه ويلزم حتى لايملک الزوج الرجوع عنه" (المبسوط ۶/۲۲۱)۔

اس مسئلہ کے اثبات کے لئے ذیل میں **"يايها النبی قل لأزواجک إن كنتن تردن الحيوٰة الدنيا وزينتهافتعالين امتعكن وأسرحكن – سراحا جميلا"** (سورۂ احزاب:۲۸) کے پیش کرنے میں علماء کا زبردست اختلاف ہے اور قول اصح بھی یہی ہے کہ حدیث میں تفویض کا ذکر نہیں، جیسا کہ علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۳ص/۲۳) پر اٹل فیصلہ فرمایا ہے:

"وهذا (أی إثبات التفويض بهذه الآية) غير ظاهر، لأنه عليه السلام لم يخيرها فی إيقاع الطلاق بنفسها وإنما خيرها على أنها اختار ت نفسها أحدث لها طلاقا لقوله تعالى فتعالين امتعكن الخ "

البتہ ازروئے آثار واحادیث وقواعد فقہ اس کا ثبوت بالیقین ہے، جیسا کہ مصنف عبد

الرزاق ابن ابی شیبہ میں اس کی تفصیل موجود ہے، لہٰذا اب یہ اعتراض نہ رہا کہ طلاق کا حق تو شوہر کو ہے پھر عورت کی طرف منتقل کیوں ہو جاتا ہے؟ جواب واضح ہے کہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، نیز اس میں عورت کی طرف علی الاطلاق ملک کا انتقال نہیں ہے، بلکہ ملکیت میں شرکت ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ تفویض کے بعد شوہر کو طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے۔

بہر حال یہ تفویض یا تو مطلق طلاق کا اختیار دینا یا شرائط کے ساتھ طلاق کا حق حاصل ہونے کا نام ہے ہر دو شکلیں جائز ہیں، آنے والی دوسری صورت میں صورت تفویض کا زبان سے کہنا ضروری ہے اور بقیہ دو صورتوں میں کہنے لکھنے دونوں کا اختیار ہے

چنانچہ اس سلسلہ میں ائمہ فقہاء کی عبارات سے تین صورتیں مستفاد ہوتی ہیں کہ یا تو تفویض قبل از نکاح ہوگی یا بوقت عقد، یا نکاح کے بعد تفویض کا معاملہ پیش آئے گا، ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

صورت اول اور ثانی میں کچھ شرائط و قیود ہیں، مناسب ہے کہ ہر دو صورتوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔

صورت اول: اس میں یہ ضروری ہے کہ نکاح اگر نہ ہوا ہو، لیکن نکاح کی طرف اضافت و نسبت کی جائے، مثلاً یہ کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح ہوا تو مطلقاً یا فلاں شرائط کے تحت اسے اختیار حاصل ہوگا (ردالمحتار ۲/۴۹۴)۔

صورت ثانی: اس میں شرط یہ ہے کہ اولاً نکاح میں ایجاب عورت ہو کی جانب اور اسے جو شرائط لگائی ہو اس کا تذکرہ ایجاب کے ساتھ کرے، پھر مرد قبول کرے، ورنہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب ہو اور بعد میں لڑکی والے کی جانب سے مطلقاً یا شرائط کے ساتھ تفویض کا تذکرہ ہو تو یہ معتبر نہیں (ردالمحتار ۲/۲۸۵)۔

البتہ اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہو جس میں تفویض کا تذکرہ نہ ہوا ہو اور مرد نے اپنی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض کی زیادتی کر دی، تب بھی یہ تفویض صحیح ہوگی

صورت ثالث: نکاح کے بعد تفویض کے سلسلہ میں کوئی شرط نہیں ہے، بالکل درست ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ صورت اول پر حضرت علیؓ وابن عمرؓ وغیرہ کی روایت "**لاطلاق قبل النکاح**" (ابن ماجہ ۱/ ۱۴۸، ترمذی ۱/ ۱۴۰، مستدرک حاکم ۲/ ۴۵۴، نصب الرایہ ۳/ ۲۳۰) سے اشکال نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس صورت میں اگرچہ قبل النکاح طلاق کے واقع ہونے کی نفی کی گئی ہے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے:

"**إنها محمولة على نفي التخيير، لأنه هو الطلاق أما المعلق به فليس به**" (مرقات ۳/ ۴۷۷)۔

ضروری نوٹ: فقہاء امت نے اپنی خداداد بصیرت کے تحت ہر دو فریق کی رعایت فرمائی ہے، جہاں مرد کا لحاظ کیا وہاں عورت کی حاجت روائی فرمائی کہ وہ شوہر کی ظالمانہ زیادتی اور وحشیانہ برتاؤ کی بنیاد پر فسخ عن القضاء حاصل کرتے ہوئے گلوخلاصی کر سکتی ہے، تاکہ مظلومانہ زندگی سے نجات حاصل ہو، لیکن بایں ہمہ عورت کو بھی علی الاطلاق اس چیز کی اجازت نہ دینے کو بیان فرمایا، جس کی صورت یہ ہے کہ تفویض کے وقت کوئی پابندیاں ہو، ورنہ اپنے نفسیاتی جذبات کے تحت معمولی بات پر تفریق کر لے گی جس سے شریعت کا مقصد اصلی فوت ہونے کا اندیشہ ہے، لہذا تفویض میں مناسب قیود کا ضرور اضافہ ہونا چاہئے، مثلاً یہ کہ عورت کو فلاں فلاں تکلیف پہنچنے پر طلاق کا اختیار رہے گا، جس کی مصیبت وتکلیف ہونے کی گواہی فلاں فلاں کم از کم دو آدمی دیں تو ایسی صورت میں عورت اپنی مظلومیت سے بھی محفوظ رہے گی اور انسداد طلاق کا مقصد شرع بھی برقرار رہے گا، اسی لئے حضرت تھانویؒ نے "الحیلۃ الناجزۃ" کے (صفحہ ۳۵) پر مستقل ضروری مشورہ کا عنوان قائم فرمایا، جس کا اپنانا از حد ضروری ہے

اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ متعدد آدمیوں کی مشیت پر معاملہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے شرعاً اس کی اجازت ہے، چنانچہ "بزازیہ" میں ایک مسئلہ تحریر ہے "**تزوج امراۃ إن شاء ت وشاء فلان فأبطل فلان المشيئة في المجلس**" (بزازیہ ۲/ ۱۵۳) جو اس کی نظیر ہو سکتی

ہے، اخیر میں یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ عورت سے احتیاط و فائدہ کیلئے اول دوصورتیں بہ نسبت تیسری صورت کے زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ صورت ثالث میں بعد النکاح معاملہ ہونے سے شوہر پر کسی قسم کا تفویض کے لئے دباؤ نہیں ہوسکتا، بلکہ معاملہ اس کی رضامندی پر طے ہوتا ہے، برخلاف پہلی دوصورتوں کے، اسی لئے فقہ میں اول دوصورتوں کے اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ عورت کو خوف ہے کہ شوہر بعد النکاح طلاق کا اختیار نہیں دے گا تو اسے چاہئے کہ نکاح ہی میں اس طرح کا ایجاب کرلے کہ تفویض پر مشتمل ہو (بزازیہ ۴/۲۳۴)۔

تفویض طلاق کا حکم

مفتی احمد نادر القاسمی ☆

تفویض کا طریقہ:

تفویض طلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اگر عورت کو کسی طرح کی تکلیف دی گئی، یا اس کو نفقہ وقت پر ادا نہیں کیا گیا، اس کے صحیح سالم ہوئے دوسری عورت کے شوہر نے شادی کی، یا بے جا ستایا گیا وغیرہ تو منکوحہ فلانہ کو اپنے اوپر مثلاً: ایک ''طلاق بائن'' واقع کر کے نکاح سے علاحدہ ہو جانے کا اختیار ہوگا اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور شوہر اس کو عقد کے وقت مذکورہ شرائط کے سات ایجاب وقبول میں تسلیم کرلے تو کتب فقہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ تفویض درست ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں عند النکاح لگائی گئی شرط کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، چنانچہ فخر الدین قاضی خانؒ نقل کرتے ہیں:

فقیہ ابو اللیثؒ کہتے ہیں کہ جب شوہر کی جانب سے ابتداء ہوئی اور کہا میں نے تم سے نکاح کیا، اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے تو واقع نہ ہوگی اور اگر عورت نے ابتداء کیا اور اس طرح کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر کہ طلاق والی ہوں، یا میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب میں چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں گی اور شوہر نے اسے قبول کرلیا تو نکاح جائز

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

ہوجائے گا اور طلاق واقع ہوجائے گی، اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، اس لئے کہ ابتداء اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق اور تفویض دونوں نکاح سے قبل ہوں گے، لہذا یہ درست نہ ہوگا، اور اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد قرار پائے گی، اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب شامل ہے اس چیز کے اعادہ کو جو سوال کے اندر ہے، تو گویا شوہر کا قول ایسے ہی ہوگیا، جیسا کہ وہ کہے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے یا ایسے ہی ہوگیا، جیسے کہے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو گویا تفویض نکاح کے بعد کی گئی (خانیہ ھامش علی الھندیہ ۱/۳۲۹)۔

تفویض طلاق سے رجوع:

فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طلاق کا حق اپنی بیوی کو سپرد کردے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ بیوی کو حق تفویض کے استعمال سے روک دے، فقہ کی تمام متداول کتابوں میں یہ مضمون ملتا ہے

شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے رجوع کرلے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ حق جو اس نے بیوی کی جانب سپرد کیا ہے، اس کے کرنے سے روک دے اور نہ اس کو فسخ کر سکتا ہے (الفتاوی الھندیہ ۱/۳۸۷)۔

شوہر اس بات کا مالک نہیں ہے کہ تفویض کے انواع ثلاثہ: اختیار، امر بالید اور مشیئۃ سے رجوع کرلے (درمختار ۱/۳۲۷، شامی ۳/۳۳۲)۔

علامہ کاسانی اس بحث میں تفصیل سے کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”تفویض یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے شوہر کی جانب سے، یہاں تک کہ اس سے رجوع کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی عورت کو اس سے روک سکتا ہے جس کو اس نے اس کی طرف سونپا ہے اور نہ ہی فسخ کرسکتا ہے، کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنایا ہے اور ضابطہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کسی چیز کا مالک بنادیتا ہے تو اس چیز پر سے اس کی ولایت ختم ہوجاتی ہے، لہذا نہیں

باطل کرسکتا ہے اس کو رجوع کے ذریعہ، عورت کو روکنے کے ذریعہ، اور فسخ کے ذریعہ، اس لئے کہ طلاق وجود میں آنے کے بعد رجوع کا احتمال نہیں رکھتی اور نہ فسخ کا، اسی طرح اس کے واجب ہونے کے بعد بھی رجوع کا احتمال نہیں رکھتی'' (بدائع ۳/ ۱۱۳)۔

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ شوہر نکاح کے وقت طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے اور نہ اس کو اس طلاق سے رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) عقد نکاح سے قبل شرائط نامہ تحریر ہوجائے جس پر جانبین کے دستخط ہوں

جس وقت شرائط نامہ عقد نکاح سے قبل تحریر کیا جائے، اس وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس لڑکی سے نکاح ہو رہا ہو اس عاقدہ کی جانب نکاح کی نسبت نام کی صراحت کے ساتھ ہو اس طرح کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور مثلاً اس کو کسی طرح کی اذیت دوں، تو اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرکے میرے نکاح سے الگ ہوجانے کا پورا اختیار ہوگا، اگر اس شرائط نامہ پر اس عاقدہ کی جانب اضافت نہ کی گئی تو اس شرائط نامہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے:

''اور تعلیق کے لئے شرط ہے کہ ملکیت ہو خواہ حقیقت میں ہو، مثلاً معتق کا قول اگر میں نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے، یا حکماً ہو، جیسے کسی شخص کا قول اپنی منکوحہ کے بارے میں یا معتدہ کے بارے میں اگر تو گئی تو تو طلاق والی ہے، یا ملکیت کی طرف اضافت ہو خواہ عام ہو یا خاص، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ اگر میں غلام کا مالک ہوا تو تو آزاد ہے، یا معین غلام کے بارے میں کہے کہ اگر میں مالک ہو جاؤں اس غلام کا تو آزاد ہے (درمختار ۲۳۹)۔

(۲) شرائط طے ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب ہی میں تمام شرائط جو لگانے ہوں اسے ذکر کردیا جائے اور ابتداء (ایجاب مشروط) عورت کی جانب سے ہو اور مرد تمام شرائط

کے ساتھ اسے قبول کرلے، یہ صورت بھی شرعاً درست اور معتبر ہے اور نکاح کے بعد معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا جب چاہے گی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر طلاق وقع کرسکے گی، ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

''اگر عورت نے ابتداء کیا اور کہا میں نے تم سے شادی کی اس شرط پر کہ میں طلاق والی ہوں، یا یہ کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں گی، شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا'' (بحرالرائق ۳/۳۱۸)۔

(۳) شرائط طے ہونے کی تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کیا جائے، اس طرح کہ عورت کو کوئی تکلیف دی گئی یا اس کی موجودگی میں شوہر نے دوسرا نکاح کیا، یا بغیر جرم اس کی ناحق پٹائی کی گئی تو عورت کو اس وقت یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرکے شوہر سے خلاصی حاصل کرلے، تو یہ شرط بعد النکاح بھی درست اور شرعاً معتبر ہوگی، اور ان تمام شکلوں میں عورت کو اختیار رہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، ابن نجیمؒ جامع الفصولین سے نقل کرتے ہیں:

''اور'' جامع الفصولین'' میں ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیری موجودگی میں شادی کروں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں اور تیرے سپرد ہوگا، پھر عورت نے اپنے شوہر کے خلاف دعوی کردیا کہ فلاں عورت جو حاضر ہے اس سے تو نے شادی کی ہے اور حاضرہ بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ ہاں اس سے شادی کی ہے، اور شاہد بھی اس نکاح کی شہادت دیدیں تو معاملہ اس عورت کے ہاتھ میں ہوگا'' (بحرالرائق ۳/۳۱۹)۔

جانبین کے لئے کچھ مفید قیدیں:

نکاح کے شرائط ناموں میں مزید کچھ ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو جانبین کی ازدواجی اور عائلہ زندگی میں استحکام پیدا کریں، مثلاً نکاح کے شرائط نامہ میں جانبین کے کم از کم

دس افراد جو باوثوق اور اہل علم ہوں، کے نام اور ان کے دستخط، اسی طرح یہ قید بھی شرائط نامہ میں بڑھادی جائے (جس وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی نوبت آن پڑے) کہ ان دس حضرات میں سے دو حضرات اس وقت موجود ہوں اور وہ عورت کے حق میں طلاق کو مناسب سمجھیں تب عورت کو شرائط کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا وغیرہ، اس بارے میں قرآن کریم کی اس آیت سے مدد لی جاسکتی ہے۔

"وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها إن يريد ا إصلاحاً يوفق الله بينهما إن الله كان عليما خبيرا" (سورہ نساء:۳۵)

اس آیت کریمہ میں عاقدین اور زوجین کو کسی معاملہ کو الجھ جانے اور تلخی کی صورت میں دونوں طرف بزرگ اور تجربہ کار لوگوں کی مداخلت پر زور دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ نکاح میں کسی بھی قسم کے قیود وشرائط کا مقصد نکاح کی پائیداری اور نباہ نہ ہونے کی شکل میں آسانی سے گلوخلاصی ہے، اور اس مسئلہ کو خاص طور سے موجودہ حالات میں "تفویض طلاق" کا طریقہ اختیار کیا جانا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، ورنہ اسی طرح خواتین پر طلاق نہ دے کر ظلم کیا جاتا رہے گا، اور موجودہ حالات میں ضرورت کے باوجود حکومت کے خوف سے طلاق نہ دے گا، نقصان دونوں کا ہوگا، اس مشکلہ سے آزادی کا بس یہی راستہ نظر آتا ہے۔

کیا تفویض طلاق سے مصالح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ہے؟

یہ بات تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ عورت نفسیاتی طور پر جلد باز ہے، جس کی وجہ سے الجھن میں بہت جلد آجاتی ہے، اس لئے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہر کوئی ایسی شرط لگا سکتا ہے جس سے عورت خوف کرے اور طلاق واقع کرنے میں عجلت سے کام نہ لے، مثلاً مرد یہ شرط لگادے کہ عورت اس شرط پر اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے جب سارا مہر معاف کردے، اس طرح کی قید سے ضیاع کے اندیشہ کا سد باب ممکن ہے ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"اگر شرط لگایا شوہر نے کہ تین طلاق واقع کرنے کا حق تم کو ہے، اگر تم اپنے مہر سے مجھ کو

بری کردو، اگر وہ لڑکی کھڑی ہوگئی اس مجلس سے تو اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا اور اگر واقع کیا طلاق مجلس میں اور اس نے مہر سے براءت کو مقدم کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر بری نہیں کیا مہر سے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق واقع کرنے کا وکیل شوہر نے براءت کی شرط پہ بنایا ہے (البحر الرائق ۳/۳۱۹)۔

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں، تاکہ مصالح شرع پر کنٹرول رہے۔

تفویض اور احتیاطی قیودات

مولانا عبدالقادر قاسمی

عاقدہ کی طرف تفویض کی شرط لگانا:

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم بھی کرلے تو یہ شرط شرعاً معتبر ہوگی اور اس تسلیم کی وجہ سے شوہر کا حق طلاق ختم ہوکر بیوی کو مل جائے گا اور شرعاً شوہر کو کچھ بھی حق طلاق نہ ہوگا (المفصل فی أحکام المرأۃ ۱۳۶/۶، الفتاوی الہندیہ ۲۶۳/۱، ردالمحتار ۳۲۹/۳، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵۴/۷)۔

حق تفویض ختم کرنا:

اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد، اس تفویض کو ختم کرنا چاہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی نہیں رہتا ہے، بلکہ اس کے قبول کرتے ہی اس کا حق واختیار شرعاً باطل ہوجاتا ہے (الفتاوی الھندیہ ۳۸۷/۱)۔

شرط کی تین صورتیں:

شرط کی تین شکلیں ہیں: پہلی شکل یہ ہے کہ شرائط قبل از نکاح طے ہوجائیں اور طرفین کی جانب سے دستخط بھی ہوجائے دوسری شکل یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط کا ذکر کیا جائے،

ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو تیسری شکل یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد طرفین آپس میں کوئی شرائط نامہ تحریر کریں۔

حکم:

مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز و درست ہیں، البتہ شرائط اگر قبل از نکاح طے ہوں اور طرفین کے دستخط بھی ہو جائیں اور شرائط عین نکاح کے وقت طے ہوں، ان دونوں صورتوں کی صحت کے لئے ایک ایک شرط ہے، اس کی مکمل اور جامع تفصیل حضرت تھانویؒ کی تصفیف ''الحیلة الناجزة'' سے نقل کی جاتی ہے:

پہلی صورت:

کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار رہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۸۱۳، الفتاوی الہندیہ ۶/ ۲۶۱)۔

دوسری صورت:

عین ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح ومعتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا، یعنی شرائط مذکورہ

میں سے کسی کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گی، (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا، کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم ومصیبت دیکھے تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے، یعنی اس طرح کہہ دے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں، اور اگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح تو بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی، خوب سمجھ لو (ردالمحتار ۲/ ۲۹۴، الفتاوی الہندیہ ۷/ ۲۶۳)۔

تنبیہ:

اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو، اگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کردیا، تب بھی تفویض صحیح ہوگئی، لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ شرط کو بڑھائے یا نہ بڑھائے، عورت کی جانب سے جب ایجاب بلا کسی شرط کے ہو چکا، تو اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی، اس لئے کہ عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جائے، اس کے واسطہ یہ صورت کافی نہیں، بلکہ ایجاب میں شرط لگانا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلا کسی شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

تیسری صورت:

نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جائے، یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔

مشورہ: یہ صورت اس عورت کے لئے کارآمد ہے جس کے نکاح میں کابین نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا، لیکن جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے واسطہ اس میں بھی وہی

کمی ہے جو ابھی تنبیہ بالا کے ذیل میں مذکور ہوئی، یعنی جبکہ عقد نکاح تمام ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کر لے، بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے، اس لئے کہ مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری ہی صورت اختیار کرنا ہے اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کو مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں، وہ صرف پہلی ہی صورت ہے، کہ عقد سے پہلے ہی کابین نامہ لکھوالیا جائے، مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے، یعنی یہ لفظ ضرور لکھوادئے جائیں کہ اگر میں ''فلاں، فلاں'' سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرط کے خلاف کروں، اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو کابین نامہ کالعدم ہو گا جیسا کہ پیشتر گزر چکا۔

فائدہ: نکاح مذکور جس میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کر لی گئی ہیں، اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے، بعض لوگوں نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں، بلکہ نکاح منجز ہے، جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے، نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو، جیسے عورت یوں کہے کہ ''میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا اگر میرا باپ راضی ہو'' یا مرد یوں کہے کہ ''میں نے قبول کر لیا اگر میرا باپ راضی ہو'' اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا، اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہو جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے

ضروری مشورہ: چونکہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے، جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر روپے سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم

سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا، کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلی جائے اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدیدہ ہے، لیکن عورت کو اس کے بعد بھی چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے اور تین باتوں کا ضرور التزام کرے

۱-فوراً غصہ کے وقت اپنے اس اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور وخوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

۲-یہ کہ اپنے خیرخواہوں سے ضرور مشورہ کرے۔

۳-یہ کہ سنت کے موافق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالی میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین ودنیا میں بہتر ہو، اس تمام کوشش کے بعد جو دل میں آئے اس پر عمل کرے اور اللہ تعالی پر بھروسہ رکھے، اس طرح وہ خطرہ نہ ہوگا، جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے ۔

تنبیہ ضروری:

تعلیق مذکور میں ''اگر چاہے'' کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے، ورنہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی جس میں وہ شرائط ہوں اور اس مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق کا باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کردینا مناسب نہیں، اسی طرح لفظ ''جب چاہے'' بھی شرط میں نہ استعمال کیا جائے، ورنہ ہمیشہ کے لئے (حتی کہ اعادہ کے بعد بھی) اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہوجاویں، اور ایسا اختیار عورت کو دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے، بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے

چاہئیں، جن سے نہ تو ایسی تنگی لازم آئے کہ تفویض مقید بالمجلس ہو جائے اور نہ اتنی وسعت ہو کہ عورت کو تین طلاقیں واقع کر لینے کا اختیار مل جائے۔

تنبیہ دوم شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے شرائط میں مرد کو غور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کر لینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی و پشیمانی ہوگی (الحیلة الناجزة ۲۷-۳۰)۔

تفویض طلاق اور اس کی شرطیں

مولانا نسیم الدین قاسمی

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد بسا اوقات جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، کبھی مرد کی طرف سے ظلم وستم، کبھی نان ونفقہ سے دستبردار ہوجاتا ہے اور کبھی بیوی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے اور عورت بیچاری بیکسی کی حالت میں اپنی زندگی گذارتی ہے اور شوہر کبھی بھی اس کی طرف التفات نہیں کرتا، ایسے حالات کے پیش نظر اگر نکاح سے قبل یا عقد نکاح کے بعد باہم رضامندی سے کچھ شرائط مقرر کر لئے جائیں، کہ اگر شوہر اسکی خلاف ورزی کرے گا تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں، (۲) نکاح کے وقت طے ہوں، (۳) یا نکاح کے بعد شرائط طے ہو۔

(۱) پہلی صورت، یعنی جب کہ نکاح سے قبل شرائط طے ہوں، ان شرائط کے قبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان شرائط کی اضافت یا نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہو، مثلاً شوہر یہ کہے کہ اگر میں مسماۃ فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر جو شرط طے پائے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد شوہر یہ کہے کہ اگر میں نے مذکورہ شرائط کی ادائیگی نہیں کی تو عورت کو اختیار ہوگا کہ

اسی وقت یا پھر جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہوجائے، او راگراس شرط کی نسبت یا اضافت نکاح کی طرف نہیں کی گئی تو شرائط نامہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا (درمختار ۲/ ۵۳۷)۔

دوسری قسم تفویض کو معلق کرنا ہے متعین وقت تک مہر نقد معجّل کے ترک کرنے کے ذریعہ، کتابت کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے ایک طلاق بائن کا اختیار عورت کو دے دیا، مطلقاً اس شرط کے ساتھ کہ جب ایک ماہ گذر جائے اور اس کو میں نے اتنے روپے حوالہ نہیں کیا اس کے مہر معجّل میں سے تو عورت کو اس کے بعد اختیار رہوگا جب چاہے ایک طلاق بائنہ لے لے، شوہر نے اس امر طلاق کو عورت کے حوالہ کردیا اور عورت نے اس تفویض طلاق کو قبول بھی کرلیا مجلس تفویض ہی میں (الفتاوی الہندیہ ۶/ ۲۶۱)۔

(تیسری قسم) تفویض طلاق کو معلق کردیا، جوا کھیلنے یا شراب پینے یا ضرب شدید پر، جو تکلیف کا باعث ہو اور اس کا اثر بدن پر ظاہر بھی ہو اور اگر شوہر نے اس میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو عورت کو اختیار رہوگا کہ اپنے آپ طلاق بائن دے کر جدا ہوجائے (الفتاوی الہندیہ ۶/ ۲۶۱)۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ عین ایجاب وقبول کے وقت شرائط ذکر کی جائیں، اس شرط کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً عورت یا اس کا ولی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا (جتنی شرائط لگانی ہوں بیان کردے) تو میرے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کے ہاتھ میں ہوگا اسی وقت یا پھر کسی وقت جب عورت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے جدا ہوجائے، اس کے جواب میں شوہر ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کیا اس پر عورت کو اختیار ہوگا جب وہ اپنے اوپر ظلم ومصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے اور اگر ایسا نہ کیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے اور لڑکی قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی

شرط لگادے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائیگا اور شرط باطل ہوجائے گی۔

درمختار میں ہے:

نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو ایسا کرنا درست ہے (درمختار ۲/۲۶-۵۲۵)۔

علامہ شامیؒ اس عبارت کے ضمن میں لفظ ''صح'' پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صح مقید ہے اس صورت کے ساتھ، جبکہ عورت کی طرف سے ایجاب ہوا ہو، چنانچہ عورت کہے کہ میں اپنا نکاح تم سے اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے تو میں جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار مجھ کو ہوگا تو اس کے جواب میں شوہر نے کہا میں نے قبول کیا'' (ردالمحتار ۲/۵۲۶)۔

لیکن اگر ایجاب شوہر کرے تو طلاق کا اختیار عورت کو نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو شوہر کا اختیار حاصل ہوگا

''عالمگیری'' میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے ان دونوں کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے۔

فقیہ ابواللیث بیان کرتے ہیں:

''ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جب ایجاب عورت کی جانب سے ہوگا تو طلاق اور تفویض طلاق نکاح سے قبل سمجھا جائے گا، لہذا یہ صحیح نہیں ہوگا، لیکن جب ایجاب عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، کیونکہ شوہر نے جب عورت کے کلام کرنے کے بعد کہا ''قبلت''، تو گویا شوہر نے کا یہ کلام اعادہ مافی السوال کو متضمن ہوا تو، یعنی شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے، لہذا یہاں پر تفویض طلاق نکاح کے بعد سمجھی جائے گی۔

اس لئے دوسری شکل میں جب کہ عین عقد کے وقت شرائط طے کی جائیں، تو ایجاب

شوہر کی جانب سے کیا جائے نہ کہ عورت کی جانب سے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوالیا جائے، یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے، لیکن جب عقد نکاح تمام ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے، بلکہ صرف اس کی مرضی کی بات رہ جاتی ہے، اس لئے مصائب سے چھٹکارہ کی وجہ صرف پہلی یا دوسری تدبیر اختیار کرنے ہی میں ہے، اور اس صورت میں ضروری ہے کہ جب کابین نامہ لکھوایا جائے تو شرط کی نسبت واضافت نکاح کی طرف کرے اور اگر ایسا نہ کیا تو شرط باطل ہو جائے گی۔

تفویض طلاق کا شرعی حکم

مولانا محمد نعیم رشیدی

عقد نکاح کے وقت عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر جس وقت طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور شوہر بھی اس شرط کو تسلیم کرتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس شرط کی کیا حیثیت ہوگی، اس کے بعد عورت کو حق اختیار حاصل ہوگا؟ اس شرط کو اصطلاح شرع میں ''تفویض'' کہتے ہیں اور شرعاً ایسی شرط کا اعتبار ہوگا، اور شرط صحیح ہوجائے گی، اور پھر عورت کو جو جب چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں طلاق والی ہوں، یا مجھ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا، تو شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہوجائے گا، طلاق یا حق طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۶۰۲)۔

نیز خانیہ میں بھی یہی عبارت مذکور ہے (خانیہ فی ہامش الھندیہ ۱/۳۲۹)۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کو اختیار ہے تو صحیح ہے''۔

لیکن یہاں پر ایک اہم بات قابل غور یہ ہے کہ مذکورہ شرط کا اعتبار اور اس کے صحیح ہونے کا مدار ایک قید پر موقوف ہے، اگر وہ نہ پائی جائے تو پھر شرط لغو ہوجائے گا، اور عورت کو کوئی حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، وہ یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی شرط کی ابتدا

عورت کی طرف سے واقع ہوتی ہو اور شوہر محض تسلیم کرے، اس کے برخلاف شرط ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت اس کو تسلیم کرے تو یہ شرط بے کار ہو جائے گی، اور عورت کو اس وقت کسی قسم کا حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔

''مرد نے کہا عورت سے کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تم طلاق والی ہو، یا تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اور عورت نے اس کو قبول کیا، تو عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں نہیں ہوگا'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۶۰۲)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

''مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا، تو یہ صحیح ہے اور یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب کہ عورت ابتداء کرے، چنانچہ عورت کہے کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب چاہے میں طلاق واقع کر سکتی ہوں'' (رد المحتار ۲/ ۳۲۱)۔

دونوں میں وجہ فرق سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تفویض طلاق کا اعتبار ملکیت نکاح ہی میں صحیح ہو سکتا ہے، اگر حق طلاق کا اختیار ملکیت میں نہ ہوا ہو، یعنی عورت اس کے نکاح میں کسی بھی حیثیت سے داخل نہ ہو تو پھر اس طرح کی تفویض کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کا پورا ہونا قبول پر موقوف ہوتا ہے، محض ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا، چنانچہ اب فرق اس طرح سمجھا جا سکتا ہے، کہ جب طلاق کی شرط کی ابتداء مرد کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح سے پہلے سمجھی جائے گی، کیونکہ یہاں محض ایجاب ہی ہوا ہے اور ابھی قبول باقی ہے، لہذا تفویض نکاح سے پہلے واقع ہوئی، چنانچہ گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفویض صحیح نہیں، نیز تفویض ملکیت میں نہیں پائی گئی، لہذا تفویض صحیح نہیں ہوئی، اس کے برخلاف شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد اس کو تسلیم کرتا ہو تو یہاں تفویض کے بعد شوہر قبول کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے تمہاری شرط کو قبول کیا تو گویا تفویض طلاق مرد کی جانب سے نکاح کے بعد ہوا، لہذا اس صورت میں شرط صحیح ہو جائے گی، مرد

وعورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، یہاں پر شوہر قبول میں شرط کے الفاظ استعمال نہیں کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود محض اس کے ''قبلت'' (میں نے قبول کیا) کہنے میں خود سوال بھی شامل ہوجائے گا، جیسا کہ عام محاورات میں اس طرح کے استعمال سے ہر ایک واقف ہے، چنانچہ خانیہ میں اس کا فرق اس طرح واضح کیا ہے۔

'' اس لئے کہ ابتداء اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق وتفویض نکاح سے قبل ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا اس لئے کہ عورت کے کلام کے بعد شوہر نے ''قبلت'' (میں نے قبول کیا) کہا اور جواب سوال کے مضمون کو بھی شامل ہوتا ہے تو گویا وہ اس طرح کہا کہ میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تم طلاق والی یا تم کو اختیار ہوگا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا (اور درست ہوجائے گا) (فتاوی خانیہ علی ہامش الھندیہ ۱/۳۲۹)۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ شرط کے وقت مذکورہ قید کا لحاظ رکھنا صحت شرط کے لئے ضروری ہے، ورنہ شرط لغو اور بے کار سمجھی جائے گی اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن یاد رہے کہ یہ تعلیق نہیں ہے کہ جس سے اشکال ہو۔

یہاں پر مزید ایک قید کا اضافہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب عورت شرط لگائے تو محتاط ہوکر ایسے الفاظ استعمال کرے کہ جس سے نکاح کے بعد جس وقت چاہے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو، چنانچہ اس کے الفاظ اس طرح ہوں '' میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے اختیار ہوگا کہ نکاح کے بعد جس وقت چاہوں گی ایک طلاق بائن اپنے اوپر واقع کرکے الگ ہوجاؤں گی'' اس کے برخلاف اگر عورت مطلق یوں کہتی ہے کہ '' میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے طلاق کا اختیار ہوگا'' تو اس صورت میں مجلس ختم ہونے کے بعد وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مجاز نہیں ہوگی، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے دونوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگر مطلقاً اس طرح کہا کہ تم کو اختیار ہے تو اس کا بقاء حکم بقاء مجلس تک ہی ہے اور یہی مجلس ہے جس میں تفویض کا علم ہوا ہے، اگر چہ وہ موقت ہے، چنانچہ وقت کو مطلق رکھا اور اس

طرح کہا کہ جب چاہے اور جس وقت چاہے تم کو اختیار ہوگا، تو عورت کو مجلس و غیر مجلس دونوں میں اختیار رہوگا، مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۲ / ۱۳۳)۔

جب عورت کی جانب سے شرط پوری ہوجائے اور اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے، اب شوہر کو تفویض طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، عورت اب طلاق کی مالک بن چکی ہے، جب چاہے طلاق واقع کرلے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

بہر حال تعلیق کی صفت شوہر کی طرف سے لازم ہے، یہاں تک کہ اس سے رجوع کرنے اور عورت کو اس کے اختیار سے منع کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا، اور نہ فسخ کا، اس لئے کہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنادیا ہے اور جو کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادے تو اسکی ولایت ملکیت سے ختم ہوجاتی ہے اور کسی طرح باطل کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا (بدائع الصنائع ۳ / ۱۲۶، مجمع الانہر ۱ / ۴۱۶، ردالمحتار ۳ / ۳۴۴، فتاوی عالمگیری ۱ / ۳۸۷)۔

شرائط نکاح کی تین صورتیں:

مذکورہ تینوں صورتیں درست ہیں، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں چند قیود کا بڑھانا ضروری ہوگا، پہلی صورت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے، اس اقرار نامہ میں نکاح کی جانب نسبت اور اضافت موجود ہو، بغیر اضافت کے اقرار نامہ بے کار ہوجائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ تفویض میں ملکیت کا ہونا ضروری ہے اور بغیر ملکیت کے تفویض معتبر نہیں ہوگی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

تعلیق صرف ملکیت ہی میں ہوسکتی ہے، جیسے اپنی منکوحہ کو کہے کہ اگر تم زیارت کروتو تم کو طلاق ہے، یا پھر نکاح کی طرف اضافت ہو، یعنی اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق ہے، یعنی ملکیت کے سبب پر طلاق کو معلق کیا ہے (البحر الرائق ۲ / ۳)۔

نیز علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"تعلیق کی شرائط میں سے ملکیت یا علائق ملک کا ہونا ہے، لہذا اطلاق صرف ملکیت ہی میں درست ہوسکتی ہے، یا پھر علائق میں سے ہو، اور وہ عدت طلاق ہے، یا ملکیت کی طرف

اضافت ہے''۔

معلوم ہوا کہ تفویض طلاق کے لئے ملکیت یا سبب ملک کا ہونا ضروری ہے، اور دوسری صورت معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے مشروط ہو، یعنی ابتداء عورت نے کی ہو، اگر مرد ابتداء کرے اگر چہ مشروط ہی کیوں نہ ہو اور عورت قبول کرے تو یہ صورت درست نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی، البتہ ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو لیکن غیر مشروط ہو، یعنی اس میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو لیکن شوہر کا قبول مشروط ہو، یعنی طلاق کے ساتھ قبول کرتا ہو تو ایسی صورت میں بھی شرط درست ہوجائے گی، اور عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، لیکن اس صورت میں شوہر کے اختیار پر معاملہ رہے گا، چاہے شرط کا ذکر کرے یا نہ کرے اس لئے کہ عورت کی جانب سے بغیر مشروط کے ایجاب واقع ہو چکا، تو اب عورت کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

اور تیسری صورت بھی اگر چہ درست ہے، لیکن اس صورت میں نکاح بغیر کسی شرط کے تام ہو چکا، اب شرط کا اقرار نامہ لکھا گیا تو درست ہے، لیکن شوہر انکار کردے تو اس کو مجبور بھی نہیں کیا جائے گا، اس لئے سب سے زیادہ احتیاط کی صورت پہلی اور دوسری ہے۔

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اور اپنے جذبات سے مغلوب ہوکر مصالح کا لحاظ کئے بغیر اپنے اوپر طلاق واقع کر لینے کا عین امکان ہے، اسلئے مناسب ہے کہ کوئی قید بڑھا دیا جائے کہ جس سے یہ احتمال ختم ہوجائے، مثلاً یہ قید بڑھا یا جائے کہ عورت نکاح کے وقت یا جو بھی اس کا ولی ہے یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر مجھ کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے جس کو فلاں فلاں دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں تو اس وقت یا جس وقت چاہے معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، اس صورت میں طلاق کا حق عورت کے ہاتھ میں تو آجائے گا، البتہ طلاق واقع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقررہ اشخاص پیش آمدہ واقعہ کو تسلیم کر لیں کہ یہ واقعی معقول عذر ہے اور اگر تسلیم نہ کریں تو پھر ابھی طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

تفویض طلاق کی صورتیں

مولانا محمد حاذق قاسمی

تفویض کی پہلی صورت اور اس کا حکم:

یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے تو اس کے مفید ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر میں اس اقرار نامہ کی مندرجہ شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ فلاں مذکورہ کو یہ اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اس میں اضافت الی لنکاح نہ کی گئی تو یہ اختیار دینا درست نہ ہوگا چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے، جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے، یا ملک حکمی ہونا ہے، جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گذار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو گئی تو تجھے طلاق ہے، یا ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو، جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا اگر تم سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے اور اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے (ردالمحتار ۳/۳۴۴)۔

تفویض کی دوسری صورت اور حکم:

عقد نکاح میں ہی یہ شرائط زبانی ذکر کئے جائیں، تو اس کے معتبر اور صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دے دیا کہ تم نے یہ کام کیا، یعنی مجھے مارا یا کہیں جانے سے روکا (غرض جتنی بھی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کردے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، یعنی مذکورہ شرائط میں سے کسی کی خلاف ورزی پر بھی اختیار رہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کرلوں گی، تو اس کے جواب میں مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کیا، تو اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم ومصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے اور یوں کہہ دے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں

لیکن اگر ابتداء کلام، یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو، اور لڑکی قبول کرنے کے ساتھ تفویض کی شرط لگائے تو نکاح درست ہوجائے گا، لیکن شرط باطل، لغو اور بے کار ہوجائے گی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

کسی نے نکاح کیا کسی عورت سے اس شرط پر کہ عورت کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا درست ہے، مصنف کا ''صح'' کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے، جبکہ ابتداء عورت نے کیا ہو اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہوجائے گی، اس پر شوہر نے کہا کہ قبول کرتا ہوں اور شوہر نے ابتداء کی، تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا (ردالمحتار ۳/۳۲۹)۔

تفویض طلاق کی تیسری صورت اور حکم:

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرط نہ لگائی جائے اور نہ ہی عقد نکاح کے

وقت، بلکہ نکاح کے مکمل ہونے کے بعد مابین الطرفین کوئی اقرار نامہ لکھوایا جائے، اور فریقین اس پر راضی ہوں تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی، اس لئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں، وہ یمین وقسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرا واجب ہے۔

تفویض واختیار کے ساتھ مزید احتیاطی قیدیں

چونکہ عورت ناقصات العقل میں سے ہیں، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، لہذا مناسب ہے کہ اختیار دیتے وقت کوئی ایسی مناسب قید بڑھادی جائے کہ وہ اس کا غلط استعمال نہ کرسکے، مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر بیس ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دیدیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی اور اس کو فلاں فلاں دو لوگ تسلیم کرلیں گے، تو اس وقت کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا فلاں کے اختیار میں ہوگا کہ ایک طلاق بائن واقع کرلیں، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت ہوگا جب کہ تسلیم کردہ اور مقرر کردہ اشخاص میں سے دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے۔

مهر کې د مشروط مقدار

مہر کی دو مشروط مقدار

مولانا محمد انظر سبیلی

(۱) اگر عقد نکاح کے وقت مہر کی تعیین دو طرح سے کی جائے، مثلاً مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر ۵۰ ہزار ہوگا، اور طلاق نہ دینے کی صورت میں ۲۵ ہزار ہوگا، اور مقصد یہ کہ طلاق کے بے جا استعمال اور غیر مشروع اقدام کو روکا جاسکے، تو اس طرح کی تعیین معتبر اور جائز ہونی چاہئے، اس طرح کی تعیین میں جو صاحبین کی رائے ہے اس پر عمل کرنا فی زمانہ زیادہ بہتر اور مفید ہے، چنانچہ اس قسم کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

اگر کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور دوسری عورت ہوگی تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر بیوی کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر لے گیا تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر عقد کیا کہ اگر اس کی زوجیت میں باندی ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر عربی یا اس قسم کی آزاد عورتیں ہوں گی تو مہر دو ہزار ہوگا، تو نکاح کی درستگی میں کوئی شک نہیں ہے، البتہ مہر (کی جہاں تک بات ہے) تو پہلی شرط بلا اختلاف جائز ہے، پس شرط کو پورا کیا تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر شرط پوری نہیں کی تو اگر شرط کے خلاف کیا ہے تو مہر مثل لازم ہوگا، اصل یعنی ایک ہزار سے کم یا دو ہزار سے زیادہ نہ ہوگا، اور

یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں شرطوں کے جواز کے قائل ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۵، البحر الرائق ۳/ ۱۵۹، ۱۶۱)۔

گو کہ امام صاحبؒ کے نزدیک دوسری صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور تسمیہ باطل قرار پائے گی اور فتوی بھی اسی پر ہے، لیکن چونکہ موجودہ دور میں ایک مجلس میں تین طلاق، جیسے غیر مشروع اقدام سے گریز بھی نہیں کرتے، اس لئے خیال یہی ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دی جانی چاہئے اور تعیین مہر کی دونوں مقدار کو درست اور معتبر قرار دیا جانا چاہئے، تاکہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے غیر مشروع اقدام نہ کرنے پائے

(۲) اگر عقد کے وقت مہر میں اضافہ کی شرط شوہر کے عقد ثانی پر معلق کیا ہے، مثلاً عورت عقد کے وقت اس طرح کہے کہ اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو درست ہے، شرعاً یہ دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی، اور اس میں بھی صاحبین کی رائے کو ترجیح ہوگی، جیسا کہ ہمرشتہ سوالنامہ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جب ایک ہزار مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کرلے کہ اس کے پاس دوسری عورت نہ ہوگی اور دو ہزار پر جب کہ اس کی زوجیت میں دوسری بیوی ہوگی، یا اگر اس کو شہر سے نہیں لے جائے گا تو ایک ہزار اور اگر لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا، پس نکاح درست ہے، شرط اول میں مہر معتبر ہے، اگر اس نے اس کی تکمیل کی، تو مہر مسمی ہوگا اور اگر تکمیل نہیں کی تو مہر مثل ہوگا، ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہیں کیا جائے گا، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ دودونوں شرطیں جائز ہیں (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/ ۱۰۲-۱۰۱)۔

طلاق کو روکنے کے لئے مہر میں کمی اور زیادتی کی شرط

مولانا محمد ہارون قاسمی

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی لوگ متاثر ہو رہے ہیں، لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، تو اس طرح مہر طے کرنا کون سا مہر لازم اور درست قرار دیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس مہر کا اول میں ذکر کیا گیا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا، اور دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ مہر مثل لازم ہوگا، اس شرط کے ساتھ کہ مہر مثل مہر مسمی سے زائد نہ ہو، اور اس مسئلہ میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں، اور ہر دو صورت میں متعین کردہ مہر، یعنی مہر مسمی لازم ہوگا، اور حضرت امام زفر کے نزدیک یہ دنوں شرطیں فاسد ہیں (فتاوی تاتارخانیہ: ۱۵۹/۳، الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۱۲۳، المبسوط للسرخسی ۵/ ۹۰، ہدایہ مع فتح القدیر ۳/ ۲۳۱)۔

اب رہی بات یہ کہ صاحبین کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو جب آج کل لوگ اس ناپسندید چیز کے استعمال سے باز نہیں آرہے ہیں، اور بات بات پر طلاق دیتے رہتے

ہیں، تو احقر کی ناقص رائے ہے کہ اس کے غلط اور بے محل استعمال سے لوگوں کو بچانے کے لئے جن سے خاندان اور معاشرہ کے سبھی لوگ متاثر ہو رہے ہیں، حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں تغیر زمان اور ضرورت کے پیش نظر اصحاب ابوحنیفہ نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے، اور حوادث زمانہ کے پیش نظر فتوی دیا ہے (دیکھئے: شرح عقود رسم المفتی ر ۲۰)۔

(۲) اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو جیسا کہ ماقبل میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے، میرا خیال ہے کہ دونوں شرطیں شرعاً معتبر ہوں گی، اور حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا، یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا او راگر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور احقر کے نزدیک یہ اقرب الی الفقہ ہے۔

عورت کا بغرض ملازمت باہر نکلنا:

(۳) آجکل عورتوں میں بھی ہر طرح کی اعلی تعلیم کا رواج ہوتا جارہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں، یا وابستہ ہونے کی جد جہد میں لگی رہتی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کرلے، تو شوہر کے لئے شرعاً اس شرط کی پابندی ضروری اور لازم نہیں ہے، کیونکہ اس شرط کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور شرط فاسد اور لغو ہوجائے گی (الأحوال الشخصیہ ر ۱۵۸)۔

پس شوہر اگر شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، نئی ملازمت سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری اور لازم ہوگی، کیونکہ گھریلو نظم ونسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے، اور گھر کے باہر کے امور کی ذمہ داری مرد کی ہے، جیسا کہ حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے کام تقسیم اس طرح فرمائی کہ گھریلو جو امور ہیں ان کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت فاطمہؓ پر ڈالی اور گھر کے باہر کے جو امور ہیں ان کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد کی نیز عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے جس کی وجہ سے عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق کے اندر تنقیص ہو رہی ہو، اور اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو، یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑ رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ ملازمت کی صورت میں ایک طرف تو گھریلو نظم ونسق میں دشواری ہوگی تو دوسری طرف شوہر کے حق میں تنقیص لازم آئے گی، اور تیسرے یہ کہ اس کے لئے شوہر کے گھر سے باہر نکلنا پڑے گا (البحر الرائق ۴/ ۱۹۲، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۳/ ۶۰۳)۔

معلوم ہوا کہ شوہر اگر بیوی کو ملازمت سے منع کرے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی البتہ شوہر اگر ملازمت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو پردہ شرعی اور شریعت کے دیگر امور کی رعایت کرتے ہوئے ملازمت کرسکتی ہے ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو، یا شوہر اس کو کسی مصلحت کے پیش نظر ملازمت سے روکنا چاہتا ہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، پس اگر بیوی شوہر کے منع کرنے کے بعد بھی ملازمت کرے گی تو گنہگار ہوگی اور ناشزہ کہلائے گی۔

مہر میں زیادتی کی شرط

مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مباح چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض طلاق ہے، اسی کے ساتھ بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کا غلط اور بے جا استعمال کیا جارہا ہے، جو منشاء شریعت اور انسانی فطرت کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ خاندانوں میں رنجش، زوجین میں نااتفاقی، بلکہ پورا معاشرہ بگڑتا چلا جارہا ہے۔

لہذا طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح میں مہر اس طریقہ پر طے کیا جائے کہ فلاں اگر اپنی بیوی فلاں کو طلاق دے (چاہے وہ جتنی ہو) تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا قرار پائے گا، (جو ایک متعینہ مقدار ہو) یا اگر اس بیوی کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا اتنا ہوگا، اگر شوہر طلاق نہیں دیتا، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہیں کرتا، تو شوہر پر اتنا ہی مہر لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین امام ابو یوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ خلاف ورزی کی صورت میں مہر مسمی یعنی دو ہزار لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیح اور درست ہیں، اس کی نظیر کتب فقہ میں بھی موجود ہیں۔

مفتی بہ قول: ذکر کردہ مسئلہ میں مفتی بہ قول اصحاب ترجیح نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے

قول کر قرار دیا ہے، البتہ حضرات صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا جاسکتا ہے (فتاوی تاتار خانیہ ۱۳/۱۰۱، حاشیۃ الطحاوی ۲/۵۱، البنایۃ فی شرح الہدایہ ۳/۱۵۹)۔

حضرات صاحبین کے قول پر فتوی:

حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جانا اصولاً وفروعاً درست ہے، کوئی مانع نہیں اور نہ کوئی خرابی لازم آتی ہے، اتنی بات تو طے ہے کہ صاحبین کے اقوال بھی امام ابوحنیفہؒ کی روایت ہوتی ہے، البتہ بعد میں منسوب دوسرے نام سے کیا جانے لگتا ہے اس کی صراحت بھی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے شاگردوں کے اقوال درحقیقت حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی سے مروی ہوتے ہیں (عقود رسم المفتی/۱)۔

گرچہ مسئلہ ہذا میں اصحاب ترجیح نے حضرت امام اعظم کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، اصحاب ترجیح جو کسی مسلک اور روایت کو راجح قرار دیتے ہیں وہ چند وجوہات کی بناء پر ہوتے ہیں، ان ہی میں احوال زمانہ و دیار بھی پیش نظر ہوتے ہیں، بلکہ بعض ائمہ نے حالات کے پیش نظر بہت سارے اقوال کو بدل کر دوسرا فتوی دیدیا، اور کیوں نہ ایسا کیا جاتا، جبکہ احوال زمانہ یکساں نہیں رہتے اور شریعت نے اس کا لحاظ بھی کیا ہے اس وجہ سے جب کہ ہمارے دیار اور زمانہ کی حالت بدل چکی ہے بناء بریں ضرورت کی شکل میں ہمارے سامنے یہ مسئلہ آکھڑا ہوا ہے، اگر اس کو دیکھتے ہوئے اور ضرورت کا احساس اور تقاضہ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جانا کوئی قباحت نہیں رکھتا، اور نہ اصولاً کوئی حرج سمجھ میں آتی ہے۔

نوٹ: سوالنامہ میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو مہر میں زیادتی کی صورت بیان کی گئی ہے اس کا مقصد جو ذکر کیا گیا ہے کہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، سوال مطلق طلاق میں مہر کی زیادتی کرنے کا ہے اور ابتداء سوال میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کا سد باب کرنا مقصد بیان ہو

چکا ہے، اس لئے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اتنی بات تو محقق ہے کہ سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں تینوں طلاق شامل ہیں، طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کرنے کی بہت ساری صورتیں ہیں صرف ایک مجلس میں تین طلاق کا دیدینا ہی نہیں ہے

طلاق کے غلط و بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو صورت وطریقہ بیان کیا گیا ہے وہ شرعاً صحیح و درست ہے، البتہ اس کے نتیجہ کو خالی الذہن ہو کر دیکھا جائے تو کوئی خاص فائدہ اور مسئلہ کا حل نکلتا دکھائی نہیں دیتا ایک طرف مردوں کے جانب سے ہونے والی زیادتی کا سد باب ہے، تو دوسری طرف اس صورت کے اختیار کئے جانے میں عورت کی جانب سے ہونے والی زیادتی کا دروازہ کھولنا ہے، جو مردوں کی جانب سے ہونے والی زیادتی کے بنسبت زیادہ خطرناک ہے اور یقینی پہلو لئے ہوئے ہے روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رنجش و نااتفاقی ہے جو دونوں کو اس موڑ پر لاکھڑی کرتی ہے کہ جہاں علیحدگی ضرورت بن جاتی ہے اس زمانہ میں، جہالت و نادانی کی وجہ سے یا تو مہر کی کوئی اہمیت نہیں یا تو باعث فخر وشرافت اور عزت کی چیز ہے، اس لئے جتنا زیادہ مہر طے کیا جائے قابل تعریف قرار پاتی ہے، اور شوہر کی مالی حالت یہ ہے کہ اس مہر کی خطیر رقم کو ادا نہیں کرسکتا اور نااتفاقی ایسی ہے کہ علحدگی ناگزیر ہے، اس صورت میں عورت کالمعلقہ ہو کر رہ جاتی ہے، بعض مرتبہ عورت خود مہر معاف کر کے اس تنگ زندگی سے برأت حاصل کرتی ہے، ورنہ شوہر ظلم وزیادتی کرنا شروع کر دیتا ہے تاکہ عورت مجبور ہو کر مہر معاف کر کے اپنا راستہ اختیار کر لے، مرتی کیا نہ کرتی بالآخر مہر معاف کر کے رستگاری حاصل کرتی ہے، ان تمام پیدا ہونے والی خرابیوں اور ظلم وزیادتی کے اس دور میں اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے مسئلہ کا حل نہیں نکالا جاسکتا، طلاق کا غلط اور بے جا استعمال تو لاعلمی اور بے علمی کا نتیجہ ہے، جس کے واسطہ دوسرے مناسب اقدام کئے جاسکتے ہیں اس صورت کو اپنا لینے میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کا ختم کرنا اور طلاق کے معاملہ کو دشوار بنانا ہوگا، اس لئے مناسب ہے کہ طلاق کے باب

میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کو برقرار رکھا جائے، احقر کی اس سلسلہ میں یہی رائے ہے جو وقت کا تقاضا اور مصلحت بھی ہے۔

نوٹ: خیال جو ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ دو صورتیں داخل نہیں ہیں:

ایک عورت کے ہوتے ہوئے شوہر کا دوسری شادی کرنا، ایک مجلس میں عورت کو تین طلاق دینا، جو غیر مشروع اقدام ہے، ان دونوں میں مہر کی زیادتی کرنا مذکورہ مقصد کے تحت بالکل درست اقدام ہے، حالات اور مصلحت کے عین مطابق ہے، ان دونوں صورتوں میں شوہر کو کوئی حرج بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ ضرورت کے تحت طلاق دے کر شوہر اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ غیر مشروع طلاق کے طریقہ کو اپنائے؟ جو طریقہ شریعت نے مشروع قرار دیا ہے اس کے ذریعہ شوہر اپنے مقصد کو پورا کر سکتا ہے، اسی طریقہ سے دوسری شادی کرنا مستطیع ہونے کو بتلا رہی ہے، اگر مالی اعتبار سے استطاعت نہیں رکھتا تو کیسے دوسری شادی کی طرف قدم بڑھاتا؟ لہذا ان دونوں صورتوں میں وہ علت نہیں پائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے مصلحت کے خلاف اس اقدام کو قرار دیا گیا تھا۔

مہر کی کمی اور زیادتی کو طلاق پر معلق کرنا

مولانا محمد عاقل قاسمی

اگر عورت بوقت عقد نکاح اس طرح کی شرط لگائے کہ میں اس شرط پر نکاح کروں گی کہ اگر مجھے طلاق دی تو میرا مہر بیس ہزار ہوگا، اور بصورت دیگر دس ہزار ہوگا، ایسی شرط عورت لگاسکتی ہے، اس بارے میں سوال نامہ میں مذکور جزئیہ اور اس کے علاوہ بہت سے جزئیات سے رہنمائی ملتی ہے، سوال نامہ میں مذکور جزئیہ یہ ہے کہ:

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا، اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو دو ہزار ہوگا، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو، امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں درست وصحیح قرار پاتی ہیں اور ہر دو صورت میں ذکر کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح اور ایک جزئیہ ہے، کہ اگر عورت بوقت عقد نکاح یہ شرط لگائے کہ اگر شوہر کی پہلے سے کوئی عورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا، اور اگر شوہر کی کوئی عورت نہیں ہے تو مہر ایک

ہزار ہوگا، اس میں بھی امام صاحبؒ اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو پہلے جزئیہ میں ہے (مبسوط للسرخسی ۵/۹۰ طبع دار المعرفہ، خانیہ ۱/۳۷۸)۔

مذکورہ جزئیات میں فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہونا چاہئے، کیونکہ تسمیہ کسی عقد میں ایک ہی ہوتا ہے، دو تسمیہ نہیں ہوتے، اگر دو تسمیہ ہوں تو دونوں میں تصادم ہوگا، نیز امام صاحبؒ کے قول سے عدول اسی وقت کیا جا سکتا ہے، جبکہ کوئی ضرورت ہو، یا امام صاحبؒ کی دلیل ضعیف ہو، دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی یہاں نہیں ہے، نہ ہی ضرورت ہے، کیونکہ اس ضرورت سے نمٹنے کے لئے دوسری قیدیں بڑھائی جا سکتی ہیں، جیسا کہ اس سے قبل گذرا اور نہ ہی امام صاحبؒ کی دلیل ضعیف ہے، جس سے اعراض کی گنجائش ہو۔

نیز قاضی خاںؒ کا طریقہ ہے کہ وہ راجح قول کو مقدم بیان کرتے ہیں، انہوں نے امام صاحبؒ کے قول کو مقدم بیان کیا ہے اسی کو ترجیح دی ہے ان کے علاوہ فقہاء نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے، لہذا فتوی امام صاحبؒ ہی کے قول پر ہوگا، بصورت دیگر، یعنی اگر فتوی صاحبین کے قول پر ہو تو اس کا دروازہ کھل جائے گا کہ ہر شخص ایک بڑی مقدار میں مہر باندھنے لگے گا، جس کے نتیجہ میں شوہر طلاق کی اشد ضرورت کے وقت بھی اپنا حق استعمال نہ کر سکے گا، جبکہ شریعت نے طلاق کو اسی لئے مباح قرار دیا ہے کہ اگر نباہ کو کوئی صورت نہ رہے تو حسن خوبی کے ساتھ طلاق دے کر اجیرن زندگی سے نجات حاصل کر سکے، ورنہ مرد جنہیں اللہ تعالی نے عورتوں کا حاکم بنایا ہے انہیں عورتوں کا غلام بن کر رہنا پڑے گا، اوران کا حق تلف ہو کر رہ جائے گا۔

بوقت نکاح مہر کی کمی وبیشی کو دوسری عورت سے نکاح کرنے نہ کرنے پر معلق کرنا

اگر بوقت عقد نکاح عورت مرد پر یہ شرط لگائے کہ اگر میرے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر کسی د دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر دس ہزار ہوگا، یا اس جیسی اور کوئی شرط لگانا، اس میں وہی اختلاف ہے جو ماقبل میں گزرا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں

متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں (یعنی جب شرط پوری نہ کرے) تو ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ دوسری صورت پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ مہر مثل مسمی سے متجاوز نہ ہو اور اقل سے کم نہ ہو، اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔

یہ گفتگو تسمیہ کے متعلق تھی جہاں تک فی نفسہ اس شرط کی بات ہے تو یہ شرط لگانا شرط فاسد ہے جس سے نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایسی شرطوں کو شوہر کے ذمہ پورا کرنا ضروری ہے" **والنکاح لایبطل بالشرورط الفاسدة**" (مبسوط للسرخسی ۹۵/۵)۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

"**وقال ما شرط الزوج من طلاق المرأة وترک خروج من البلد لایلزمه فی الحکم، لأن ذلک وعد وعدلها فلا یکلف به**" (بدائع الصنائع ۲۸۵/۲)۔

لہذا شوہر کے ذمہ مذکورہ شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں، کیوں کہ یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرطوں کا حکم جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، ماقبل میں بالتفصیل گذر چکا

لہذا اگر شوہر اپنا اخلاقی فریضہ انجام دیتے ہوئے اگر عورت کی شرط پوری کردے تو پہلا مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا، بشرطیکہ اقل مسمی سے کم اور اکثر سے متجاوز نہ ہو (خانیہ ۳۷۸/۱)۔

(۳) بوقت عقد نکاح عورت کا سابقہ وابستہ ملازمت سے یا آئندہ ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا اور شوہر کا قبول کرنا، تو کیا ایسی شرط کی پابندی ضروری ہے؟ اور کیا عدم پابندی کی صورت میں عورت کے لئے شوہر کی تعمیل حکم ضروری ہے؟ عورت کے لغوی معنی ہیں چھپی ہوئی چیز، عورت کو عورت اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پوشیدہ رہنے کی چیز ہے، عورت کی مثال ایک ایسے گلاب کے پھول کی طرح ہے کہ جو ایک عام شاہراہ پر رکھا ہوا ہو اور ہر ایک اس کو چھوئے تو یقیناً وہ مرجھا جائے گا اور اس کی رنگت باقی نہیں رہے گی۔

انسداد طلاق کے لئے مہر میں اضافہ

مولانا احتکام الحق قاسمی

یہ حقیقت ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، جن سے معاشرہ تباہ وبرباد ہورہا ہے، لہذا اس کے بے جا استعمال سے بچنے اور غلط استعمال کو روکنے کے لئے سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کی قباحت سے آشنا کرایا جائے، تین طلاق سے روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کرنا مناسب نہیں، کیونکہ بعض دفعہ عورت کو طلاق دینا ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کو دیکھ کر وہ طلاق دینے سے عاجز رہتا ہے، نتیجہ عورت کالمعلقہ ہوکر رہ جاتی ہے، اگرچہ نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار، درست ہے، اور شرط کی جو بھی صورت پائی جائے گی وہی مہر لازم ہوگا، بس فرق یہ کہ امام اعظمؒ کے نزدیک شرط اول کی ایفاء کی صورت میں مہر مسمی لازم آئے گا اور عدم ایفاء، یعنی طلاق دے دینے کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم آئے گا، یعنی طلاق دینے کی صورت میں بیس ہزار اور نہ دینے کی صورت میں دس ہزار۔

صاحبین کے قول پر فتوی:

اس مسئلہ (مسئلہ مذکورہ) میں گرچہ فتوی امام صاحبؒ کے قول پر ہے اور دوسری شرط صحیح نہیں ہے، لیکن بوقت حاجت وضرورت صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس جگہ بھی اگر طلاق کے واقعات کو روکنے اور اس کے غلط اور بے جا استعمال کے سد باب کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ضرورت کے تحت صاحبین کے قول پر فتوی دینے کو جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: رسم المفتی / ۱۸)۔

فقہاء کی صراحت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ میں سے کسی کے قول پر عمل کیا جائے تو وہ حقیقۃً امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرنا شمار ہوگا، اس سے عدول نہیں سمجھا جائے گا، اس اعتبار سے بھی صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا (رسم المفتی: ۱۶)۔

اسی طرح ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ اگر نکاح کرتے وقت اس طرح کا مہر طے ہو کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار ہوگا، اس مسئلہ میں بھی اگر چہ فتوی امام صاحبؒ کے قول پر ہے اور شرط اول صحیح اور شرط ثانی باطل ہے، لیکن حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس طرح کا مہر طے کرنا میرے خیال میں صحیح ودرست ہوگا، اور دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی، اس لئے کہ بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے، یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو اس سلسلہ میں حضرات صاحبین نے دونون شرطوں کو صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی تزوج کی شرط پر مہر متعین کرنے کو بھی صحیح قرار دیا جائے گا (دیکھئے: ہدایہ ۲ / ۳۲۹)۔

بیوی کی طرف سے عقد نکاح میں ملازمت کی شرط

مولانا معین الدین قاسمی

عورت کا ملازمت کے سلسلہ میں باہر نکلنا:

آج کل ترقی یافتہ دور میں جہاں مردوں کے لئے اعلی تعلیم کا رواج عروج پر ہے، وہیں ہمارے مسلم معاشرہ کی عورتوں میں بھی ہر طرح کی اعلی تعلیم کا رواج دن بدن ترقی پر ہے، چنانچہ حصول تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے بھی وابستہ ہوجاتی ہیں اور حکومت بھی عورتوں کی ملازمت پر دھیان دیتی ہے اور اسے ملازمت سے وابستہ کرتی اور جوڑتی ہے، ایسی صورت میں ایک امر یہ ہے کہ جب عورتوں کو اپنے آپ ملازمت ملے گی تو وہ سب اپنی ملازمتوں پر جائیں گی، اور شریعت کے اندر عورتوں کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نکلنا جائز و درست نہیں، لیکن اگر عورت بوقت نکاح عقد ہی کو اس شرط کے ساتھ طے کر لے کہ میں نکاح کرتی ہوں اس شرط کے ساتھ کہ مجھے وہ لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول کرے تو شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی جو آئندہ ہونے والی ملازمت ہو اس سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اس لئے کہ یہ شرط شرط فاسد ہے جس کا ایفاء لازم نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ

اخراج من البلد کے سلسلہ میں ہے کہ اگر شرط پوری کرے، ورنہ کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے (مجلۃ الفقہ الإسلامی ۷/ ۵۴)۔

اس کے علاوہ فقہاء کرام کے اقوال وصراحتات سے بھی یہ فیصلہ سامنے آتا ہے کہ شوہر پر اس شرط کے قبول کرنے کے باوجود اس کی پابندی ضروری نہیں، نیز شوہر اگر بیوی کو روکے تو اس پر اس کی تعمیل ضروری ہوجائے گا، اور عدم تعمیل کی صورت میں گنہگار ہوگی (فتح القدیر ۵/ ۳۸۵)۔

اسی طرح شامی کے اندر علامہ ابن عابدینؒ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ شوہر بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کرسکتا ہے جن سے اس کے حق میں ضرر بالنقص پیدا ہوتا ہے، جس کے کرنے کی صورت میں بیوی کو شوہر کے گھر سے باہر نکلنا لازم آئے گا (ردالمحتار ۳/ ۶۰۳)۔

قرآنی آیات اور احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ عورت بغیر پردے کے باہر نکلے، اور اب رہی ملازمت کی اور تعلیم کی بات، اس کے متعلق احقر کی یہی رائے ہے کہ عورت تو پردہ میں رہنے والی ہے اور اس کے لئے ہر حالت میں پردہ ضروری ہے اور اسلامی معاشرہ میں بھی اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اگر کوئی عورت ملازمت کرتی ہے اور اس میں کوئی ضرر اس کو محسوس نہیں ہو رہا ہے اور حجاب کا معقول انتظام ہو تو ملازمت کرسکتی ہے اور تعلیم کے غرض سے باہر نکل رہی ہے اور اس میں پردہ کا انتظام ہے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر اس کے باہر نکلنے میں اندیشہ ضرر ہے اور پردے کا معقول انتظام نہیں ہے تو وہ باہر نہیں نکل سکتی ہے اور ایسی حالت میں تعلیم کے غرض سے بھی نہیں نکل سکتی ہے، اور ان کو شوہر روک بھی سکتا ہے، اس کے روکنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے، یہاں پر ایفاء شرط ضروری نہیں ہے، اگرچہ شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا عقد نکاح کے وقت، ان کے شوہر کو جہاں پر ضرر ہوگا، تو وہ بلا تامل اپنی بیوی کو ایسی ملازمت اور ایسی تعلیم سے روک سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پردے کے متعلق قرآن میں فرمایا۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

مولانا سمیع اللہ قاسمی

۳- ملازمت کرنے والی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے، تو اس طرح کی شرطیں شرعاً جائز اور درست ہیں، اور ان کو تیسری قسم کی شرائط میں شمار کیا جائے گا، اس سلسلہ میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی خاتون کوئی ملازمت کرے یا صنعت وحرفت میں اپنے کو مشغول رکھے، دن کو مشغول رکھے اور رات کو گھر میں حاضر رہے، یا اس کا الٹا کرتی ہے، ان تمام صورتوں میں شوہر کو سپردگی کامل نہیں ہے اس لئے عورت کا ان پیشوں میں مشغول رہنا اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، مثلاً ڈاکٹر ہے یا نرس ہے یا استانی ہے جائز نہیں ہے، شوہر اس سے روک سکتا ہے، ہاں اگر وہ شوہر کی رضامندی سے ان کاموں میں مشغول ہے تو شوہر اس ناقص سپردگی کو خود قبول کرلیا ہے، اس وجہ سے اس طرح کی شرطیں جائز اور درست ہیں ۔

لیکن اس ذیل میں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ اگر شوہر نے اس شرط کو قبول کر کے ایک بار اجازت دیدی ہے تو یہ اجازت دائمی نہیں ہوگی، بلکہ شوہر کو بعد میں روکنے کا اختیار ہوگا، اور عورت پر اس حکم کی پابندی ضروری ہے، ورنہ شوہر پر اس کا نفقہ لازم نہیں ہوگا اسی طرح اگر کسی

شخص نے یہ جان کر بھی کہ اس کی ہونے والی بیوی کہیں ملازمت کرتی ہے، اس کے ساتھ نکاح کیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس کی ملازمت کرنے پر راضی ہے اور اس کا نفقہ برقرار رہے گا، پھر اگر وہ اسے شادی کے بعد روک دے اور عورت اس حکم کی تعمیل نہیں کرتی ہے تو منع کرنے کے بعد کی مدت میں بصورت عدم تعمیل وہ مستحق نفقہ نہیں ہوگی۔

اگر عورت اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہے اور دن کو گھر میں حاضر رہتی ہے یا اس کے برعکس کرتی ہے، تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اور مجتبیٰ میں ہے اسی سے اس کا بھی جواب سمجھ میں آجاتا ہے جو ہمارے زمانے میں واقع ہے کہ اگر ملازمت یا کسی طرح کا پیشہ اختیار کرنے والی سے شادی کرتا ہے جو کہ رات کو حاضر رہتی ہے اور دن کو اپنے پیشہ میں مشغول رہتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔

اب ان عبارتوں سے مسئلہ کا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ ایسی شرطیں لگانا شرعاً جائز اور درست نہیں، لیکن شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے، اس وجہ کہ شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت سے روک سکتا ہے تو عورت کے لئے اس حکم کی تعمیل لازم اور ضروری ہے، اور اگر اس سے باز نہیں آتی ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتی ہے تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

نکاح میں شرط ملازمت اور اس کا حکم

مولانا محمد منصور عالم قاسمی

آج کل عورتوں میں ہر طرح کی اعلی تعلیم کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جد وجہد میں لگی ہوتی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے، تو اس شرط کی پابندی شوہر کے لئے ضروری نہیں ہے، اور یہ شرط شرعاً درست نہیں ہے، اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے، تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری اور لازمی ہے، فقہاء کرام نے فرمایا کہ شوہر عورت کو سوت کاتنے سے روک سکتا ہے، نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں رکھ سکتی ہے، صرف غزل کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ شوہر ہر ایسے اعمال سے بیوی کو منع کرے گا جو اعمال کسب کا مقتضی ہو، وجہ ممانعت یہ ہے کہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر لازم ہے، پھر کمانے کی کیا وجہ اور ضرورت ہے؟ اسی طرح کسی غیر کے لئے بھی کوئی عمل نہیں کرے گی (البحر الرائق ۴/۱۹۶)۔

شوہر بیوی کو ہر اس چیز سے روک سکتا ہے جو اس کے اور اس کی بیوی کے حق میں خلل واقع ہو، چنانچہ بیوی کے پاس پہلے شوہر کا بچہ ہے اور بیوی اس بچہ کو دودھ پلانا چاہتی ہے، اور

تربیت کرنا چاہتی ہے تو شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دودھ پلانے سے روک دے، کیونکہ دودھ پلانے میں اور جاگنے میں تھکے گی، اور یہ تھکنا اور جگنا حسن کو کم کرے گا جو شوہر کا حق ہے، غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ شریعت نے حقوق زوج کا کتنا خیال رکھا ہے، اگر بیوی ملازمت کے لئے نکلے گی تو یقینی بات ہے کہ پورے دن کی تھکی ماندی رہے گی، جب شام میں آئے گی تو اپنے آرام وسکون کے فکر میں رہے گی، شوہر کا کیا خیال رکھے گی؟ بچے کی بھی صحیح تربیت نہیں کر سکے گی، گھر کا نظام بھی درست نہ رکھ سکے گی، جو عورت کا فریضہ ہے (البحر الرائق ۴/ ۱۹۵)۔

حضرات فقہاء کرام نے عورتوں کو باہر نکلنے کے حدود بیان فرمائے ہیں کہ عورتیں شوہر کی اجازت سے کن کن صورتوں میں باہر نکل سکتی ہیں اور اس کے مواقع کیا ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: شوہر بیوی کو سات جگہوں میں باہر نکلنے کی اجازت دے گا، والدین کی زیارت وملاقات ان دونوں کی عیادت وتعزیت، یا ان میں سے ایک کسی کی عیادت وتعزیت اور محارم کی تعزیت وزیارت، عورت اپنے حق کے لئے جو کسی دوسرے پر ہو اور حج کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے بھی نکل سکتی ہے، ولیمہ میں شرکت کے لئے شوہر بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دے گا، اور نہ بیوی باہر نکل سکتی ہے، اگر شوہر نے بیوی کو باہر نکلنے کی جازت دیدی اور بیوی نکل گئی تو دونوں گناہ گار ہوں گے، جن صورتوں میں عورتیں باہر نکل سکتی ہیں ان صورتوں میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا ہے کہ بیوی ملازمت کے لئے باہر نکل سکتی ہے، اگر عورتوں کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز اور مناسب ہوتا تو ضرور فقہاء کرام ذکر فرماتے، لیکن کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کا بغرض ملازمت باہر نکلنا درست اور مناسب نہیں ہے، ولیمہ جو سنت نبوی ہے اور دعوت قبول کرنا سنت ہے، لیکن اس میں عورتوں کی شرکت ممنوع ہے، وجہ ممانعت میرے خیال میں ابتلاء فتنہ اور معصیت ہے، جب سنت نبوی میں شرکت فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع ہے، تو ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے جب کہ بیوی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا نفقہ شوہر پر لازم اور واجب ہے (البحر الرائق ۴/ ۲۱۲)۔

اگر کوئی عورت اپنے نفس کو دن میں شوہر کے حوالہ کرے، لیکن رات میں حوالہ نہ کرے، یا اس کے برعکس، تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہے، اس لئے کہ تسلیم نفس ناقص ہے، اس سے اس پیشہ ور عورت کا حکم معلوم ہوا، جو دن کا اکثر حصہ کارخانہ میں گزارے، اور رات شوہر کے ساتھ، تو اس صورت میں بھی عورت نفقہ کی مستحق نہیں رہتی ہے، اس سے پتہ چلا کہ عورت کے لئے تسلیم نفس کامل طور پر ضروری ہے، ملازمت کی صورت میں ظاہر ہے کہ نفس کی تسلیم کامل نہیں ہوگی، جو شوہر کا حق ہے، اس لئے عورت بغرض ملازمت باہر نہیں نکل سکتی ہے (البحر الرائق ۴/ ۱۹۵)۔

اس آیت میں پردہ کے متعلق اصلی حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں (یعنی بلاضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں) اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھریں۔

اس آیت سے پردہ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں: اول یہ ہے کہ اصل مطلوب عند اللہ عورتوں کے لئے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لئے ہوئی ہے، ان میں مشغول رہیں اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ حجاب بالبیوت ہے، اگرچہ ضرورت کے وقت باہر نکلنے کی اجازت ہے، لیکن عورت کا ملازمت کے لئے شوہر کے موجود ہوتے ہوئے باہر نکلنا درست نہیں، ضرورت کہتے ہیں جس کے بغیر ضرر ہو ظاہر ہے کہ عورتوں کو نہ نکلنے میں ضرر نہیں ہے۔

پردہ سے متعلق تمام آیات واحادیث کا اصل مطلوب شرعی حجاب ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نگرانی میں مستور ہو، ملازمت کی صورت میں اس حکم پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہے، غور فرمائیں جس شریعت نے نماز جیسی اہم عبادت کو مردوں کے ساتھ مسجد میں ابتلاء فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع قرار دیا، وہ شریعت عورتوں کو ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟

''سنن ترمذی'' میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إذا خرجت المراة استشرفها الشيطان'' (عورت جب گھر سے نکلتی

ہے، تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے) (یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بنا تا ہے)
اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

"وأقرب ماتكون من وجه ربها وطی فی قعر بيتها"

(یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں، باہر نہ نکلیں، اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ليس للنساء نصيب فی الخروج الا مضطرة"

(یعنی عورتوں کا باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں سواء اس کے کہ گھر سے باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آئے)۔

اس حدیث میں اضطرار کی صورت میں نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، غور کیجئے کیا ملازمت کے لئے عورتوں کا باہر نکلنا اضطرار ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں شوہر کے موجود ہوتے ہوئے گھر سے باہر ملازمت کے لئے نہ نکلیں، خصوصاً یہ زمانہ پرفتن ہے جس میں ابتلاء معصیت وفتنہ وفساد کا عموم ہے، اس لئے وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے بلاضرورت عورتوں کو ملازمت کی اجازت نہ دی جائے۔

خواتین کی طرف سے شرط ملازمت

مولانا محمد نظام الدین قاسمی

تعلیم و تعلم کا دروازہ ہر دور میں اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں پر بھی کھلا رکھا ہے، بلکہ ضروریات دین کے بقدر تحصیل علم کو فرض قرار دیا گیا ہے، عہد رسالت میں اس کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی، حضور ﷺ نے خواتین کی تعلیم کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا، جس کے نتیجہ میں عورتوں نے علم کے میدان میں اپنا ایک خاص مقام بنالیا تھا، اور اکثر مردوں کو عورتوں کی طرف مسائل کے سلسلہ میں رجوع کرنا پڑتا تھا، تابعین کے دور میں بھی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو عہدہ قضاء وافتاء سے لے کر طب اور صنعت کے فن تک سے واقف تھیں، لہذا اس دور میں بھی اگر خواتین علم کا حصول شریعت کے حدود میں رہ کر کریں تو جائز ہی نہیں، بلکہ بہتر قدم ہوگا، جس کی وجہ سے عورتوں کو عورتوں سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی اور سہولت ہوگی۔

اگر بیوی نے شوہر سے یہ شرط لگائی کہ اس کو لگی ہوئی ملازمت سے یا آئندہ متوقع ملازمت سے نہیں روکے گا، تو اگر یہ شرط اسلام کے موافق ہوگی، مثلاً پردہ کا اہتمام ہو، باہر نکلنے کے لئے شوہر کی اجازت ہو، جو مرد کا عورت پر ازدواجی حق ہے، غیر محرم اور اجنبی مردوں سے اختلاط اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی بیوی سے مروی ہے کہ وہ اپنی کمائی سے اپنے شوہر اور

اپنے اہل وعیال کی کفالت کرتی تھیں (طبقات ابن سعد ۸/ ۲۱۲)۔

تاہم شریعت نے عورت پر مرد کا یہ حق رکھا ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے اور شریعت کا منشاء بھی یہی ہے کہ عورتیں گھر ہی کو اپنی محنت کا میدان بنائیں، اس لئے یہ شرط واجب الایفاء نہ ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"بخلاف ما لو شرط شرطا فاسدا كما لوتزوجته على أن لايطأها فإنه يصح النكاح ويفسد الشرط" (ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۱۳۱ (کراچی)۔

مناقشه

مناقشہ:

(ذیلی کمیٹی کی مجوزہ تجویز)

قانون فطرت سے مطابقت مصالح انسانی کی پوری پوری رعایت، توازن واعتدال، عدل وصلاحیت اور اہلیت کے مطابق حقوق واجبات کا متعین کرنا، شریعت اسلامی کی نمایاں خصوصیت اور اس کا اولین امتیاز ہے، اسلام کے عائلی قوانین بھی اسی خصوصیات کے حامل ہیں اور انسان کی سماجی ضروریات اور مصالح کی پوری طرح تکمیل اور معاشرتی مشکلات اور دشواریوں کا نہایت متوازن حل پیش کرتے ہیں، مگر افسوس کہ احکام شریعت سے ناآگاہی اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی، دوسری اقوام کی بعض رسوم سے تاثر اور خصوصیت سے نظام قسط کے فقدان کے باعث ہمارے معاشرے میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہورہی ہیں، جن کو ہمیں شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے حل کرنا ہے، اس پس منظر میں نکاح کے ساتھ عورت کو حق طلاق کی تفویض اور مہر کے بعض مسائل کی بابت غور کیا گیا اور درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگانا جن کو شریعت نے واجب ولازم قرار نہیں دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، بلکہ ایسی شرطوں کے ذریعہ مرد اپنے بعض حقوق سے باز آجاتا ہے، ایسی شرطیں معتبر نہیں۔

۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کو ہی مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں، اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط لگانا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں، یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو تو غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جہیز تلک کی

شرط لگانا، دوسری موجودہ بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگانا، ایسی شرطیں معتبر نہیں۔

۳-اسلام نے انسانی فطرت، ضرورت اور مختلف مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعدد ازدواج کی اجازت دی، لیکن زوجہ کے درمیان عدل کو واجب قرار دیا اور اگر عدل نہ کرنے کا خطرہ ہوتو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کا حکم دیا گیا، موجودہ صورتحال یہ ہے کہ اکثر اوقات تعدد ازدواج کی صورت میں زوجہ کے درمیان عدل نہیں کیا جاتا ہے، دوسری طرف مغرب کی تقلید میں تعدد ازدواج کو مطلقاً ممنوع قرار دئے جانے کے لئے قانون سازی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ خود بسا اوقات فتنہ کا موجب ہوتا ہے، یہ صورت حال کہ ضرورت کے وقت بھی تعدد ازدواج ممنوع اور دوسری طرف تعدد ازدواج کی صورت میں عدل کا فقدان اور معاشرہ میں عورتوں پر ظلم کا رواج ہوجائے شرعاً قابل قبول نہیں، اس پس منظر میں اکیڈمی کا یہ سمینار طے کرتا ہے کہ نکاح کے وقت مصالح ومقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ شوہر نکاح ثانی کی ضرورت محسوس کرنے پر دار القضاء یا کسی مستند یا متعین ادارہ کے سامنے اپنی ضرورت پیش کر کے نکاح ثانی کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح ثانی کرے، ایسی صورت میں شوہر پر اس شرط کا پورا کرنا واجب ہوگا۔

۴-شریعت نے طلاق کا اختیار انسان کی فطری صلاحیت اور معاشرتی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے مرد کو دیا ہے، جو عقل وفطرت کا عین تقاضا ہے، تاہم مرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود زوجہ کو یا کسی تیسرے شخص کو طلاق کا مالک بنا سکتا ہے، ایسی صورت میں اس عورت کو اپنے آپ پر یا اس تیسرے شخص کو عورت پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اس تیسرے شخص کے طلاق واقع کرنے سے قبل مرد کا حق سلب نہیں ہوگا، بلکہ وہ خود بھی اس حق کے استعمال کا مجاز ہوگا

۵-عورت کو تفویض طلاق کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف- نکاح سے پہلے ہی تفویض طلاق کی جائے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا جائے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو فلاں فلاں

شرطوں کے ساتھ اپنے آپ پر اتنی طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

ب- نکاح کے وقت تفویض طلاق کی جائے، اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی شرط عورت یا اس کے ولی کی طرف سے پیش ہو اور مرد قبول عقد کے وقت اس شرط کو بھی قبول کرے۔

ج- نکاح کے بعد بھی تفویض طلاق ہوسکتی ہے۔

د- تفویض طلاق کے ذریعہ چونکہ عورت اپنے طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے یہ مسئلہ بہت نازک ہے، اور اندیشہ ہے کہ اگر تفویض کو غیر مشروط رکھا جائے تو اس حق کا غلط استعمال ہونے لگے، اس لئے اس کے ساتھ ایسی قیدیں بھی لگا دی جائیں کہ اس کا شرعی ومعاشرتی مصالح کے مطابق استعمال کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب ہوگا کہ دار القضاء یا اصلاح بین المسلمین کا کام انجام دینے والے کسی ادارے سے تصدیق کی جائے کہ شوہر نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے، اور وہ تفریق کو مناسب سمجھتا ہے، اس کے بعد ہی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور اگر وہاں کوئی ایسا ادارہ موجود نہ ہو تو چند بابصیرت متدین اور احکام دینی سے واقف افراد کے نام بھی لکھے جاسکتے ہیں جو شوہر کی جانب سے زیادتی اور حقوق زوجیت سے غفلت محسوس کریں تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

ھ- تفویض طلاق میں تین طلاق بطریق سنت، یا ایک طلاق بائن کا حق تفویض کیا جائے، کیونکہ ایک دفعہ تین طلاقوں کا واقع کرنا طلاق بدعت اور سخت گناہ ہے۔

۶- طلاق کے واقعات کو کم کرنے اور اس کے بے جا استعمال سے بچانے کے لئے بہتر ہے کہ جہاں دار القضاء یا کوئی دوسرا معتبر ادارہ موجود ہو، وہاں تفویض طلاق عورت کے بجائے اسی ادارہ کو کیا جائے کہ اگر زوجین کے بابت وہ محسوس کرے کہ ان میں تفریق بہتر ہے تو وہ عورت پر ایک طلاق بائن واقع کردے۔

۷-اگر کسی معاملہ میں مرد کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو تو یہ درست ہے کہ نکاح کی دوصورتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار متعین کی جائے۔

مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں خاتون کا مہر بیس ہزار ہوگا، اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا، یا اس منکوحہ کو طلاق دے دی، اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار ہوگا، ایسی صورت میں یہ شرط معتبر ہوگی، اور اگر مرد نے دوسرا نکاح کیا یا اس منکوحہ کو طلاق دے دیا تو مہر بیس ہزار روپے دینے ہوں گے، ورنہ دس ہزار ہی واجب ہوگا، تاہم بہتر ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگانے کے بجائے یہ قید لگادی جائے کہ اگر مرد نے دار القضاء یا فلاں ادارہ یا اشخاص کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کیا، یا طلاق دی تو بیس ہزار واجب ہوگا ورنہ دس ہزار، ایسی صورت میں اگر متذکرہ ادارہ یا شخص نے مصالح شرعی کے تحت محسوس کیا کہ واقعی اس کو دوسرے نکاح کی ضرورت ہے، یا اس کے لئے طلاق دینے کے سوا چارہ نہیں اور اجازت دے دی تو مہر مقررہ، مثلاً دس ہزار روپے ہی بطور مہر واجب ہوں گے۔

۸-اگر زوجین میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو شریعت نے تحکیم وثالثی کا اصول مقرر فرمایا ہے، تا کہ زوجین کے درمیان ممکنہ حد تک موافقت ومصالح کی راہ نکالی جاسکے، اور اگر دونوں کا معروف طریقہ پر ایک ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو تفریق کا راستہ اختیار کیا جائے۔

مولانا سید نظام الدین:

اس وقت جو حالات ہمارے سامنے ہیں اس کے تحت نکاح نامہ میں شرائط اور تفویض طلاق کا درج کیا جانا بالکل مناسب نہیں ہے، کیونکہ ایک تو آجکل یونہی رشتے نہیں ملتے اور پھر ان شرطوں کے ساتھ کون نکاح کرنے پر آمادہ ہوگا، پھر نکاح کا جو ماحول ہوتا ہے وہ عام طور پر خوشگوار ماحول ہوتا ہے، اعتماد وانس کا ماحول ہوتا ہے، اس موقع پر تفویض طلاق کی بات کرنے سے باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی، اس سے مجھے اختلاف نہیں کہ شرعاً تفویض طلاق کی گنجائش ہے، لیکن نکاح کے وقت تفویض طلاق کو لکھا جانا نہ ضروری ہے نہ مناسب، بلکہ یہ مقاصد شریعت کے

بھی خلاف بھی ہے اس سے طلاق کم ہونے کے بجائے بڑھے گی، اور مردوں کی طرف سے ہونے کے بجائے عورتوں کی طرف سے زیادہ طلاق ہوگی، اس لئے آپ میرے اختلاف کو نوٹ کرلیں، میں اس کا قطعاً حامی نہیں ہوں کہ نکاح نامہ میں یا عقد نکاح کے وقت عورت کو مرد کی طرف سے یہ اختیار دیا جائے۔

قاضی صاحب:

مسئلہ یہاں شرعی نقطہ نظر سے زیر بحث ہے، اور شرعاً غور کرنا ہے کہ اگر عورت یہ کہتی ہے کہ میں آپ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ فلاں فلاں حالات میں مجھے حق ہوگا کہ میں اپنے نفس پر طلاق دیدوں، یا قاضی یا برادری کا سردار مطمئن ہوجائے کہ مجھ پر زیادتی ہوتی ہے تو میں اپنے آپ پر طلاق واقع کرلوں اور مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہوگی یا نہیں؟

مولانا محمد رضوان القاسمی:

میں اس موقع پر سب سے پہلی بات یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ اہل علم واہل افتاء حضرات کا معزز مجمع ہے، اور اس میں کوئی ایسا فیصلہ نہ ہونا چاہئے جو ہندوستان کے موجودہ حالات میں بہت سارے فتنے کا موجب بنے، اگر تفویض وغیرہ کے مسئلے کو اگر نکاح نامے میں داخل کردیا گیا، اور یہ بھی احساس ہے میرا کہ یہ چیز جو آئیں گی وہ دراصل اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی وہ گویا ارون شوری وغیرہ مسلمانوں کے بارے میں جو لکھتے آرہے ہیں ہم اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوگئے ہیں اور اس پر پیگنڈہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہم نے یہ تمام جزئیات اور تفصیلات بیان کی ہیں، ظاہر بات ہے آپ حضرات مالی دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ نکاح سب سے بابرکت وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو، مالی دشواریاں اور دقتیں نہ ہوں، لیکن ایسا نکاح جس میں ہم شرط لگائیں ذہنی طور پر بہت بار کا باعث ہوگا، تو ایسا نکاح بھی کسی طرح مطلوب ہوسکتا ہے؟ تو میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جیسے مغربی ممالک نے مسلمانوں

کے خلاف یا اسلامی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہے، اس میں بہت حد تک اس کو تقویت پہنچانے والے اجزاء موجودہ ہیں، میرا اپنا احساس یہ ہے کہ اگر تفویض کی کوئی بات آتی ہے چاہے جو بھی اس کی صورت ہو، طلاق کی شرح بڑھ جائے گی، معاشرہ سدھرے گا نہیں، بلکہ بگاڑ کی طرف چلا جائے گا، اصلاح نہ ہوگی، بلکہ اور فساد کا دروازہ کھل جائے گا، اس لئے ہمیں دیکھنا ہے ،اوران حالات کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ تو وہی ہے، ابھی بھی طلاق کی شرح پوری دنیا میں مسلمانوں میں سب سے کم ہے۔

ہاں دار القضاء کے مسئلہ کو بڑھایا جائے، تحکیم کی جو صورت ہوسکتی ہے اس کو اور اس جذبے کو آگے بڑھایا جائے، میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ کہ اشتراط ہو، لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے، اس لئے اگر عورت نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کرسکتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے، بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے۔

قاضی صاحب:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ امتیاز اور اعزاز ہے کہ اس نے اختلاف رائے کو ہمیشہ برداشت کیا ہے، سنا ہے اور گوارا کیا ہے، اور اسی سے اس کا یہ امتیاز باقی ہے۔

مولانا سید نظام الدین:

دوسری بات جو ایک سے زیادہ شادی سے متعلق کہی گئی ہے اس پر بھی غور کرنا چاہئے، شریعت نے ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا ہے، اگر کسی نے غلط طریقہ پر دوسری شادی کی ہے تو اس کی سزا آپ کیا مقرر کرسکتے ہیں؟ سماج اس کو کیا سزا دے سکتا ہے؟ اور اس پر کیسے کیسے روک لگا سکتی ہے؟ وہ تو ضرور کیجئے، لیکن فقہی نقطۂ نظر سے محض جواز کی وجہ سے محض دس ہزار یا بیس ہزار مہر دینا مسئلہ کا حل نہیں ہے یہ تو کچھ نہیں شوہر پچاس ہزار دے سکتا ہے، لیکن کیا اس سے عدل قائم ہو جائے گا؟

ہاں تحکیم کی جو بات کہی گئی ہے وہ سارے مسئلے کا حل ہے کہ آئندہ زوجین میں کبھی کوئی اختلاف ہوا تو اس میں نہ لڑکی عجلت کرے گی اور نہ لڑکا عجلت کرے گا، بلکہ یہ قرآن کے حکم کے مطابق اپنے اپنے خاندان سے حکمیں منتخب کریں گے اور اگر اپنے اہل خاندان میں حکم نہ ہوں تو دار القضاء یا علماء جو مستند ہوں ان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی اقدام کریں گے یہ ضرور لکھا جانا چاہئے، کیونکہ اس کی اجازت شریعت نے آپ کو دی ہے اور حل قرار دیا، اس کی میں تائید کرتا ہوں۔

کوئی خاتون:

طلاق کا مسئلہ ہو یا وراثت کا یا خلع کا، میرے خیال میں ضروری چیز یہ ہے کہ لوگوں کو (Educate) کیا جائے، ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی جائے کہ یہ غلط ہے یہ صحیح ہے، اس وقت یہ معاشرہ سدھرے گا اور سب سے بڑی چیز ہوتی ہے خوف خدا، جب انسان میں خدا کا خوف نہ ہو، نہ آخرت کا ڈر ہو تو وہاں نہ قانون کام آتا ہے نہ ہی کوئی تدبیر کام آتی ہے، وہ انسان اپنا راستہ خود بخود نکال لیتا ہے، سب سے پہلی چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی قوانین سے واقف ہی نہیں ہیں، نہ تو خواتین واقف ہیں، نہ ہی ہمارے مرد واقف ہیں تو پہلے ضرورت یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے یا جس طرح مناسب سمجھتے ہیں آپ ان کو (Educate) کریں۔

قاضی صاحب:

میں آپ حضرات سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ اگر ہم ان تفصیلات میں جائے بغیر صرف ان تین اصولوں کا ذکر کردیں کہ وہ شرائط جو مقتضاء عقد کے مطابق ہیں ان میں کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ معتبر ہیں، اور جو شرائط مقتضاء عقد کے خلاف اور ممنوعات کی ہیں ان کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ایسی شرائط جو ممنوع ہیں نہ مامور ہیں، ایسی شرائط کا لگانا جائز ہوگا، اگر ان تین باتوں پر اس تجویز کو ہم یہاں پر منظور کردیں تو کیسا رہے گا؟

مولانا قاری امداد اللہ:

ایک چھوٹا سا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق، خلع اور فسخ تینوں چیزیں اسی غرض سے مشروع ہوئیں کہ بعد میں کوئی ایسی صورت حال پیش آئے تو مرد اور عورت اس سے فائدہ اٹھائیں، جب وہ اسی غرض سے مشروع ہوئے تو پہلے سے تذکرہ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

میں اپنے جائزے کے مطابق اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ نکاح ثانی جیسا کہ میں نے ۹۰ فیصد کہا تھا، میں اس سے آگے بھی جانے کو تیار ہوں کہ نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی کے ساتھ عدل بہت دور کی بات ہے، واجب اور جائز حد تک بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا، اتنی بڑی معاشرتی حقیقت کو آپ نظر انداز کردینا چاہتے ہیں اور اس کا حل نہیں نکالنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے حل ہم اسی دائرے میں نکالیں گے، جہاں تک فقہاء نے گنجائش ہمیں دی ہے، قانون سے اس کو ہم منع کروادیں گے کہ (Polygyny) حرام ہے، نہیں کرسکتا کوئی بھی شخص، تو قانون ظاہر ہے بنے گا، پھر جو ضرورت کے حالات ہیں تو ان حالات میں بھی تعدد ازدواج نہیں ہوسکے گا، اس کا اثر معاشرہ پر بہت گہرا پڑے گا، آپ چاہیں گے تو مجھے کوئی اس میں تکلیف نہیں ہے کہ اس پوری بحث کی جملہ تجاویز کو ختم کردیا جائے تو ہم نے کوئی بحث ہی نہیں کی، بہرحال ہمیں ایک ایسی بات کہنی ہے جس پر عام لوگوں کا بھی اتفاق ہونا چاہئے، اس معاشرتی حقیقت کو کہ یہ میری ایک بہن نے کہا اللہ ان کو جزائے خیر دے، لیکن جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ہم نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے، امارت شرعیہ سے یا جہاں جہاں جو لوگ بھی ادارہ چلا رہے ہیں وہ مسلمانوں سے یہ بات بار بار کہہ رہے ہیں کہ عدل کرو، انصاف کرو، ان کو ان چیزوں کی دعوت دے رہے ہیں، وہ اپنی جگہ پر سب کچھ صحیح ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس لئے اس کے لئے کوئی قانونی تدبیر بھی تلاش کرنی ہوگی۔

میں نے کہا ان لوگوں سے کہ اگر تم واقعی مسلمانوں کو اس کا اطمینان دلا دو کہ یونیفارم سول کوڈ دفعہ ۴۴ کے ذریعہ احکام شریعت میں تحریک وترمیم نہیں کروگے تو موجودہ معاشرتی مسائل کا حل خود اسلام کے سانچے میں ہم نکالنے کی پوزیشن میں ہیں، یہ خوف ہمارا ہے، اور اس خوف کی وجہ سے قدم بہت احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے، اس لئے اشتراط فی النکاح کے یہ چند اصول بنتے ہیں، اسی میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے زیادتی مہر یا تخفیف مہر کا کہ دو صورتوں میں دو قسم کا مہر مقرر ہوسکتا ہے، مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ لوگ زیادہ بتائیں گے کہ کچھ اور مسلک کے فقہاء نے بھی غالباً زیادتی مہر اور قلت مہر والی بات لکھی ہے، حنابلہ کا مسلک اشتراط کے بارے میں سب سے زیادہ جائز قرار دیا ہے، ان حالات میں آپ لوگ غور کریں، دوسرا مسئلہ بالکل الگ ہے، کہ نکاح نامہ کیا ہو نہیں ہو؟ ظاہر ہے قطعی عملی چیز ہے، مرد کہیں پر راضی ہوگا، کہیں پر راضی نہیں ہوگا نکاح نامہ کی بحث بالکل الگ ہے، میں اس سلسلہ میں یہ صرف تین اصول بیان کررہا ہوں کہ کس قسم کی شرطوں کا نکاح میں لگانا جائز اور کس قسم کی شرطوں کا لگانا نہیں جائز، کس قسم کی شرطیں معتبر، کونسی شرطیں غیر معتبر، یہ تین قسمیں جو تمام فقہاء نے لکھی ہیں اس کو لکھ کر اصول کی حد تک چھوڑ دیا جائے، اب اس کے بعد اگر تفصیلات میں جانا ہے کہ عورت ملازمت کرنا چاہتی ہے یا ملازمت کر رہی ہے، اس سلسلہ میں آپ لوگ کیا حکم دیں گے، اگر مرد یہ شرط لگادے کہ ملازمت نہیں کرنی پڑے گی بیوی کو نوکری سے روک سکتا ہے کہ نہیں؟ یا کس قسم کی نوکری کرے کس قسم کی نہیں؟ ان ساری تفصیلات کو ظاہر ہے کہ ہم آج طے نہیں کرسکتے، اس کی روشنی میں آپ لوگوں کی جو رائے ہو وہ تجویز لکھی جائے، یا اشتراط فی النکاح کی پوی شرط کو خارج قرار دیا جائے۔

مفتی شبیر:

حالات کے اعتبار سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مغربی یوپی میں مراد آباد میں محکمہ شرعیہ عدالت موجود ہے، اور عدالت میں ہم لوگ کام کرتے ہیں، تو یہ بات کہنا چاہ رہا تھا کہ میں خود مبتلا ہوں، اسی بات کی تشریح کرنا چاہ رہا تھا، ہمارے یہاں جتنے مقدمات آرہے

ہیں، ان تمام مقدمات میں ایسا ہے کہ کم از کم ستر فیصد مقدمات ایسے ہیں جن میں عورت کی زیادتی کی وجہ سے یہ نوبت آتی ہے، اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ یا ۳۰ فیصد مقدمات ایسے ہیں جن میں شوہر کی تعدی کی بنا پر یہ نوبت آئی، ہمارے یہاں پورے سال میں ۲۰ یا ۱۰ مقدمات آجاتے ہیں، دوسری جگہوں سے بھی آتے ہیں، اس وقت جو ہمارے یہاں پانچ مقدمے چل رہے ہیں، ان میں سے دو شوہر کی طرف سے اور تین عورت کی طرف سے دائر کئے گئے ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

یہ جو پوری بحث چل رہی ہے وہ اپنے دائرے سے ہٹ گئی ہے، مسئلہ کیا ہے اور کیا شرعی حکم ہے؟ اس کے بجائے صورت حال اور مصالح کیا ہیں؟ اس پر گفتگو چل رہی ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے، ہمارے بزرگوں نے جن حالات کی بنیاد پر گنجائش دی اور بہت سے مسائل کو انہوں نے حل کیا، ان حل کو ہم رفتہ رفتہ واپس لیتے چلے جارہے ہیں، اس کا رجحان پایا جارہا ہے ''الحیلۃ الناجزۃ'' جو لکھی گئی ہے اس میں تمام علماء اس وقت کے ممتاز اصحاب افتاء موجود تھے اور وہ لوگ وہ تھے کہ جن کے پاس پورے ہندوستان سے ہی نہیں، بلکہ باہر سے سینکڑوں ہزاروں استفتاء آیا کرتے تھے اور ان کے فتاوی سے کئی جلدیں مرتب ہو چکی ہیں، حضرت تھانویؒ، مفتی شفیع صاحبؒ، مولانا عبدالکریم صاحب وغیرہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب فتاوی تھے، اور ہر ایک کے فتاوی کی کئی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں، ان حضرات کو جو اندازہ تھا اس وقت کے حالات کا کہ کیا واقعی عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا ہے؟ ان حالات میں ان حضرات کو غور کرنا پڑا کہ جو گنجائشیں شریعت میں ہیں اور جن کی بنیاد پر ہم بندش لگا سکتے ہیں شوہر پر کہ وہ غلط طلاق نہ دے، اور عورت کو نکاح کے بعد گویا اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے، بسا اوقات کہ نکاح ہو گیا اب شوہر صاحب ہندوستان سے باہر چلے گئے، اور ان کی واپسی نہیں ہو رہی ہے اور نکاح بھی کب ہوتا ہے کہ صاحب ویزا آ گیا ہے نکاح کر دیجئے، میرا بچہ جانے والا ہے، اب نکاح کے بعد ان عورتوں کے شوہر چلے جاتے ہیں، اس میں کثرت سے

ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی سال تک نہیں آتے ہیں میں چونکہ لکھنو میں دار القضاء سے وابستہ ہوں، ایسے مقدمات کثرت سے آتے ہیں وہاں کی عورتیں دعوی کرتی ہیں کہ چار سال ہوگئے شادی کو دس سال ہوگئے شوہر خبر نہیں لے رہا ہے، ادھر شوہر کے گھر سے اس کی والدہ بہنیں شکایت کررہی ہیں کہ ہم تو لینے آتے ہیں مگر اس نے نافرمانی کیا، عورتیں لٹکی ہوئی ہیں، یہ حالات جو ان حضرات کے زمانہ میں تھے اس کا حل ان کے سامنے نہیں تھا، دار القضاء موجود نہیں تھے، انہیں مشکلات کو حل کرنے کے لئے ان حضرات نے محنت کی اور بہت بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، حضرت تھانویؒ کے زمانہ میں شرعی پنچائت قائم کرنے کی بات ہوئی، اب صورت حال یہ ہے، آپ ذرا مجھے یہ بتائیں اور پوری دیانت داری کے ساتھ کہ اس دور میں جو مظالم عورتوں پر ہورہے تھے، کیا آج مظالم میں کمی آگئی ہے؟ اور اس وقت صورتحال یہ تھی کہ سماجی بندھن ہمارے اوپر تھا، اگر کوئی طلاق کا اقدام کررہا ہے برادری سے باہر تو اس کا کھانا پینا بند، ان بندشوں کی وجہ سے طلاق دینے کی ہمت وہ آسانی سے کرتا نہیں تھا، اور آج صورت حال کیا ہو چکی ہے کہ آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے، جس کا کسی دوسرے پر دباؤ نہیں، سماجی دباؤ ختم ہونے کی بنا پر حالات میں تبدیلی آئی ہے اور مظالم میں اضافہ ہوا ہے، میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ پروپیگنڈہ جو لوگ بھی کررہے ہیں کہ شرح طلاق اتنی ہے اس سے ہرگز ہم متاثر نہیں ہیں اللہ کا فضل ہے، اور اب بھی ہمارا مسلم سماج ان سے کہیں بہتر ہے، ہر لحاظ سے ہمارے مسلم سماج کو بھی اس کا حق ہوتا ہے، ہمارے مسلم سماج میں جو انصاف ہورہا ہے عورتوں کے ساتھ وہ کسی سماج میں نہیں ہورہا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں زیادتیاں ہیں، اور جو حضرات دار القضاء سے وابستہ ہیں ابھی کل گفتگو ہورہی تھی مفتی حبیب اللہ قاسمی بیٹھے ہوئے ہیں وہ اعظم گڑھ میں رہتے ہیں، وہ وہاں کی صورت حال بیان کررہے تھے کہ ہر گھر سے لوگ باہر گئے ہوتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا صورت حال ہے کہ بیان کرنے میں بھی شرم آتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ صورت حال جو ہے اس پر ہم کب تک پردہ ڈالتے رہیں گے، کہ ہمارے فیصلے کی بناء پر ہمارا شرط عائد کرنے کی بنیاد پر یہ تاثر پریس میں ہوگا، وہ تاثر

پریس میں ہوگا، اگر یہ واقعہ ہے کہ زیادتیاں ہورہی ہیں، اور طلاق کے دینے میں بے احتیاطی ہورہی ہے، تو بجائے اس کے پریس پر یہ تاثر پڑے گا اس کے سدباب کی کوشش کیوں نہ کریں یہ تو میں نے مصالح کی بات کہی۔

جہاں تک مسئلے کی بات ہے کہ گنجائش کیا ہے اور کس حد تک کون سی شرطیں عائد کی جاسکتی ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ مہر میں کمی کی اور زیادتی کی جو بات ہے اس میں کمی اور زیادتی کی بات کو صاحبین نے اختیار کیا ہے، تو میرا خیال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل نہیں ہے کہ اگر ایک مرد مشروط نکاح نہیں کرنا چاہتا اس کو تو ہم لازم کر نہیں رہے ہیں کہ تم کو مشروط ہی کرنا ہے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ جہاں پر دونوں فریق راضی ہیں، ان شرطوں پر شرعاً اس شرط کی گنجائش ہے کہ نہیں یہ شرطیں عائد ہوسکتی ہیں کہ نہیں؟ میرا مقصد یہ ہے کہ صورت حال کی ایک تصویر ہمارے سامنے ایک قوت کے ساتھ آئی، دوسرے یہ کہ ہم غور کریں کہ ہمارے یہاں سے کتنی زیادتیاں ہورہی ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ دار القضاء قائم ہو پورے ملک میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، ہمارے ذمہ داران بیٹھے ہوئے ہیں، اس میں بڑی سست رفتاری ہے، دار القضاء کہاں کہاں قائم ہے؟ بہار واڑیسہ میں یہ نظام قائم ہے لیکن پورے ہندوستان میں بہت سست رفتاری کے ساتھ کام ہورہا ہے اگر دار القضاء کی تحریک کو ہم آگے بڑھاتے تو شاید مظالم میں کمی آتی اور بے جا طلاق کا استعمال نہ ہوتا اس پوری صورت حال میں ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور تنہا محض پریس کا یہ اثر پڑے گا، یہ بنیاد بنے گی، میرے خیال میں یہ صورت حال ٹھیک نہیں، اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے جو بات فرمائی ہے تحکیم والی، اس بات میں بھی آخر طلاق کا ذکر آئے گا اگر نکاح کی تقریب میں کسی بھی عنوان سے طلاق کا ذکر آنا معیوب بات ہے، اس سے ماحول خراب ہوگا تو تحکیم کی جو بات ہم لائیں گے اس وقت بھی ماحول خراب ہوگا، بات وہی پیدا ہوگی، چاہے، تحکیم کی بات لائیں، چاہے اشتراط کی باتیں۔

حکیم ظل الرحمٰن:

اس کا حل یہ ہے کہ تمام نکات رشتہ کے وقت طے کئے جائیں، نکاح کے وقت نہیں۔

مفتی نسیم قاسمی:

اس مسئلہ میں زیادہ الجھاؤ پیدا ہورہا ہے، قاضی صاحب نے مسئلہ کو جس حساب سے پیش کیا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ صرف اسی نقطہ نظر پر ہم اور آپ غور کریں، نکاح کے وقت شرائط کی جو تفصیل ہے، دو شرطوں پر تو سب لوگوں کا اتفاق ہے، اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے، صرف ایک شکل ہے جس پر ہم کو اور آپ کو غور کرنا چاہئے اور جن حضرات کی اختلافی رائے ہو تو اس کو نوٹ کر لینا چاہئے، خاص طور پر جو اصحاب افتاء ہیں، ان سے رائے لینی چاہئے، تیسری شکل جو ہے وہ شکل یہ ہے کہ ایسی شرط لگانا جس میں بیوی یا شوہر کا فائدہ ہو اور شرع اسلامی نے اس کے لگانے کو حرام قرار نہیں دیا ہو، تو ایسی شرط نکاح میں لگانا درست ہوگا یا نہیں، اور صرف اس شرط کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی، شافعی یا مالکی میں واجب کی بات نہیں ملتی، بلکہ فقہ حنبلی میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ شرطیں لگانا درست ہے، اور شوہر پر اس کو پورا کرنا بھی واجب ہے، اسی چیز پر غور کیا جائے کہ یہ بات موجودہ حالات میں قابل قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟

مولانا محمد رضوان القاسمی:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ چونکہ حالات وواقعات دونوں طرف ہیں، عورتوں کے بھی مظالم کم نہیں ہیں، اور اس کی دلیلیں بہت پیش کی جاسکتی ہیں، اس لئے مسئلہ پر از سر نو مصالح اور مقاصد پر غور کر کے اس کی تشریح کی جائے، دیکھا جائے کہ تسریح میں فائدہ ہے یا اس کو روکنا زیادہ بہتر ہے، جو بھی شکل ہو اس پر از سر نو غور کیا جائے، ملک کے حالات کو دیکھا جائے، شہر کے حالات میں عورتوں کی ایسی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں کہ بہت زیادتیاں ہوتی ہیں، مگر شوہر طلاق اس لئے نہیں دے سکتا کہ طلاق دے گا تو بڑی مشکلات میں آجائے گا، قانونی طور پر، معاشرتی طور پر، اس کے اپنے تعلقات کی بنیاد پر، اس لئے اس کی تشریح وتبیین سے پہلے اس کے مصالح اور مقاصد پر از سر نو غور کر لیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بحث یہ بات فرض کر کے کی جارہی ہے کہ ہر نکاح سے پہلے لامحالہ نکاح کی کوئی شرط یا مہر کے ساتھ کوئی شرط عائد کی جائے گی، اصل میں صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ بعض دفعہ تفویض طلاق کے ذریعہ یا مہر مشروط کے ذریعہ پچھلے رشتے کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے، دار القضاء میں ہم لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے علاحدگی ہوگئی اور بچوں کی وجہ سے ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ یہ رشتہ قائم ہوجائے، تجدید نکاح کی گنجائش موجود ہوتی ہے، لیکن عورت اپنے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے، ایسے موقع پر ہم لوگ تفویض طلاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا بعض شرطیں عائد کرتے ہوئے دوبارہ عورت کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ اجڑے ہوئے گھر کو بسانے کی کوشش کی جائے، میرا خیال ہے کہ مسئلہ کو صرف ایک پہلو سے دیکھا جارہا ہے، اس تجویز کی وجہ سے مرد اس بات پر مجبور نہیں ہوجاتا ہے کہ لامحالہ وہ نکاح کے ساتھ شرطوں کو قبول ہی کرے، مہر مشروط کو قبول ہی کرے، یہ تو اس کے اختیار میں ہے اگر چاہے گا تو اس طرح نکاح قبول کرے گا، ورنہ نکاح قبول نہیں کرے گا، غیر معمولی حالات میں تجربات کی روشنی میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا، جب لوگوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ فلاں شخص سے رشتہ کرنے میں خطرہ ہے تو اس طرح کی شرطیں لگا کر آئندہ اس کی مضرات کو کم کیا جاسکتا ہے، نہ نکاح نامہ میں اس مضمون کو لانا ہے اور نہ نکاح کے لئے اس کے مستقل اصول ہی قرار دینا ہے، اس لئے یہ بات ناقابل فہم ہے یہ مصلحت کے منافی اور مصلحت کے خلاف کیسے ہے؟ عام حالات میں بالخصوص دیہی علاقوں میں جہاں کہ تعلیم کا فقدان ہے، صورت حال وہ ہے جو قاضی صاحب نے فرمایا، ہمارے یہاں حیدرآباد میں بھی کافی مقدمات آتے ہیں، اکثر حالات میں عورت کے مطابق فیصلہ کرنے پر آدمی مجبور ہوجاتا ہے، ہر جگہ کے حالات مختلف ہیں۔

مولانا مفتی نسیم صاحب نے جو بات کہی کہ حنفیہ کے یہاں نکاح کے وقت کی شرط لازم الایفاء

نہیں ہے، تو ایسا نہیں ہے، اگر کسی شخص نے ایسی شرط کو منظور کرلیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اس کا پورا کرنا واجب ہے، علامہ عینیؒ اور علامہ کشمیریؒ کی صراحت موجود ہے فرق صرف یہ ہے کہ دیانتاً واجب ہے، قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے، پس حنابلہ اور حنفیہ کے درمیان وجوب میں اور لازم الایفاء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے، اس کا نتیجہ اور اثر کیا مرتب ہوگا؟ حنابلہ کے نزدیک عورت کو دعوی تفریق کا حق حاصل ہوگا، اور حنفیہ کے یہاں مہر مسمی کے بجائے مہر مثل کا حق حاصل ہوگا ورنہ واجب الایفاء دونوں کے نزدیک ہے، اس لئے جو تجویز لکھی گئی ہے کہ تفویض طلاق کا عورتیں غلط استعمال نہ کرپائیں، یا مہر کی جو مقدار متعین کی جارہی ہیں، بے موقع اس کا استعمال نہ کیا جائے، اس طرح شرط کے بارے میں جو عبارت لکھی گئی ہے، اس میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ اس شرط کو پورا کرنا مرد پر واجب ہے، بس اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی گئی ہے، اس طرح جو حقائق اور واقعات ہیں، ان سے آنکھیں موند کر صرف امکانی خطرات کی وجہ سے اگر ہم جو بعض سہولتیں عورتوں کو فراہم کرسکتے ہیں، فراہم نہ کریں تو جو اس ملک میں شریعت کے ڈاکہ زن بیٹھے ہیں، اور جو چاہتے ہیں کہ اس ملک کے مسلمانوں کا مذہبی تشخص باقی نہ رہے، ان کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ہمارے خلاف مواد فراہم کریں، اور ملک کی رائے عامہ کو ہمارے خلاف بگاڑنے کی کوشش کریں، یہ نہیں ہے کہ اسلامی حکومت اگر ہوتی تب ہمارے لئے قانون کے نفاذ میں سہولت تھی، اور ہندوستان میں چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار نہیں ہے، اس لئے اس طرح کی دفعات کا لانا خلاف مصلحت ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ ہندوستان جیسے حالات ہی میں یہ مصلحت کا زیادہ تقاضا ہے اس طرح کی دفعات کا لانا، اگر اسلامی حکومت ہوتی اور اسلام کا صاف ستھرا آسان اور رشتہ نظام عدل موجود ہوتا تو اس طرح کی شرطوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہاں درہ فاروقی کا کرتا، وہاں نہ مہر کی شرط کی ضرورت ہوتی اور نہ نکاح کے ساتھ کسی شرط کی ضرورت ہوتی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ واقعات اور حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے، ان تمام شرطوں کے باوجود کسی مرحلہ پر مرد مجبور نہیں ہے، وہ اس شرط کے

قبول کرنے اور نہ کرنے میں اختیار رکھتا ہے، عورتیں ٹھیک ہے کہ زیادتی کرتی ہیں، لیکن مرد اس کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے، جن صورتوں میں وہ عورتوں سے تنگ ہو اور ان میں نشوز کی کیفیت پائی جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی:

میں تیسری تجویز کی پرزور تائید کرتا ہوں، یہ بہت مناسب تجویز ہے، یہ بات کہنا کہ فلاں تجویز لانے سے کون سا عدل قائم ہوجائے گا یہ دراصل غلط بحث ہے، قانون اور اخلاق کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ نہ رکھنا ہے، اخلاق کی کمی کو قانون پورا نہیں کرسکتا ہے، مقصود یہ ہے کہ جائز قانون سازی کے ذریعہ سے اگر کچھ بے اخلاقیوں کو روکا جاسکتا ہے، تو فقہ اکیڈمی کا یہی دائرہ ہے، اور اس پس منظر میں یہ چیز بہت ہی مناسب ہے، کنفیوزن شاید اس لئے بھی ہورہا ہے کہ ہماری نگاہ مخصوص چیزوں پر مرکوز ہے، مہر کا اضافہ وغیرہ جائز شرطوں کو اگر ہم تھوڑا سا وسیع کردیں تو بات مزید واضح ہوسکتی ہے، اور کچھ شرطیں ایسی ہیں جن کو نکاح کے وقت ہی لگایا جاسکتا ہے، نکاح کے بعد ایک مدت گزرجانے کے بعد کوئی اس کا جواز باقی نہیں رہے گا، لیکن اگر عورت اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کچھ جائز شرطوں کی گارنٹی چاہتی ہے، اور اگر وہ چیز جائز ہے، تو اس کو جائز حق سے محروم کرنے کا کس کو اختیار ہوسکتا ہے، میں اس کی تین مثالیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں، عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ وہ شادی کے بعد جوائنٹ فیملی (Joint family) میں نہیں رہے گی، مشترکہ خاندان میں دیہات میں جو مظالم عورتوں پر ہوتے ہیں جو شریعت اسلام کے لئے باعث ننگ ہے، مسلمان معاشرے کی یہ صورت حال ہے کہ اس کے پیش نظر اگر کوئی پڑھی لکھی خاتون یہ مطالبہ کرتی ہے کہ شادی کے بعد وہ شوہر کے ساتھ جہاں رہے گی، جبکہ اس کو مناسب مقام فراہم ہوجائے گا، وہ چاہے تنگی سے زندگی بسر کرے گی، مگر وہ شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے، بچوں کی پرورش اور دوسرے مسائل کے لئے شریعت کا منشاء یہی ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کے حقوق کو نظر انداز کرکے دوسری چیزوں میں پیسہ خرچ کرتا ہے تو اگر جائز شرطوں کے

اضافے سے مسلمانوں کے معاشرہ کا تحفظ ہوتا ہوتو کوئی حرج نہیں ہے اور مولانا عتیق صاحب نے جو بات کہی وہ بہت ہی اہم بات ہے کہ ہمارا معاشرہ اس وقت بکھرا ہوا ہے، اور خصوصی توجہ کا طالب ہے، آج سے پچاس سال پہلے بہت سی بندشیں تھیں، وہ بندشیں اب ٹوٹ رہی ہیں، اور ان بندشوں کے ٹوٹنے کے نتیجہ میں ہم کو کچھ تحفظات فراہم کرنے ضروری ہیں، گو اگر ان شرطوں کے اضافے سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو ان شرطوں کا نکاح نامے میں اندراج ضروری نہیں ہے، ہر جگہ اس کا تذکرہ ضروری نہیں ہے، صرف بات یہ ہے کہ اگر عورت چاہتی ہے کہ کچھ شرطوں کا اضافہ ہوجائے اور یہ چیز جائز ہے تو ان کو اس حق سے محروم کرنے کا حق نہیں ہے، قانون او راخلاق کے دائرے الگ الگ ہیں ان کو آپس میں ملانا چاہئے۔

مولانا ریاست علی:

مسئلہ شرائط نکاح کا چل رہا ہے، تیسری شرط کے بارے میں قاضی صاحب کی رائے پہلے سے ہے کہ مجمل رکھا جائے، میری رائے ہے کہ اس میں ذرا تشریح ہونی چاہئے، اس لئے ہم لوگ بھی محکمہ شرعیہ چلاتے ہیں، دار القضاء چلاتے ہیں، میری معلومات کے مطابق اتر پردیش میں سب سے پرانا محکمہ شرعیہ ہاپوڑ میں ہے اور صوبہ راجستھان کے مقدمات خاص طور پر ہاپوڑ میں ہی آتے ہیں، اور راجستھان کے بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ پورے خاندان کی بچیوں کے نکاح ایک ساتھ ہوجاتے ہیں، اگر کسی خاندان میں پچاس لڑکیاں ہیں تو بالغ اور نابالغ سب کا نکاح ایک ساتھ ہوجاتا ہے، والدین چونکہ نکاح کرتے ہیں تو نکاح تو لازم ہوگیا، لیکن جب بالغ ہوتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں، لڑکی یا لڑکے کو کوئی ایسی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں تو وہ جانے کو تیار نہیں ہوتی، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شرائط کچھ ہونی چاہئیں اگر لڑکی کو عملی طور پر کوئی شکایت سامنے نہیں آتی یا لڑکی گئی ہی نہیں تو قاضی کیسے تفریق کرے گا، تو شرائط ہونی چاہئے، لیکن ان شرائط کی تفصیل ضروری ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی:

تفویض طلاق کے بارے میں تائید کرتا ہوں۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی:

میری رائے میں تو قاضی صاحب نے اصولی طور پر جو تین تجویز بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں، اوران میں کوئی شرعی نقص نہیں ہے، دلائل کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں۔

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی:

تین ہی پر محدود ہو تجویز آگے نہ بڑھے، ورنہ اس میں اختلاف ہے، اس کی تائید کرتا ہوں، آگے کی تائید نہیں کرتا۔

مولانا عبداللہ طارق:

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اس میں دو چیزوں کا اضافہ کردیا جائے: ایک یہ کہ جو عورت یا اس کے اولیاء ضرورت محسوس کریں، دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت نہیں، بلکہ رشتہ ہونے کے وقت یہ معاملات طے کئے جائیں۔

مفتی عبدالرحمٰن:

میری رائے بھی یہی ہے تجاویز جو مرتب کی گئی ہیں، اس میں مصلحت دیکھنا لڑکے اور لڑکی والوں کا کام ہے، تو اس لئے یہ قید و بند ہونی چاہئے کہ نکاح کرنے کے وقت میں اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو تفویض طلاق کرسکتے ہیں۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی:

میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

قاضی صاحب:

اس لئے ہم جب اس مسئلہ کی تصویر کریں تو ہم کو تملیک اور توکیل کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی تعبیر اختیار کرنی پڑے گی، کہ جس میں اگر عورت کو حاصل ہونے والے اختیار کو ہم تھوڑا مشروط کرنا چاہیں قاضی یا امام یا کسی اور منصب کی صوابدید کے ساتھ، تو وہاں پر یہ کہنا ہوگا کہ اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ میں نے اس کے حقوق میں کوتاہی کی ہے، اور وہ اجازت دے تو بیوی کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق واقع کرے، تو اس طرح کی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں جو گنجائش ہمارے فقہاء کے یہاں موجود ہے، مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ خود فقہ حنفی میں جو بحث آئی ہے، اور بحث کا عام طور پر حوالہ دیا جارہا ہے، یعنی زیادتی مہر اور قلت مہر کی، یہ مسئلہ معروف ہے کہ نکاح کے بعد بھی مرد کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں اضافہ کردے اور عورت کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں کمی کردے آج جو بحثیں چل رہی ہیں، کیا کورٹ کو یہ اختیار ہے کہ نہیں کہ وہ مہر بڑھا دے، ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم فتنہ کی طرف نشاندہی کرتا ہے، اس لئے خود صاحب ''ہدایہ'' نے جس تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہاں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے قول کے اختیار وعدم اختیار کی بحث کچھ اہم نہیں ہے، محض صرف اتنا سا فرق ہے کہ دونوں ہی اس طریقہ کو جائز قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مہر مسمی اول ہے، مسمی ثانی لازم نہیں ہوگا، بلکہ مثل لاگو ہوگا، اور آج کل یہ خود مسئلہ ہے کہ مہر مثل ہے کیا؟ اتنا فرق پڑ چکا ہے کہ مہر مثل کا تعین ایک دشوار مسئلہ ہے، جیسی دونوں نے شرطیں لگائی ہیں اسی کا اعتبار ہوگا، اور اس کا کوئی بڑا فرق مسئلہ پر نہیں پڑتا ہے، آپ قول امام صاحبؒ کا اختیار کیجئے کوئی فرق نہیں، مہر زائد کا ذکر پہلے کردیا جائے گا اور مہر قلیل کا ذکر بعد میں کردیا جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین دونوں مل کر یہ کہیں گے کہ مہر زائد ادا کرو، بلکہ اس میں ایک اور اچھی بات ہوجائے گی کہ عورت کی طرف سے گویا احسان ہوگیا کہ تم نے شادی دوسری نہیں کی، لہذا میں مہر بجائے ۲۰ ہزار کے دس ہزار قبول کرتی ہوں، یہ صورت حال جو ہے اس کا حل بہر حال فقہاء نکال سکتے ہیں، مجھے یہ عرض کرنا ہے اپنی بحث آپ معاشرے

کی صحیح صورت حال کو سامنے رکھ کر اس خدشہ کو بھی سامنے رکھ کر کہ اگر کلی طور پر یہ اختیار دے دیا جائے تو مقصد شریعت کہیں فوت نہ ہو جائے ،ایسا راستہ نکالنے کی کوشش کریں کہ اس وقت جو مسئلہ درپیش ہے اس کے حل میں مدد مل سکے، میں نے اس مداخلت کو ضروری سمجھا، چونکہ بحث کا رخ بہت تفصیل کی طرف خاص طور پر تفویض طلاق کی طرف جا رہا تھا۔

مفتی جمیل نذیری:

بات ہوگئی ہے اب مجھے کچھ بولنا نہیں اسی موضوع پر بولنا تھا، مگر اب کوئی فائدہ نہیں، جانے دیجئے۔

مولانا مفتی جنید عالم ندوی:

یہاں پر دو مسئلے ہیں: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر طلاق دی تو بیس ہزار اور نہیں دی تو دس ہزار، اور دوسرا مسئلہ نکاح ثانی کا ہے ....دونوں مسئلوں میں میرے نزدیک فرق ہے، پہلے مسئلہ میں میرے خیال سے صاحبین کے قول کے مطابق عمل کرنا صحیح ہے اور دوسرے مسئلہ میں صحیح نہیں ہے، بلکہ امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنا چاہئے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے مہر کو جو مشروع قرار دیا ہے اور مہر مقرر کیا ہے اس کا مقصد بھی طلاق کے بے جا استعمال سے روکنا ہے کاسانیؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے، مہر کی مشروعیت کا مقصد یہی ہے کہ ادنی سی بات پر شوہر طلاق نہ دے دے، تو اگر اس طرح کی شرط لگائے جس سے وہ طلاق کے بے جا استعمال سے رک سکے تو میرے نزدیک درست ہے اور ضرورت کے مطابق اور حالات کے پیش نظر صاحبین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، نکاح ثانی کی صورت میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مہر کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا نہیں ہے، اس لئے اس کی صراحت نہیں ملتی ہے کہ مہر کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا ہو اور پھر یہ کہ یہاں پر ضرورت بھی نہیں ہے ہندوستان کے عرف میں نکاح ثانی ایسے ہی معیوب ہے اگر اس طرح کی پابندی لگاتے ہیں تو اور معیوب سمجھا جائے گا، اس بنیاد پر دونوں

مسئلوں میں میرے نزدیک فرق ہے۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی:

حضرات علما کرام ! یہ تفویض طلاق کے مسئلہ کے بارے میں جو بحثیں ہوئی ہیں، برطانیہ میں تقریبا ۳۰ سالوں سے مقیم ہوں اور وہاں پچھلے چند سالوں سے عائلی مسائل کے حل کے سلسلہ میں ایک شرعی کونسل کے قیام کے ساتھ میری بھی وابستگی ہے، ہمارے یہاں کے کچھ پیچیدہ ایسے مسائل ہیں کہ جن مسائل کے سلسلہ میں ہم قاضی صاحب سے بھی مشورہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مسئلہ چونکہ اس سلسلہ کا تھا، میں یہ ضروری سمجھ رہا ہوں کہ اس بارے میں ہمارے یہاں کے بھی کچھ حالات رکھ دئے جائیں، تفویض طلاق کا جہاں تک سوال ہے، میرا خیال ہے کہ یہ لزوم کے درجہ میں نہیں ہے، یہ جواز کے درجہ میں ہے، اگر اس کے عدم جواز کا مسئلہ کردیا جائے تو اس کی وجہ سے اور بہت سارے مسائل پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

ہمارے یہاں جو واقعات ہیں وہ یہ ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا جو طبقہ انگلستان میں مقیم ہے، وہ اپنے بچوں کی شادیاں اپنے رشتہ داروں میں ہی کرنا چاہتے ہیں، بچے بچیاں بھی ساتھ جاتی ہیں خوش ہوتے ہیں، تیار ہوتے ہیں اور شادی منعقد کرتے ہیں، شادی ہوگئی، اب اس کا برطانیہ میں داخل ہونے کا ویزا، یہ ایک ایسا مستقل مرحلہ ہے کہ بقول ہمارے دوست کے جنت میں جانا آسان برطانیہ میں داخل ہونا مشکل، تو اس سلسلہ میں مصیبت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی والے عام طور پر لڑکے کے سلسلہ میں زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے والے آکر کوشش کرتے ہیں ویزے کے لئے، بس ایک مرتبہ حکومت کے قانون کے تحت میں لڑکوں کے سوال جواب میں لڑکا کوئی ایسی غلط بات کہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انٹرویو فیل ہوجاتا ہے اور وہ ویزا ریفیوز (Visa Refuse) کردیتے ہیں، اب اس کے بعد اپیل کا حق ہے لڑکی کو، اب یہ بھی قانون بننے جارہا ہے اپریل ہی میں شاید اگر یہ بن گیا تو اپیل کا حق بھی ختم ہوجائے گا، اب لڑکی والے پھر اپیل کرتے ہیں اس میں خاصے مصارف ہوجاتے ہیں، تقریبا کم سے کم دو ڈھائی ہزار

پونڈ اس میں خرچ ہوتا ہے، اس کے بعد بھی بعض مرتبہ وہ ریفیوز (Refuse) ہو جاتی ہے، چونکہ وہ لڑکے سے کچھ سوالات اس قسم کے کرتے ہیں اس وجہ سے اب جب یہ باتیں ہو جاتی ہیں تو لڑکی والے یوں کہتے ہیں کہ بھئی یہ مسئلہ مشکل ہے، آپ طلاق دے دیں تو لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم طلاق دیں گے ہی نہیں، ایسے بھی واقعات ہوئے کہ لڑکی کو ہی وہاں بھیج دیا جائے لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہم لڑکی بھیج دیتے ہیں پاکستان میں آپ رہو ساتھ میں، ویزا آ جائے اب تک وہاں رہو، لڑکے نے کہا کہ منشاء تو وہاں آنا تھا کیوں بلاؤں اس کو یہاں، اس لئے میں خرچہ کیوں برداشت کروں، جب طلاق کی بات آئی تو اس کے جو واقعات اور حقائق ہیں کہ خطیر رقم کے مانگنے کے باوجود وہ اس کے اوپر تیار نہیں ہوتے، اگر اس قسم کا شادی نامہ طے کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں لڑکیوں کے لئے جان سے چھٹکارے کی شکل ہو سکتی ہے، ورنہ دو دو تین سال کی کوشش کے باوجود بھی نہیں ہوتا، میرے خیال میں اس کو نکاح نامہ میں رکھنا چاہئے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

یہ جو اشتراط فی النکاح کی بحث چل رہی ہے، اس کا پس منظر جیسے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت کوتاہیاں مردوں سے ہوتی ہیں، یہ تو واقعہ ہے کہ طلاق کی جو شرح ہمارا پریس پیش کر رہا ہے اور جس حد تک مظالم کی داستان سنا رہا ہے، مسلمانوں کی خواتین پر یہ زیادتیاں ہو رہی ہیں وہ تو بہت مبالغہ آمیز بات ہے اور انہوں نے اپنے گھر کے عیب کو چھپانے کے لئے ہماری طرف رخ موڑ دیا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بے جا طلاق کے واقعات ایک ہی مجلس میں تین طلاق کے واقعات ہو رہے ہیں اور ان کی شرح بڑھ رہی ہے اسی کے ساتھ بہت سی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں، مشکلات کی لکھنو میں میرا قیام ہے دار القضاء سے میرا تعلق ہے، وہاں جو مقدمات آتے ہیں ان مقدمات میں کثرت سے ایسے مقدمات ہوتے ہیں کہ نکاح ہو گیا اور شوہر چلے گئے سعودیہ عرب، کویت چلے گئے اب وہ خبر نہیں لے رہے ہیں اب

دشواری کیا ہے مقدمہ دار القضاء میں آتا ہے، یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ مدعا علیہ تو غائب ہے اس پر کیسے نوٹس تعمیل ہو اور اگر نوٹس پہنچ بھی گئی تو حاضر نہیں ہوا تو غائب کے خلاف فیصلے ہم کیسے کریں اس بنیاد پر بہت سی عورتیں اپنے حقوق سے محروم رہتی ہیں، ان کے مقدمات یا تو ہم لیتے نہیں ہیں، یا اس کے فیصلے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے، تو یہ صورت حال کوئی نادر نہیں ہے، باہر ملکوں میں جانے کی بات کثرت سے ہو رہی ہے اور کمانے کی دھن میں شوہر کو واپسی کا موقع نہیں ہے اور اس مسئلہ کا جو حل تھا کہ دار القضاء کے نظام کو ہم فعال بنائیں، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس میں کوتاہی کر رہے ہیں اور سست رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، بہار، اڑیسہ کی بات میں نہیں کرتا، یوپی میں بہت کم اضلاع میں دار القضاء ملے گا آپ کو مقدمہ اگر ہمارے پاس آ بھی جائے تو بہت سی چیزیں ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ ہم مقدمہ لینے کے موقف میں نہیں ہوتے، تو یہ مسئلہ تو کثرت سے موجود ہے اگر گنجائش شریعت دیتی ہے اس طرح مشروط نکاح نامے کی جس میں شریعت کے مقاصد اور احکام نکاح وطلاق متاثر نہ ہوں اور کسی حد تک عورتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ہو سکے، تو ایسے نکاح نامہ کو ہمیں مرتب کرنا چاہئے اور اسے آگے بڑھانا چاہئے، لیکن جو اصل کام ہے اصلاح معاشرہ کا وہ کام بھی مستقل جاری رہنا چاہئے اور اسے آگے بڑھانا چاہئے اور دار القضاء کے قیام کی تحریک پورے ملک میں پھیلنی چاہئے کہ ہر جگہ فعال دار القضاء قائم ہو، میری رائے یہی ہے کہ اگر فقہاء کی تشریحات کے اعتبار سے، کتاب وسنت کے اعتبار سے گنجائش ہے اور میاں بیوی چاہتے ہیں اور اس مشروط نکاح نامہ کو قبول کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ جبر تو نہیں کر سکتے ہیں کہ اگر ایک شوہر مشروط نکاح نامہ قبول نہیں کرتا اور شرط کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا، بسا اوقات نکاح میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کی گنجائش شریعت میں ضرور ہے، تو اسے ہم کیوں اختیار نہ کریں۔

مولانا سعود عالم قاسمی:

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے، یہ بڑا نازک مسئلہ بھی ہے اور ضروری بھی ہے کہ آپ حضرات

اس پر کھل کر گفتگو کریں اور میں تو گذارش کروں گا قاضی شریعت سے اور بورڈ کے محترم سکریٹری صاحب سے بھی کہ اس پر تفصیل سے گفتگو ہونی چاہئے ،صورت حال یہ ہے کہ جو سیلاب ہندوستان میں آرہا ہے، آنے والے وقتوں میں آپ ان کو فیس (Face) نہیں کر پائیں گے، حکومت کی طرف سے بھی اور خود عوامی ردعمل بھی جو پیدا ہورہا ہے اس کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس پر غور کریں ،غور کرنے کے دو پہلو ہیں ،ایک بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ ایک طرفہ معاملہ نہیں ہے کہ آپ کو قوام بنادیا گیا، آپ کے جو حقوق عورتوں پر ہیں تو عورتوں کے بھی حقوق آپ کے اوپر ہیں۔

یہ جو نکاح ہے وہ سوشل کنٹکٹ (Social Contact) ہے، یہ بیع نہیں ہے ایک معاہدہ جو آپ کرتے ہیں اسے ایک شخص توڑتا ہے اور ایک استحصال کرتا ہے اور آپ کے یہاں عائلی محکمہ ہے ایک شخص اپنے آپ کو قوام بنا کر وہ معاہدہ کو توڑتا ہے اور اس کے اللہ اور رسول نے جو احکام دئے ہیں ان کو توڑتا ہے،ضروری یہ ہے کہ ایک طبقہ کو استحصال سے اور ظلم سے بچانے کے لئے کچھ اضافی قانون بنائے جائیں تو ان کو بنانا چاہئے ،تا کہ شریعت کا وہ عادلانہ نظام بر قرار رہے صورت حال یہ ہے کہ جو حضرات دار القضاء سے متعلق ہیں ان کے سامنے وہ مسائل جو ابھی پیش کئے گئے وہ تو آتے ہی ہیں،سب سے بڑا مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شادی کی وہ بیوی کو رکھتا نہیں اور طلاق بھی نہیں دیتا، کیوں طلاق نہیں دیتا، اس لئے کہ وہ جائے گی کسی دار القضاء میں خلع کرائے گی اور مہر معاف کردے گی اور اسے مہر نہیں دینا پڑے گا، اس وقت صورت حال عملاً یہ زیادہ پیچیدہ ہوتی جارہی ہے کہ عورت کو جو حق ملنا تھا طلاق کے بعد وہ اس حق سے بھی محروم کردینا چاہتا ہے اور ہماری عدالت بخوشی اس کا خلع کرادیتی ہے،عورت تو مجبور ہے اس کو جان چھڑانا ہے،لیکن اس کے پیسے بھی جارہے ہیں۔

ہندوستان کے معاشرہ میں ایک عورت جو بیوہ ہوگئی جو مطلقہ ہے اس سے شادی کرنے کے لئے کون لوگ تیار ہوسکتے ہیں؟ یہ سماجی مسئلہ ہے آپ اس پہلو پر غور کریں تو بجائے اس کے کہ

ایک عورت کی پوری زندگی خراب ہو، کیوں نہ خراب کرنے والے کو ایسے قانون میں جکڑا جائے کہ وہ جرأت نہ کرسکے؟ اس کے تین پہلو اور ہیں، ایک تو یہ پہلو کہ آپ کچھ عدالتیں یا آپ کا پرسنل لا بورڈ اس کو نافذ کرسکے، دوسرا پہلو یہ ہے اور یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ آپ کچھ اختیارات گورنمنٹ آف انڈیا (Govt.of India) کو بھی دیں۔

شاید اس کو دینے کے لئے ہم مسلمان ابھی تیار نہیں ہیں، موجودہ حالات میں مثال کے طور پر آپ یہ کہتے ہیں تین طلاقیں بیک وقت اگر دی جائیں تو وہ نافذ تو ہوجائیں گی، لیکن ہے غلط طریقہ اور حضرت عمرؓ نے درے لگوائے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ درے حکومت کے ہاتھوں میں دیئے دیجئے کہ جو تین طلاق بیک وقت دیتا ہے تو اس کی ایسی دھنائی کریں کہ آنے والوں کو عبرت ہو، اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو یہ سلسلہ جاری رہے گا، تیسری چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آپ نکاح کے وقت کچھ شرطیں لگائیں، خواہ شرطوں کا تعلق اس سے ہو کہ عورت کہے کہ تم دوسری شادی کرو گے تو میرا مہر اتنا ہوگا، اس کے علاوہ بھی شریعت کے مطابق جو ہمارے زمانے میں جائز ہیں کچھ شرطیں اور بھی لگائی جاسکتی ہیں، جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ساتھ دیتا ہے اور یہاں اگر تاریخ کے اساتذہ بیٹھے ہیں تو وہ تائید کریں گے کہ میڈیول انڈیا (Medieval India) میں عہد وسطی کے ہندوستان میں ایسی شرطیں لگائی جاتی تھیں نکاح ناموں کے اندر اور خود ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہاں رواج زیادہ ہے ماضی قریب کی تاریخ میں یاد آتا ہے کہ یہاں جو نکاح نامہ پہلے چھپتے تھے، ان میں بھی یہ ہوتا تھا، اور تفویض طلاق بھی اس میں شامل ہوتی تھی، تو ہم کیوں نہ اس پہلو پر غور کریں کہ آئے دن جو حالات ہیں خود ان میں اسلام کے عادلانہ نظام کو عائلی قوانین کو بچانے کے لئے ہم ان شرطوں کی طرف توجہ دیں، ہمارے پرسنل لا بورڈ کے اندر قوت نافذہ نہیں ہے، آپ صرف سفارش کرسکتے ہیں آپ کے سماج میں جو خرابیاں آرہی ہیں، خواہ وہ غیر مسلموں کے تعلق سے، یا ہماری اپنی نفسانی کمزوریوں کے نتیجہ میں آرہی ہیں، یہ بات مسلم ہے کہ استحصال حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

میری گذارش یہ ہے کہ آپ اس پہلو پر غور کریں کہ نکاح ناموں کے اندر ایسی شرطیں لگائی جائیں اور وہ اضافی بھی شرطیں ہوں اور اس زمانہ کے مطابق پیش کریں، یا ہر جگہ آپ کی ایسی عدالت قائم ہوجائے، آپ کے پاس سفارشیں ہیں، حکومت کے پاس قوت نافذہ ہے، تو کوئی ایسی شکل ضرور نکلنی چاہئے کہ ان تینوں پہلوؤں سے اور اگر ایسا نہیں تو آپ صرف دس سال کے اندر دیکھیں گے کہ آپ اپنے اس نظام کو بچانے میں ناکام رہیں گے۔

مولانا شاہین جمالی:

تفویض طلاق کا مسئلہ اصل میں طلاق ''دے دو'' کا نہیں ہے، بلکہ ''لے لو'' کا ہے اردو میں اگر اس کو اس فرق کے ساتھ دیکھیں گے کہ شریعت نے عورت کو جو اختیار دیا ہے وہ طلاق ''لے لو'' کا ہے طلاق ''دے دو'' کا نہیں ہے جہاں تک نکاح نامہ میں شرط کا تعلق ہے میرا خیال یہ ہے کہ اگر اس سلسلہ میں یہ تجویز ہوجائے کہ نکاح نامہ میں عبارت لکھی جائے کہ اگر میری طرف سے بیوی کے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو، جس کی وجہ سے وہ مجھ سے علاحدگی ضروری سمجھتی ہو تو فلاں فلاں پانچ علماء سے وہ رجوع کرے اور وہ ضروری سمجھیں تو مجھ سے طلاق دلوا لیں، اور میں راضی نہ ہوں تو ان کو میری طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا، اگر اس قسم کی کوئی عبارت نکاح نامہ میں لکھوالی جائے اور اس پر دونوں فریق راضی ہوں تو میرے خیال سے علماء ہی کے ہاتھ میں یہ اختیار ہوگا اور طلاق دلوالینا شوہر کے لئے اور عورت کے لئے مناسب ماحول میں ممکن ہوسکے گا اور اس شرط نامہ میں یہ بھی لکھ دیا جائے مرد کی طرف سے کہ واپسی کا مجھے اختیار نہیں ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی:

اگر عورت کو مطلق حق طلاق تفویض کر دیا جائے تو عورت اس کا غلط استعمال کرے گی جہاں تک شرائط کے تحقق کا سوال ہے وہ بھی بعد میں ایک موضوع بن جائے گا کہ شرطیں پائی گئیں

یا نہیں پائی گئیں، عورت چونکہ خلاصی چاہے گی وہ یہ کہے گی کہ شوہر کی طرف سے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اس لئے میں طلاق دینے کی مجاز ہوں، اس لئے اس سلسلہ میں دار القضاء کے فیصلے کو یا کم سے کم مستند علماء کی رائے کو معتبر ماننا چاہئے، مہر کے سلسل میں جو بات کہی جارہی ہے اور فقہ کی تقریبا تمام ہی کتابوں میں خاص طور پر فقہ حنفی میں اور دیگر فقہی کتابوں میں اس کو بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ دو طرح مہر مقرر کیا جاسکتا ہے، اگر شوہر نے دوسری شادی کی تو مہر کی یہ مقدار، اور اگر اس نے شادی نہیں کی تو مہر کی یہ مقدار ہوگی، اس کی مختلف شکلیں ہیں اس سلسلہ میں جو ہندوستان کے مخصوص حالات ہیں زیادتی مہر یہ ہمارے سماج میں مسئلہ کا حل نہیں ہے، خاص طور پر اس وقت ہمارے سماج میں جو جہیز کی لعنت اور تلک اور سلامی کی لعنت ہے، مرد اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا، اور وہ سلامی یا تلک لینے کے لئے بار بار دوسری یا تیسری شادی کرسکتا ہے حیدآباد میں ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ جا رہا تھا میں نے اس سے بات کی، میں نے اس سے یہ کہا کہ بھائی تم لوگ چھوٹی بچیوں کی شادی عرب شیخ سے کیوں کر دیتے ہو، اس نے جو بات کہی وہ علماء حضرات کے لئے قابل توجہ ہے اس نے یہ کہا کہ مولانا ہوتا یہ ہے کہ ہم اپنی بچی کی شادی یہاں کسی شخص سے کرتے ہیں، اس شادی میں لاکھ دو لاکھ روپیہ کم سے کم متوسط خاندان میں خرچ آتا ہے، شادی کرنے کے بعد میری بیٹی چلی جاتی ہے اپنے سسرال، مہینہ دو مہینہ وہ وہاں چین وسکون کی زندگی گزارتی ہے، اس کے بعد میاں بیوی میں تلخی پیدا ہوجاتی ہے شوہر کیا کرتا ہے کہ جہیز کے سامان کو آہستہ آہستہ فروخت کرنا شروع کر دیتا ہے اور جب سارا سامان ختم کر دیتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دیتا ہے، اب بیٹی میرے گھر پر آجاتی ہے تو دو لاکھ روپیہ تو میں پہلے خرچ کر چکا ہوں اور بعد میں اس بچی کا رشتہ کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، تو جب ہم عرب کے شیخ سے شادی کرتے ہیں تو سلامی دینے کی نوبت نہیں آتی، بلکہ جو شیخ کی طرف سے مہر ادا کی جاتی ہے اس سے ہمارا گزارا ہوتا ہے، تو اس سلسلہ میں خاص طور پر سماج میں طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے اور جہالت دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے آخری مسئلہ جو اشتراط فی النکاح کا ہے، اس وقت کا

اہم موضوع ہے، اس سلسلہ میں میرا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کی فقہ میں سب سے زیادہ وسعت اور تفصیل فقہ حنبلی میں ہے، امام ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہ کے یہاں جو شرائط خود بخود نکاح کے ذریعہ یا نکاح کے ذیل میں آتی ہیں ان شرطوں کا اعتبار کرتے ہیں، یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، مسئلہ کا حل خاص طور پر جن مشکلات یا دشواریوں سے اس وقت ہمارا سماج گذر رہا ہے، اگر ہم ان مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو فقہ حنبلی سے ہمیں استفادہ کرنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج اور مضائقہ بھی نہیں کہ وہ شرطیں اگر چہ مقتضاء عقد کے موافق نہیں ہیں، لیکن شریعت نے ایسی شرطوں کے لگانے کو حرام بھی قرار نہیں دیا ہے، اوران شرطوں کے لگانے میں عورت کا فائدہ ہے تو ایسی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں اور ایسی شرطیں جب لگادی جائیں تو دونوں فریق پر اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا، بس یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے۔

ڈاکٹر توقیر عالم:

اشتراط فی النکاح سے متعلق مجھے ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ جب طلاق ابغض المباحات ہے، اور یہ طلاق کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے، تو یہ طلاق اس وقت بالکل مجبوری کے حالات میں ہوتی ہے، جبکہ میاں بیوی کے درمیان سخت ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں، یہ بات واضح ہے کہ اگر طلاق کے ذریعہ ایک شخص اور ایک عورت الگ ہوجاتی ہے تو ظاہر ہے دونوں کو نکاح ثانی کا حق حاصل ہے، اوراس طرح سے کسی پر جبر نہیں ہے دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ نکاح ثانی کرسکیں، لیکن ایک شخص جو معاشی لحاظ سے بدحال ہو اور نکاح کے وقت اس طرح کی کوئی مشروط رقم اس پر نافذ کردی جائے، ایسی حالت میں تو اس طرح سے اس پر ایک ظلم ہے، میرے خیال سے مناسب نہیں ہے، میں شاہین جمالی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ میں کوئی ایسی عبارت تحریر ہونی چاہئے کہ کم از کم وہ شخص زد میں نہ آئے شکریہ۔

مولانا انیس الرحمٰن:

نکاح میں جو شرطیں نفس نکاح کے لئے ضروری ہوتی ہیں ان کے علاوہ فریقین کچھ دیگر شرائط کا اضافہ کرسکتے ہیں یا نہیں، فقہاء نفس اشتراط کو جائز قرار دیتے ہیں، مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ کون سی شرطیں صحیح ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور کونسی شرطیں فاسد ہیں جن پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، یہاں سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عورت نکاح کے وقت ملازمت کرنے کی شرط عائد کرسکتی ہے، کیا شوہر سے نکاح ثانی کرنے کی صورت میں مہر کے اضافہ کی شرط لگا سکتی ہے یا اسی طرح عقد نکاح کے وقت طلاق کے حق کی شرط لگا سکتی ہے یا نہیں؟ فقہاء نے جو تشریحات کی ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی خاتون کا ملازمت کی شرط عائد کرنا شروط فساد میں داخل ہے، اسی طرح نکاح ثانی کی صورت میں اضافہ مہر کی شرط صاحبین کے مسلک پر درست ہے، ایسا کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی خاتون عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ نکاح کی طرف اضافت کرتے ہوئے حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرتی ہے تو یہ اسے اختیار ہے کہ فقہاء حنفیہ کی صراحت کی روشنی میں یہ صورت جائز ہے۔

مولانا مصطفیٰ مفتاحی:

تفویض طلاق کے سلسلہ میں ایک رائے یہ آئی کہ تفویض طلاق باطل ہے، اور اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ یہ تو نص ہے کہ یہ امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، پوری ملت کے ہر طبقہ کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں استنباط کیا جائے گا مسئلہ تفویض طلاق میرا خیال ہے کہ منصوص ہے، بالفرض اگر یہ منصوص نہ بھی ہو تو غیر منصوص ہونے کی بناء پر اس کو باطل اور غیر معتبر کہا جائے، تو میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس پر غور وفکر کرنا ہوگا، دہلی سے نکلنے والے ایک پرچہ ''ترجمان'' میں میں نے پڑھا تھا جس میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ تفویض طلاق بالکل ہی

باطل ہے اور اس میں کئی ملکوں کی نظیر دی گئی تھی، مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ جب یہ رائے ہی غلط ہے باطل ہونے کی تو دوسرے ملکوں کی نظیر دیکھ کر کے اس غلط نظیر کی اتباع کی دعوت دینا بھی درست نہیں ہوگا، دوسری بات جو عرض کرنی تھی وہ یہ کہ جوڈبل مہر کی بات کی گئی ہے، اس سلسلہ میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ملک کے دو خطے ہیں: ایک خطہ میں تلک کا رواج ہے، اور ملک کا دوسرا خطہ وہ ہے کہ جہاں تلک کی رسم وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے، وہاں ٹھیک سیدھے طریقہ سے شریعت کے مطابق نکاح عمل میں آتا ہے، لیکن وہاں دوسری خرابی ہے میرا خیال ہے کہ ڈبل مہر والی تجویز درست نہیں ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی:

میں تجویز کی تائید کرتا ہوں۔

مولانا شمس پیرزادہ:

جو مسائل اس وقت پیدا ہو رہے ہیں ہمارے معاشرہ میں عورتوں کے حقوق کے تعلق سے ان کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے اور وہ جن مسائل میں گھری ہوئی ہیں، ان کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جائے، معاملات کو یونہی نہ رہنے دیا جائے، کوئی اسکیم سوچی جائے، لیکن وہ ایسی ہونی چاہئے جو شریعت کے دائرہ کے اندر ہو اور کوئی ہم ایسی چیز تجویز نہ کریں کہ جس سے کہ شریعت کے احکام متاثر ہوتے ہوں، میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ طلاق قابل انتقال چیز نہیں ہے، اور اس کی کوئی دلیل قرآن وسنت سے نہیں ہے، طلاق جیسی چیز قابل انتقال نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ عظیم مصلحت پر مبنی ہوتی ہے، اور ان مصلحتوں کا لحاظ طلاق دینے والا ہی کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا، تو اس صورت میں جب کہ طلاق تفویض کردی جائے توکیل کی صورت میں، تو یہ عظیم مصلحت فوت ہوجائے گی، اور ہمیں صرف یہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ قانونیت کس طرح پیدا کی جاسکتی ہے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مصلحتیں جو شریعت نے رکھی ہیں ان میں سے کوئی مصلحت فوت نہ ہوجائے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر طلاق تفویض کی جاسکتی ہے عورت کو تو عورت کو بھی خلع کا حق

ہے، تو کیا اگر کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کو خلع کا حق دے دیتی ہوں اس طور سے کہ وہ جب چاہے خلع کا معاملہ کرے اور مہر معاف ہوگا تو خلع کا حق تفویض کیا جا سکتا ہے مردوں کو، اور اگر کیا جا سکتا ہے تو مرد بھی یہ چاہیں گے کہ ایسی شرائط نکاح نامہ میں لکھ دی جائیں، تاکہ اس کو مہر دینا ہی نہ پڑے، وہ خلع کا اعلان کر دے گا، تو اگر طلاق قابل انتقال ہے اگر تفویض کی جا سکتی ہے تو خلع کی بھی تفویض کی جانی چاہئے اور جو شرطیں آپ نکاح نامہ میں لکھیں، وہ جھگڑے پیدا کرنے والی، آئندہ چل کر یہ باتیں پیدا ہو سکتی ہیں، اور یہ شرطیں قابل عمل بات نہیں ہیں، ایسی صورت میں سوچنا چاہئے جس کو قبول کرنے کے لئے معاشرہ تیار ہو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل دوسری شکل میں تلاش کرنا چاہئے، مثلاً یہ کہ جو ظلماً طلاق دی جاتی ہے اس پر کوئی تادیبی کاروائی ہونی چاہئے، طلاق کے تعسف کی صورت میں کوئی معاوضہ شوہر کو دینا ہوگا اور معاوضہ کتنا دینا ہوگا یہ الگ بات ہے، کچھ اس قسم کی سزائیں تجویز کی جا سکتی ہیں کہ اس صورت میں جب کہ طلاق تعسف کو ظلماً یا ناحق قرار دیا گیا ہو، اور جس سے عورت کو ضرر واقع ہو ہر طلاق پر نہیں اس قسم کی چیزیں سوچی جا سکتی ہیں، لیکن نکاح کے لئے شرائط نامہ تجویز کریں یہ تو کوئی قابل عمل بات ہی نہیں ہے ۔

مولانا مجاہد الاسلام:

میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ جو معاشرہ میں مشکلات ہیں ان کا کوئی حل نکلنا چاہئے اور حل عملی ہونا چاہئے اور مصالح شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، تو اب جو کچھ بحث ہو چکی ہے اس بحث کی روشنی میں تو یہ بات واضح ہے کہ جو زیادتیاں خواتین پر ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے، ایک بنیادی جو اختلافی نقطہ نظر ہے کہ تفویض طلاق جائز ہے یا نہیں، اور جو پیرزادہ صاحب نے بات کہی کہ توکیل طلاق بھی درست نہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بات پر ذرا غور کرنا ہوگی کہ یہ محل اجتہاد ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، اور جو مسئلہ خلع کا بتایا گیا ہے، یہ تو روز ہم لوگ کراتے رہتے ہیں، خلع میں جو ایک مصیبت ہے وہ یہ ہے کہ میں اپنا مہر اس شرط پر

معاف کرتی ہوں کہ شوہر مجھے طلاق دے دے، ظاہر ہے شوہر کی رضامندی ہی پر موقوف ہوگا، بہت احتیاط کے ساتھ کبھی ہم لوگ اپنے دارالقضاء میں فقہ مالکی کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ جب دیکھتے ہیں کہ حالات ایسے ہیں طلاق ایک بری چیز ہے، مگر طلاق ایک ضرورت بھی ہے اور شاید طلاق کی اجازت ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہاں وہ فساد نہیں ہے جو غیر مسلم معاشرہ میں ہے تو دونوں ہی چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی متوازن حل ہمارے دوستوں کو کل جب کمیٹی میں بیٹھیں تو ان کو نکالنا چاہئے تھا، حل کا دوراستہ ہے ایک تو یہ کہ ہم باضابطہ ایک شرائط نامہ تیار کریں، دیکھیں کہ وہ شرائط نامہ کس طرح کا ہوسکتا ہے، کیا ہوسکتا ہے؟ اور وہ مصالح شریعت سے ہم آہنگ ہوں اور دوسری چیز یہ بھی ہوگی کہ ہم یہ لکھیں گے کہ اگر کوئی شخص فلاں فلاں شرطوں پر کرتا ہے تو فلاں شرط معتبر ہوگی اور فلاں شرط معتبر نہیں ہوگی، یعنی اس کی حیثیت ایک جزوی حیثیت ہے۔

نکاح نامہ

شوہر کا نام مع ولدیت عمر:..

پتہ :..

موجودہ پیشہ/عہدہ :..

نکاح اول یا نکاح ثانی:..

دلہن کا نام مع ولدیت:..

عمر :..

پتہ :..

نکاح اول یا ثانی :..

نکاح ثانی کی صورت میں کیا یہ نکاح پہلے شوہر کے بعد یا طلاق حاصل کرنے کے بعد کیا جارہا ہے۔

موجودہ پیشہ/عہدہ :..

وکیل نکاح کا نام مع ولدیت (زوج کی طرف سے):..

عمر :..

پتہ :..

پیشہ :..

دلہن سے اجازت کے گواہ (۱)	گواہ نمبر (۲):
نام مع ولدیت:	نام مع ولدیت:
عمر:	عمر:
پتہ:	پتہ :

گواہ نکاح نمبر(۱): نام مع ولدیت: گواہ نمبر(۲):

عمر: عمر:

پتہ: پتہ:

پیشہ: پیشہ:

مہر..............اگر زوج نے زوجہ مذکورہ کی موجودگی میں دار القضاء ....کی
رائے کے بغیر دوسرا نکاح یا زوجہ مذکورہ کو طلاق دی
ایسی صورت میں پیش نہ آنے کی صورت میں مہر کی مقدار........ہوگی۔

اقرارنامہ

(۱) شوہر اور زوجہ دونوں مسلمان ہیں اور شرع اسلام کے پابند رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

(۲) میں .... بنت ....اقرار کرتی ہوں کہ جائز باتوں میں اپنے شوہر کی اطاعت کروں گی اور شوہر اور اس کے گھر والوں کے ساتھ بہتر اخلاق اور سلوک رکھوں گی اور ناموافق حالات میں بھی شوہر کی رفاقت کا حق ادا کروں گی۔

(۳) میں .... ولد............ اقرار کرتا ہوں کہ میں بیوی کے ساتھ معروف طریقہ پر زندگی بسر کروں گا اور ان تمام حقوق کو ادا کروں گا جو شریعت کی جانب سے مجھ پر واجب ہیں، نیز اگر مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے اور دار القضاء .... یا حکمین .... یا جماعت مسلمین .... یا برادری رپنچائت .... باضابطہ یا غیر رسمی طور پر تحقیق کے بعد مطمئن ہو جائیں اور اپنے اطمینان کا تحریری اظہار کردیں تو زوجہ کو اسی وقت یا جب تک یہ صورت برقرار رہے اس میں کبھی بھی اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۱-شوہر دو سال سے مفقود الخبر ہو۔

۲-ایک سال سے زوجہ کا نفقہ باوجود زوجہ کے مطالبہ کے ادا نہیں کرے۔

۳-ایک سال تک عورت کے مطالبہ کے باوجود بلا وجہ حق زوجیت سے غفلت برتے۔

۴-شوہر مجنون یا فاتر العقل یا متعدی جنسی مرض یا خطرناک غیر متعدی مرض میں مبتلا ہو۔

۵-شوہر زوجہ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتا ہو جس میں یہ صورتیں بھی شامل ہیں

(الف) بیوی کو شدید زدوکوب کرتا ہو۔

(ب) دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا ہو۔

(ج) بیوی کو غیر اخلاقی فعل کرنے پر مجبور کرتا ہو۔

(۴) شوہر موجودہ زوجہ کے عرصۂ حیات میں اگر دوسری شادی کی ضرورت محسوس

کرے تو دار القضاء یا مقامی ذمہ دار علماء یا برادری کے ذمہ داروں کے سامنے اس کی وضاحت کرے گا کہ وہ دوسرا نکاح کیوں کرنا چاہتا ہے اور کیا وہ دو بیویوں کی کفالت کی استطاعت رکھتا ہے اور وہ دو بیویوں کے درمیان حسب حکم شرع عدل کر سکے گا۔

(۵) اگر شوہر نکاح ثانی کرے تو اس کا پابند ہوگا کہ پہلی بیوی کے مطالبہ پر دوسری بیوی کے لئے علاحدہ رہائش کا انتظام کرے۔

(۶) پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد مدت حضانت میں اس سے علاحدہ نہیں کی جاسکتی، اور مدت حضانت کے بعد یہ ضروری ہوگا کہ بچوں کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے قاضی کے ذریعہ اس کی پرورش کے لئے مناسب حکم دیا جائے۔

(۷) زوجہ کی طرف سے مہر کی معافی کلی یا جزوی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ معافی کسی بھی قسم کے دباؤ یا دلہن کی سادگی، یا اس کی مسائل شرع سے لاعلمی کی بنیاد پر دھوکہ دے کر نہیں کرائی گئی ہے۔

(۸) شوہر طلاق دیتے وقت شرعی اصول کو پیش نظر رکھے گا کسی سبب شرعی کے بغیر اور دار القضاء یا مقامی علماء سے مشورہ کے بغیر طلاق دینے سے اجتناب کرے گا، نیز اگر طلاق دینا ناگزیر ہو جائے تو ایک دفعہ میں ایک سے زیادہ طلاق نہیں دے گا۔

(۹) وہ تمام اشیاء جو شادی کے وقت یا اس کے بعد (نکاح اور طلاق کے درمیان) زوجہ کو اس کے والدین، رشتہ داروں شوہر کے اہل خاندان، شوہر کے رشتہ کے دوستوں وغیرہ کی جانب سے تحفے کے طور پر حاصل ہوئی ہیں زوجہ کی ملکیت مانی جائیں گی

(۱۰) ہم زوجین اقرار کرتے ہیں کہ خدانخواستہ ہم دونوں میں جب بھی کوئی نزاع پیدا ہو تو دار القضاء.......... یا..........ثالث ہوگا اور تمام ازدواجی نزاعات بہ شمول طلاق، خلع، مہر، حضانت، نفقہ وغیرہ کی بابت صوابدید و اطمینان پر فیصلہ کا مجاز ہوگا

دستخط زوج: دستخط زوجہ:

دستخط گواہ اول: دستخط گواہ دوم: دستخط قاضی: